(غیر مطبوعہ کلام کی تدوین)

باقیاتِ آلِ رضا

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن



عالی مرتبت جناب تاجدار عادل کی
خدمت میں بہ نذرِ خلوص
شبیہ الحسن
۲۰/۷/۲۰۰۰ء



باقیاتِ آلِ رضا

(غیر مطبوعہ کلام کی تدوین)

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن

یہ کہہ کہ بجھ گئے کتنے فضا شناس چراغ
ہوائے بزم ہماری مزاج داں ہی نہیں

باقیاتِ آلِ رضا

(غیر مطبوعہ کلام کی تدوین)

⌘

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن

⌘

الحسن پبلی کیشنز

۲۵۳-ایف رحمان پورہ لاہور۔ پاکستان

R-338 سیکٹر 14-A شادمان ٹاؤن نارتھ کراچی پاکستان

باقیاتِ آلِ رضا

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن

ناشر ڈاکٹر سید محمد باقر زیدی

طابع سید اظہار الحسن رضوی

مطبع اظہار سنز پرنٹرز لاہور

سرورق کوہِ نور آرٹ سیکشن

کمپوزنگ تصور کمپوزنگ سنٹر

قیمت ۲۵۰ روپے

یکے از مطبوعات

الحسن پبلی کیشنز ۲۵۳۔ایف' رحمان پورہ' لاہور۔پاکستان

انتساب

فخر قوم سید ہاشم رضا صاحب

اور

محترمہ رعنا زیدی صاحبہ

کے نام

⌘

مصنف کی دیگر کتب

مطبوعہ

- مفاہیم
  (تحقیق و تنقیدی مقالات)
- ترجیحات (انعام یافتہ)
  (تحقیق و تنقیدی مقالات)
- آلِ رضا کا فن غزل گوئی
  (تحقیق و تنقید)
- شام و سحر کی باتیں
  (ماہنامہ شام و سحر لاہور کے اداریے)
- آغا صاحب
  (ڈاکٹر آغا سہیل کی شخصیت و فن)
- کلیات حبیب
  (حبیب جونپوری کے کلام کی تدوین)
- جدید لہجے کا شاعر ـــ سیف زلفی
  (سیف زلفی کی شخصیت اور فن کا مطالعہ)

زیرِ طبع

- لکھنؤ کی اردو شاعری (تحقیق)
- اردو مرثیہ اور مرثیہ نگار (تحقیق و تنقید)

مندرجات

○ مقدمہ ۲۵
ڈاکٹر سید شبیہ الحسن

غیر مطبوعہ کلام کی تدوین

○ حمد ۱۰۱
ترے بہترین جمال کا جو کروں سوال تو کیا کروں
بہتر مرے کریم مرے کل سے آج ہے

○ نعت ۱۰۳
کسی گلشن میں خوشبوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا
ساتھ لے کر نیا نظام آیا
یوں آج تصور میں رضا آئے محمدؐ

سنی بھی نہ وہ جامعیت کسی میں
نبیؐ کے نام پہ امت نہ کیوں فدا ہو جائے

○ منقبتؑ

۱۰۹

اب تک ترے اپنی بدولت، وادی خضرا والے آجا
رہِ رضا میں ہیں ایسے نقوش پائے رضا
عباسؑ ہاتھ آئے زہے قسمتِ وفا
خدا کی بخشی ہوئی ولایت، یہاں کے مولا وہاں کے مولا
مذہب کی وہ حقیقت، امت کا یہ فسانہ
نئے خلوص کے رخ پر نیا نکھار آیا
نظر جب چودھویں شعبان کا ماہِ تمام آیا
محبوبِ حق کے گھر میں کچھ کم نہ تھی رسالت
وہ رفعتِ اخلاق میں دن رات کی معراج
ہیبتِ جنابِ مرتضیٰؑ اور بڑھا ترا وقار
راز یہ ہوتا ہی رہتا ہے برابر آشکار
سرِ شکِ وفا نورِ چشم ہول
علم انسان کی عزت ہے صداقت کی قسم
نظر نامعتبر ہوتی چلی جاتی ہے کیا دیکھیں
دل میں کتنی حسرتیں تھیں یہ سوچ ہی کر رہ گئیں
کلامِ حق کو نویدِ بقا مبارک ہو
انسان ہے تو دل کی نظر کا کمال دیکھ

تھی کس کے ہاتھوں سے اس معرکہ کی تیاری

لب پر نبیؐ کے حسبِ مشیت علیؑ علیؑ

مجموعۂ صفات عظیم علیؑ علیؑ

گھٹی گھٹی سی تھی فضا چلی چلی ہوا چلی

ازل ہی سے ہوا مخصوص یہ اندازِ تابانی

حسینیتؑ شرفِ مجموعۂ اقدارِ انسانی

ہیں کچھ اشعار لیکن ذوقِ مدحت کی جو بن آئی

معتبر انتظار ہو تو سہی

بنامِ محمدؐ پکار خدائی

آئے حسینؑ حق کی حفاظت کے واسطے

محمدؐ کو نبیؐ کی حیثیت سے جس قدر سمجھے

سمجھتے ہوں گے اہل علم اس کا مرتبہ کیا ہے

ذکرِ شبیرؑ میں جو لذت ہے

مرحلہ حق کی نیابت کا بہت مشکل ہے

کس ذکر سے وابستہ کس لطف کی محفل ہے

آمدِ مولودِ کعبہ یوں خدا کے گھر میں ہے

شبیرؑ کی ولادت اسلام پروری ہے

○ سلام

۱۴۳

دہک جو اٹھتا یزیدی دھواں تو کیا ہوتا

کیا عہدِ عبودیت تھا رضا اک حرف بھی پورا ہونے کا

میانِ حق و باطل کربلا ہے اور کیا ہو گا؟

شرحِ غم یوں بھی کبھی شغلِ عزا ہو جائیگا

نظر اپنی ہے دل اپنا ہے دل کا سلسلہ اپنا

دلِ سوزِ محبت سے جل جانے کا کیا کہنا

خدا کو دیکھنا ممکن نہ تھا نورِ خدا دیکھا

نام یوں بازوئے شبیرؑ کا لب پر آیا

یوں کربلا میں ایک مسلمان آ گیا

آتے جاتے مجلسوں میں اک زمانا ہو گیا

کیا کچھ نہیں ہے ذاتِ محمدؐ خدا کے بعد

ورودِ وقت ہو اور نوبہ نو یہ سوغاتیں

جم گیا جس جا ترا نقشِ کفِ پا یا حسینؑ

دل کی زینت دردِ حسینؑ سر کی زینت پائے حسینؑ

حسنِ عمل سے خلقِ حسینؑ میں آتو لیں

ہیں انقلاب بہ سر انقلاب دیکھتے ہیں

کوئی جھڑک کے اٹھا دے ہمیں مجال نہیں

ریاضِ غم فضائے گوہر افشاں دیکھتے جاؤ

ہے سرِ منبر ثنائے آلؑ کرّوفر کے ساتھ

مسلماں بن رہے ہیں کفر سامانی نہیں جاتی

کیا معرفت ہے مرتبہ دانی حسینؑ کی

شیشۂ دل کی جلا شہؑ کی بدولت ہو گئی

حسینؑ صف سے کیا تو یرِ خونِ ہاشمی نکلی

پیاسوں کے لیے قہر تھی دریا کی روانی

حسینؑ فوج بھی کس شان کی معلوم ہوتی تھی

شانِ محمدیؐ جو نبوت کو مل گئی

پیغام بن کے قدرتِ اسلام ساز کے

وہ پیاس جس میں کہ پانی حسینؑ پا نہ سکے

رضا نثار جبہۂ تیغ سر جھکانے کے

وقت پر سب انتظامِ امتحاں ہونے لگے

مصطفیؐ تک ہم کو سبطِ مصطفیؐ لے جائیں گے

مٹاتے ہیں مسلمانوں کو یہ کافر جفا والے

ماہِ عزا ہے چشمِ عزادار کے لیے

ثباتِ کیف کہاں تھا کسی خوشی کے لیے

حسینؑ کرب و بلا میں بہ احتشام آئے

کیا فقط آنسو ہی بہر ذکرِ سرورؑ رہ گئے

دیکھتے ہی رہیے یوں مولا کا جلوہ دیکھیے

کربلا دیکھی نگاہوں کا مقدر دیکھیے

بے تکلف ذکرِ شاہِ کربلاؑ ہوتا رہے

مجلسیں ہوتی رہیں آنسو نکلتے ہی رہے

ہماری زندگی اک سلکِ مقصد میں مسلسل ہے

یہ خوش نصیبوں سے میرا کوئی پیام کہے

مسکن حسینؑ کا دل درد آشنا میں ہے

اٹھا اٹھا کے علم درد دل سناتا ہے

حسینؑ اپنے ہیں اور یہ نام اپنے لب پہ آتا ہے

یہ ہیں وہ اشک' جن کی راہ تک پرنور رہتی ہے

جان ہے تیری عطا جان کے بھاری ہے

شہادت زندگی ہی زندگی ہے

کربلا والے نہیں کرب وبلا آج بھی ہے

○ نوحہ ۱۷۵

عصر کا محشر' خاک پہ سرورؑ' کوتل گھوڑا' زین پہ خون

○ غزل ۱۷۷

اس کرب سے احساس چھڑایا نہیں جاتا

خلوص دل کا نہ ڈھونڈے کہیں پتہ ملتا

نہ جانے وعدہ فردا کا حشر کیا ہوگا

اے شعور زندگی آخر تجھے یہ کیا ہوا؟

دل میں کھپتے ہوئے جب ان کو رضا دیکھا تھا

کلیجے پر چھری پھیری ہوا کیا؟

اب ان کے سامنے یہی دستور ہو گیا

ہم ہیں اور اپنی وہ تمنائیں

کہہ کے جب دیکھی غمِ ہستی کے سمجھانے کی بات

نازپروردۂ تسکین کو

اسی الجھن، اسی ڈھارس میں بسر ہو شاید

تجھے درد سے، نہ کوششِ درماں سے ہوشیار

محبت ناشناسوں میں محبت کی فغاں کب تک

دماغِ باغباں سے خود نہ اٹھے گا دھواں کب تک

غرورِ حسن کی رسمیں ادا ہو جائیں گی کب تک؟

گھر غریبوں کے جلا کر، نہ تماشا دیکھو

نا صحو رکھا ہے کیا، اپنے اس افسانے کا نام

مقتضائے وفا ہے نامعلوم

دنیائے حسن و عشق، غزل خواں ہے اور ہم

ہے اذنِ دید، ممتحنِ طرزِ دید بھی

چلتی پھرتی چھاؤں تھی، جو زندگی سمجھے تھے ہم

اور بزمِ دل کا ایسا، جذبِ یکجائی کہاں

مری تاک میں مناظر، میں نظر چرا رہا ہوں

کھل رہی ہوں گی زمانے کو ہماری باتیں

شوق منزل کو اگر ذوق بد اماں کر دیں

اب یہی دستور ٹھہرا ہے تو کیوں شکوہ کریں

یومِ ہوش آج منایا گیا دیوانوں میں

موت آنا تو کوئی بات نہیں

دوستو اس میں کوئی حرج تمہارا تو نہیں
اور طوفانِ حوادث کا کوئی غم تو نہیں
تشنگی ان کی طرف حدِ طلب ہے کہ نہیں
ابھی یہ کوفت کہ شایانِ غم زباں ہی نہیں
مدہ، حُسن بھی ہوں، حُسن کا احساں بھی نہیں
نمودِ خود فریبی کی نئی راہیں نکلتی ہیں
فرض جب کر لیا، وہ آتے ہیں
ہم سے دیوانوں کو ہوتا ہے محبت کا مرض
زخم یہ کتنی نفاست سے سیے جاتے ہیں
سانس کی جی داری پر نازاں، کس عالم میں رہتے ہیں
ملے جب تم، اسے ہم نازشِ حاصل سمجھتے ہیں
عقل نے کتنی ٹھوکریں کھائیں
وہ غیروں میں شامل ہوئے جا رہے ہیں
تبصرے سنتے ہیں افسانہ بنے بیٹھے ہیں
حوصلوں کا ادھورا نقشہ سمجھ لیں تو بڑھیں
خود اپنا عکس دیکھیں یا مقابل کی جلا دیکھیں
مٹا رہا ہوں نشانات سلسلے کے لیے
کب چاہتا ہوں اس سے کوئی عرضِ حال ہو
وضع کی لاج ہے کہ اف منہ سے نکالی نہ گئی
خوشی یہ کم ہے کوئی لطفِ زندگی کے لیے

نظم

۲۰۲

حسینؑ نام ہے حسنِ مآلِ خلقت کا
سلام خاک نشینوں پہ سوگواروں کا
فرازِ قرب کا یہ احتشام کیا کہنا
یہ وطن کیا جیسا چاہا ہم نے وہ بنتا رہا
پیکرِ بے روح رسمی اعتقاد
ہزار جان سے ہم ہیں فدائے پاکستان
وطن ان کے شایاں یہ شانِ وطن ہیں
قائدِ اعظم کی یہ دھن تھی کہ پاکستان ہو
گھٹ رہے ہیں کیسے کیسے فاصلے بڑھتے ہی جاؤ
ہے جائے فخر بصد افتخارِ آزادی
مخصوص ایک وحی جو آتی چلی گئی
تو اپنا محسنِ اعظم ہے قائدِ اعظم
قربانیاں ہیں عزت اسلام کے لیے
اللہ اللہ آیۂ بلغ رساں، یہ اہتمام

قطعہ

۲۲۱

گیا کب کا وہ دورِ رنگ و آہنگ
بیٹھتے اٹھتے، لب پہ نامِ علیؑ
یہ کس کی مدح کی عزت ملی، زہے عزت

تمام علم سے پیدا، تمام حسنِ یقیں

پیام بر! تجھے توفیق ہو جو کہنے کی

چہرہ بگاڑ ڈالا، سیاسی بناؤ کا

باسعادت، باکرامت، باہزاراں زیب و زین

جب ہوئے جمع، وحی و امرِ الٰہ

فکر انگیز ہوا کرتا ہے اکثر یہ سوال

جذب ہے ذات میں مقامِ صفات

کچھ سمجھنے ہی نہیں دیتیں ہیں

وہ کربلا، وہ حسینؑ حفاظتِ اسلام

خدا کے دین کی تبلیغ کا ہو کوئی بھی رخ

امامِ عصرؑ کی آمد، ارے، خدا کی قسم

رات اک منظرِ دلکش لبِ دریا دیکھا

فاتحِ کرب و اضطراب حسینؑ

آپ کی پہلے ضرورت تھی، مگر

کوئی ہمیں جو یہ کہتا ہے ٹھیک کہتا ہے

نام پر مذہب کے، کیوں ہوتا ہے مذہب سے مذاق

ہم منتظر ہیں جن کے وہ مدد نواز ہیں

چلے جاتے ہیں ہم، دنیا کے رستے پر یہ بے سمجھے

کس نے کہا ہے ان سے ملے گی یہاں پناہ

وہ جمالِ محمدیؐ، وہ حسینؑ

دستِ نبیؐ پر 'اللہ اکبر' مخصوص داور 'مولودِ کعبہ
دیدارِ گلِ ذوقِ طلب کی بھی ہے منزل
جس نے دیکھا تھا نورِ وحیِ خدا
اسی کا حق ہے چمن ہدیِ ریاضِ نبیؐ
صفحۂ تاریخ پر لفظِ وفا' لکھی گئی

قائداعظمؒ کا مسلک رہنمائے قوم ہے
نعرہ یہ بے سبب نہیں دل کی پکار کا
نورِ چشم مرتضیٰؓ 'ماہِ سپہر ہاشمی
کسی کے دل میں کوئی بات ڈال دینے کو
ایمان کی ہے جان' تصور امام کا
عطا کیا اللہ 'محمدؐ کو شرف
فروغِ حسنِ ایماں کے لیے تازہ بہار آئی
نبی کی گود میں آیا' محافظِ اسلام
کھل اٹھیں گلشنِ اسلام میں ایمانی پھول
ہیں بڑے تنظیم حق کے اہتمام
بھائی تو تھے ہی بڑھ کے رفاقت بھی مل گئی
ہوا اپنا بھرم نامِ حسینؓ ابن علیؓ
معتبر تھا شرفِ آدمؑ وابنِ آدم
شمشیر کو ہے ناز کہ روزِ عاشور
کلکِ قرآں رقم نے لوح کے بعد

نبیؐ ہیں باقی، نبیؐ ہیں قائم، نبیؐ ہمیشہ نبیؐ رہیں گے

کہیں گرتے ہیں، نہ گرنے کی عقیدت والے

نصیری کا جو مفہوم خدا ہے

رونقِ بزمِ منقبت کے نثار

تو ہے امامِ وقت، ترے دم قدم کے ساتھ

علیؓ کے نام کی برکت ہے آزمائی ہوئی

ملا ہے اپنے مقدر سے ہم کو پاکستان

غیب پر ایمان رکھتا ہے نگہبانِ عمل

علیؓ نے ربِ علی العظیم سمجھایا

جو پوچھتی ہے کبھی مجھ سے دل کی محرومی

اے علم کے مخزن، ترے مکتب کا یہ درس

فضائے نشر و اشاعت کی رونقیں آباد

مباہلے میں جگہ کی جو تھی خصوصیت

د رباعی ۲۳۴

کیا وقت سے "شہ" نے کام لے کر چھوڑا

جو کیف ہے ہمدم، نہ کبھی چھوٹے گا

ماحول تو انقلاب ساماں ہی رہا

وہ نور جو کربلا میں ضو دیتا تھا

میں نے تو رضا اس پہ بہت ناز کیا

سر دے کے شہادت کو سرافراز کیا

کیا شغل ہے' اذکارِ حسینؑ آباد

ہے طرۂ اخلاص' وفائے عباسؑ

تھا سبطِ نبیؐ' خدا پسندی کی طرف

پیاسوں کی ذرا تشنہ دہانی کہہ دیں

وہ قافلۂ آلِ عبا اور حسینؑ

قرآن جو ناطق ہو' تو قرآن حسینؑ

مجموعۂ اوصاف' سراپا ہیں حسینؑ

سر دینے کی سروری کو کہتے ہیں حسینؑ

کس حد سے کہیں کہ دل سے چڑھے ہیں حسینؑ

سردار و علمدارِ شہادت ہے حسینؑ

اس شان سے گھربار لٹاتے تھے حسینؑ

دھن جب سے غمِ شہؑ کی سمائی دل میں

تسکینِ دل پیام ہوتی ہی نہیں

اذکارِ حسینؑ کی جو تحریریں ہیں

سب پاس ہے' کچھ دور نہیں جاتے ہیں

مجلس کی فضا' حسبِ طلب پاتے ہیں

ہادی جو ہدایت کو بقا دیتے ہیں

مشکل سے ہمیں دادِ وفا دیتے ہیں

خاصانِ خدا' حق کی صدا دیتے ہیں

ممکن ہے کبھی جھلک دکھا ہی جائیں

کیا کہیے شہِ دینؑ کے وفاداروں کو

یہ تو نہیں ممکن کہ سیادت لے لو

نعمت ہے یہ غم، خلوص شامل بھی تو ہو

جس نے جو سجایا، وہ اسی سے پوچھو

دنیا کی تمام، بے بسی کو دیکھو

جو جس کے لیے ہے وہ اس کا حصہ

اسلام میں انسان کی عظمت ابھری

قائم ہے ترقی پہ امامت تیری

اک رسم ادا کرتا ہوں خدمت کیسی؟

جاری ہے یہ پیغام حسینؑ ابن علیؑ

تاثیر حسینیتؑ کی ہوتی ہی رہی

یہ ذکرِ دل افروز، نکلتا ہے یونہی

کس شان سے فتحِ شہِؑ مظلوم ہوئی

ساحل پہ پہنچ گیا ہوں بہتے بہتے

ہاں، لاؤ جو ایسا کوئی انساں ٹھہرے

بے لطف مجالس سے ہیں محفل والے

چھاپا تو بہت صدق پہ مارا، تو نے

کیا کام کیا مصدرِ تعمیری نے

آئینۂ تخلیق، جلا پاتا ہے

کیا نقشِ وفا، رنگِ وفا لاتا ہے
ذکرِ شہِؑ مظلوم جو چھڑ جاتا ہے
عاشور کو جب عصر کا وقت آتا ہے
ہر چند زمانہ ہمیں سمجھاتا ہے
کام اپنا سدا، ماہِ عزا کرتا ہے
مجمع جو ادیبوں کا چنا ملتا ہے
وہ فلسفہ جو غیر کے گھر پلتا ہے
کیفِ غمِ شہؑ، اپنی جزا بنتا ہے
جینا ہے عزائے شاہ میں، مرنا ہے
اک فرض نے ہم سے تو یہی چاہا ہے
کیوں فکر ہو، اس درد میں کیا رکھا ہے
دیکھو، غمِ جاں خش میں کیا رکھا ہے
کیا ذکرِ حسینؑ کا یہ سرمایہ ہے
مظلوم نے کیا جہاد فرمایا ہے
اسلام میں اندازِ حسینی کیا ہے؟
دل کہتا ہے، ہر دل کو خبر ہو کے رہے
تسکینِ دوِ اندوہِ نہاں، مجلس ہے
ہم سوگ نشینوں کا عجب عالم ہے
زائر جو شرف پا کے، بنا ہے، تو ہے
مظلوم کی چپ بھی آہ ہو جاتی ہے

کیا یادِ حسینؑ اپنی جگہ باقی ہے

تقریبِ وداع کتنی جذباتی ہے

پانی ہے سبیل فیضِ شہؑ جاری ہے

دنیا کا یہ اک تحفۂ انعامی ہے

دل والوں کی حالت کوئی ہم سے پوچھے

جذبات پہ تاثیرِ عزا کی چھا جائے

تھی شرط کہ میداں میں جو ناصر آئے

محبوبِ خدا کتنے سرافراز ہوئے

انسان کو تہذیب سکھانے کے لیے

○ مرثیہ (شخصی) ۲۴۷

دیارِ رشد و ہدایت کی روشنی کی قسم

(مولانا سید ناصر حسین مرحوم)

سنا ہے بارہا مجلس میں علامہ ترابی کو

(علامہ رشید ترابی مرحوم)

جلیسِ منبر و مجلس نماد کلب حسین

(علامہ سید کلبِ حسین مرحوم)

○ فرد ۲۵۱

موقف ہے کربلا کا اپنی جگہ پہ قائم

حسنؑ کا دل علیؑ و فاطمہؑ کا نور العین

کس سلیقے سے ہنا نقشِ کفِ پائے حسینؑ
پھر سے اڑ گئیں ساری چڑیاں رنگ برنگے پر مارے
خوش دیاریِ محبت کے سوا آس نہیں
بھٹک رہے ہو اندھیرے میں راہ پر آؤ
یہ کہہ کے ڈوب گیا آفتابِ عاشورہ
پھر دل میں چبھ رہی ہے بھولی ہوئی کہانی

○ ضمیمہ ۲۵۳

(ا) نو دریافت کلام
(ب) متروک کلام
(ج) الحاقی کلام
(د) عکسِ تحریر

○ اشاریہ ۲۶۵

نوائے رضا اور غزل معلّیٰ

○ ماخذ ۲۸۵

(ا) کتب
(ب) رسائل
(ج) اخبارات

مقدمہ

(1)

شاعر آلِ عبا (1) رضا لکھنوی کا اصل نام سید آل رضا اور تخلص رضا تھا۔ آپ 10 جون 1896ء (2) کو قصبہ نیوتنی ضلع اناؤ (لکھنؤ) میں پیدا ہوئے۔ شعرو سخن سے وابستگی کے بعد ابتدا" آپ رضا نیوتنوی اور بعدہ رضا لکھنوی کے نام سے مقبول خاص و عام ہوئے۔ (3) آپ سید النسل تھے اور آپ کا نسبی سلسلہ مختلف کڑیوں کے توسط سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ (4)

مغلوں اور ایرانی حکمرانوں کے روابط ہمیشہ خوشگوار رہے۔ جب مغل بادشاہ ہمایوں ایرانی امداد کے ساتھ ہندوستان وارد ہوا تو اس کے ساتھ سیاسی مشیروں کی کافی تعداد بھی تھی اور شجاعت کے اعلیٰ ترین جوہر دکھانے والے سپاہیوں کی کثرت بھی۔ اس کے ساتھ ساتھ علم و ادب سے تعلق رکھنے والے دانشوروں کا ایک گروہ بھی ہمایوں کی معیت میں ہندوستان وارد ہوا۔ شہنشاہ ہمایوں کے ہمراہ نیشاپور (ایران) سے ایک بزرگ سید محمود رضوی بھی ہندوستان تشریف لائے۔ کچھ عرصے وہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں قیام پذیر رہے لیکن آخرکار موحان ضلع اناؤ ان کا مستقر ٹھہرا۔ (5)

اس سلسلے میں یہ قطعہ ملحوظ خاطر رہے۔

گدائے شاہ خراساں ہیں ہند میں آئے
شعار صبر و رضا اپنا اور لقب رضوی
ستایا گو فلک کج مدار نے ہم کو
مٹا سکا نہ مٹے گا یہ رنگ مرتضوی (6)

موہان ضلع اناؤ میں قیام پذیر ہونے کے بعد ایک جانب تو ان کی نسل نے فن سپہ گری سے رشتہ استوار کیا اور دوسری طرف زمینداری کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ آپ کی نسل میں سید قاسم علی اس اعتبار سے نہایت ممتاز ہوئے کہ انہوں نے زمینداری کو اس حد تک وسعت دی کہ پورے ضلع اناؤ میں ان کا طوطی بولنے لگا۔

سید قاسم علی کی طبعی شرافت اور حسن انتظام کا دور دور چرچا تھا۔ یہی محاسن اور اوصاف حمیدہ ان کے فرزند ارجمند سید فرزند علی میں بھی نمایاں ہوئے۔ سید فرزند علی کا عقد مسنونہ سندیلے کے چودھری نہال الدین کی دختر نیک اختر سے انتہائی دھوم دھام سے ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت نیک سیرت اور باکردار اولاد سے سرفراز کیا۔ خاص طور پر سید شیر علی عرف سرفراز علی اپنی بے پناہ صلاحیتوں کی بنا پر والدین کے لئے موجب فخر بنے اور اہل خاندان کے لئے باعث مباہات قرار پائے۔ ان کی سحرانگیز شخصیت اور بے پناہ شجاعت کا گھر گھر چرچا تھا۔ انہوں نے زمینداری کے ساتھ ساتھ سپہ گری کو بھی بطور پیشہ اختیار کیا۔ سید شیر علی عرف سرفراز علی محض ایک شجاع سپاہی کے طور پر مقبول نہ تھے بلکہ ان کی دلیری' تہور اور جرات مندی کے قصے خاص و عام میں مقبول تھے۔ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کے جوہر دکھانے پر معتوب بھی ہوئے۔ اس سلسلے میں سید ہاشم رضا کا یہ بیان ملاحظہ فرمایئے:

"____ وہ (سید سرفراز علی) آخری شاہ اودھ واجد علی شاہ کی پلٹن میں شامل تھے جس نے "چنہٹ" کے مقام پر انگریزی فوجوں کو 30 جون 1857ء کے دن شکست دی تھی' لیکن جب

ایسٹ انڈیا کمپنی کے کمانڈر انچیف "سر کولن کیمبل" نے ایک
لاکھ سپاہیوں کو لے کر لکھنؤ پر چڑھائی کی تو شاہ اودھ کی گھنگھور'
اختری اور نادری پلٹنوں نے' جن میں تقریباً پندرہ ہزار سپاہی شامل
تھے' اتنی بڑی فوج کے مقابلے میں شکست کھائی' بقول میر تقی
میر:

شکست و فتح مقدر میں تھی و لے اے میر
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

اس شکست کے نتیجے میں انگریزوں نے سید سرفراز کی زمینیں ضبط
کرلیں ـــــ" (7)

سید شیر علی عرف سرفراز علی کے دو فرزند سید فرخندہ علی اور سید علی رضا تھے۔
سید علی رضا ہردوئی میں وکالت کرتے تھے اور اپنے استدلالی انداز بیان کے لیے پورے
علاقے میں معروف تھے۔ ان کا عقد میر امراؤ علی کی صاحبزادی سے ہوا جن کے بطن
سے صرف ایک لڑکا "سید محمد رضا" تولد ہوا۔

آل رضا کے والد گرامی خان بہادر جسٹس سید محمد رضا نے اولاً" والد کے ذریعہ
معاش (وکالت) کو اپنایا بعد ازاں منصف بنے پھر اودھ کے مختلف اضلاع میں مختلف
عہدوں پر فائز رہنے کے بعد 1934ء میں لکھنؤ چیف کورٹ کے سینئر جج کی حیثیت سے
ریٹائر ہوئے' وائسرائے ہند نے ان کی قابلیت اور صلاحیت سے متاثر ہو کر انھیں
کونسل آف اسٹیٹ کا ممبر نامزد کیا مگر حیات نے وفا نہ کی اور وہ جلد ہی راہی ملک عدم
ہوئے۔ اپنے والد گرامی کی شخصیت کے حوالے سے ہاشم رضا رقم طراز ہیں:

"میرے والد نے Simple Living and High Thinking کو
اپنی زندگی کا شعار بنایا۔ انہوں نے عہد جوانی سے لے کر عہد
پیری تک انگریزی لباس کبھی نہیں پہنا۔ وہ شیروانی چیف کورٹ
کے اجلاس میں بھی پہنتے تھے۔ سر لوئی اسٹیورٹ نے جو اودھ

چیف کورٹ کے پہلے چیف جج تھے' مجھ سے لندن میں 1932ء
میں اردو زبان میں کہا تھا "میں تمہارے والد کی ایمانداری اور
وضع داری سے بہت متاثر ہوا تھا۔" (8)

حقیقت یہ ہے کہ سید محمد رضا کی یہ ایمانداری اور وضع داری ان کی اولاد میں بھی منتقل ہوئی اور ان کی اولاد جملہ صفات سے مالا مال ہے۔

سید محمد رضا کی اولاد میں پانچ صاحبزادے (1) سید آل رضا (2) سید کاظم رضا (3) سید عباس رضا (4) سید ہاشم رضا (5) سید مسعود رضا اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔ سید محمد رضا کی اولاد نے اپنی اپنی نوعیت اور حیثیت کے اعتبار سے ملک اور قوم کی خدمت کر کے والدین کا نام خوب روشن کیا۔ چنانچہ یہ تعمیل اولاد در اولاد ماشاء اللہ آج تک جاری و ساری ہے۔ (9)

آل رضا بچپن ہی سے نہایت ذہین اور فطین واقع ہوئے تھے۔ نوعمری میں آپ اپنے والد ماجد کے ہمراہ مختلف اضلاع میں مقیم رہے۔ آپ کے والد سید محمد رضا اور والدہ سیدہ آل فاطمہ علم و ادب سے بے پناہ لگاؤ رکھتے تھے۔ گھر میں علم و ادب کے چرچے تھے۔ آل رضا کا بچپن اس علمی و ادبی فضا میں گزرا۔ اس عہد کے دستور کے مطابق آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ باقاعدہ تعلیم کے حصول کے لیے آپ کو سیتاپور اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ گھر کی تعلیم و تربیت اور اسکول کی ادبی فضا نے آل رضا میں ذوق علم کو کچھ اور ابھارا اور ان کی تعلیمی دلچسپیوں میں بے پناہ اضافہ کیا۔ انہوں نے اسکول سے 1912ء میں انٹرنس کی سند امتیازی نمبروں سے حاصل کی۔ تعلیم کا شوق انہیں کشاں کشاں لکھنؤ لے گیا اور آپ نے یہاں کیننگ کالج لکھنؤ (لکھنؤ یونیورسٹی) میں داخلہ لے لیا۔ یہاں کی علمی و ادبی فضا بالکل مختلف تھی جس میں تنوع بھی تھا اور رنگا رنگی بھی۔ آپ نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا دینے کے لیے لکھنؤ کی علمی و ادبی سرگرمیوں میں انتہائی انہماک اور غیر معمولی شغف سے کام لیا۔ اس فضا میں انہوں نے اپنے تعلیمی مقاصد سے ایک لمحے کو بھی غفلت نہ برتی۔ یہی سبب ہے کہ

آپ نے 1916ء میں بی۔ اے کی سند امتیازی نمبروں سے حاصل کر لی۔ (10)

آل رضا شروع ہی سے اپنے والد ماجد کی شخصیت سے بے حد متاثر تھے اور ان کے پیشے کو بطور خاص احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ وہ والد کا پیشہ اختیار کریں۔ بی۔ اے کے فوری بعد اگرچہ وہ وکالت کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن بعض نامساعد حالات اور مواقع کے سبب آپ کا یہ منصوبہ کچھ عرصے تک ملتوی رہا۔ آل رضا کی جملہ پریشانیوں کے اسباب میں سے ایک سبب سید ہاشم رضا نے یہ بتایا ہے:

> "____ 1917 - 18ء میں سارے ملک میں فلو کی وبا پھیلی اور ہماری عزیز بہن "سعید فاطمہ" جن کی عمر 17 برس کی تھی اور جن کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں، ناگہاں ہم سے جدا ہو گئیں۔ یوں تو ہم سب پر اس سانحے کا بڑا اثر ہوا، لیکن برادر محترم کے قلب پر ایک بجلی سی گری اور ایک سال تک ان کا عجب عالم رہا۔" (11)

آل رضا کی پریشانی کے بارے میں سید ہاشم رضا کی مزید تفصیلات ملاحظہ فرمائیں:

> "____ سید آل رضا کے غم آشنا دل کو ہماری دو بہنوں کی وفات حسرت آیات نے ہلا کر رکھ دیا۔ سعید فاطمہ کی عمر 17 برس اور لئیق فاطمہ کی عمر 14 برس کی تھی کہ پیغام اجل آ گیا۔ سعید فاطمہ کی شادی طے ہو چکی تھی اور جہیز تیار ہو چکا تھا۔ میرے والد نے میری والدہ سے کہا تھا کہ ہمیں کیا خبر تھی کہ جہیز کے بجائے ہمیں اپنی بچی کو کفن دینا پڑے گا اور میر تقی میر کا یہ شعر پڑھا تھا۔
>
> نہ تھا معلوم اے آرام جاں اس نامرادی میں
> کفن دینا تمہیں بھولیں گے ہم اسباب شادی میں
>
> اور جب لئیق فاطمہ نے 21 دن میعادی بخار میں مبتلا رہ کر

آنکھیں بند کیں تو میرے والد نے تعزیت کرنے والوں کو میر انیس کا یہ شعر پڑھ کر سنایا تھا۔

کچھ دن جو اپنے پاس رہے مستعار تھے
یہ لال سب امانت پروردگار تھے" (12)

آل رضا ایک حساس انسان تھے۔ لہٰذا چھوٹی چھوٹی باتیں بھی ان کے دل پر گہرا اثر ڈالتی تھیں اور وہ ایک عرصے تک ان کے دائرہ اثر سے باہر نہیں نکل پاتے تھے۔ بہنوں کی ناگہانی اموات اور چھوٹی موٹی خانگی پریشانیوں نے ان کے ذہن پر جو اثرات مرتب کیے تھے انہیں دور کرنے اور ان کے ذہن کو ادھر ادھر مصروف رکھنے کے لیے ان کی شادی کا فیصلہ کیا گیا۔ آپ کا عقد مسنونہ نواب احمد حسین آف پریاواں کی صاحبزادی محترمہ حسینی بیگم سے کر دیا گیا۔ یہ نسخہ کارگر ثابت ہوا اور آل رضا کی طبیعت رفتہ رفتہ سنبھلنے لگی۔ تعلیم کا تعلق دوبارہ بیدار ہونے لگا۔ طبیعت کسی قدر بہتر ہو گئی تو آپ نے 1918ء میں میو سنٹرل کالج الہ آباد میں داخلہ لے لیا اور 1920ء میں ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری امتیازی نمبروں سے حاصل کر کے لکھنؤ میں وکالت شروع کر دی۔ وکالت کے آغاز میں آپ کو پے در پے کئی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن اپنی خاندانی وجاہت اور حوصلہ مندی سے آپ نے ان پر قابو پا لیا۔ 1921ء میں وہ پرتاب گڑھ (اودھ) آئے اور یہاں بھی وکالت کے پیشے کو جاری رکھا۔ پرتاب گڑھ میں قیام کے دوران لکھنؤ کی حسین اور دلپذیر یادیں ان کے دل کو ستاتی رہیں۔ لکھنؤ کی علمی و ادبی محفلیں، دوستوں کی چہلیں اور منفرد شعری فضا ان کی طبیعت کو بے چین کیے رکھتی تھیں۔ لکھنؤ کی یہی کشش 1926ء میں انہیں پرتاب گڑھ سے پھر لکھنؤ کھینچ لائی۔ (13) وکالت کا مشغلہ بدستور جاری رہا۔ انہوں نے وکالت میں اپنی موروثی ذہانت کا جس طرح بھرپور اظہار کیا اس سے متاثر ہو کر انہیں لیبر ٹریبونل کا چیئرمین مقرر کر دیا گیا لیکن یہ سلسلہ تقسیم برصغیر کی بنا پر زیادہ عرصے تک جاری نہ رہ سکا۔ 1947ء میں برصغیر کی تقسیم کا عمل وقوع پذیر ہوا۔ ہنرمند اور اہل دانش

مسلمانوں کی پاکستان ہجرت نے دلی اور لکھنؤ جیسے دبستانوں کو ویران کر دیا۔ آل رضا تو لکھنؤ کے پرستار تھے اور اس کوچے سے ان کو بے پناہ محبت تھی۔ لہٰذا لکھنؤ سے ہجرت کرنا انھیں سوہان روح تھا۔ یہ مرحلہ کس طرح طے ہوا اس ضمن میں سید ہاشم رضا رقم طراز ہیں:

"۔۔۔۔ قائد اعظم نے آل انڈیا سروسز کے مسلم ممبروں کو نوزائیدہ مملکت پاکستان کی خدمت کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ ہم تین بھائیوں نے ہندوستان چھوڑ کر پاکستان کی خدمت کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگست 1947ء میں سید کاظم رضا انڈین پولیس سروس، سید مسعود رضا انڈین ریلوے اکاؤنٹس سروس اور میں انڈین سول سروس میں تھا۔ ہم تینوں پاکستان کی متبادل سروسز میں شامل ہو گئے۔ سید آل رضا اگر چاہتے تو لکھنؤ نہ چھوڑتے، جہاں ان کی بڑی قدرومنزلت تھی۔ وہ لکھنؤ چھوڑنے پر اس لیے مجبور ہوئے کہ ہندوؤں نے آزادی کے بعد اس شہر میں اردو کی درگت بنا دی، جہاں وہ شاہان اودھ کے دور میں پروان چڑھی تھی۔ دکانوں سے اردو کے بورڈ ہٹا دیے گئے اور ہندی کے بورڈ لگا دیے گئے۔ سڑکوں کے بورڈوں سے اردو مٹا دی گئی اور روڈ کی جگہ "مارگ" نے لے لی۔ ہر طرف مرگ اردو کے آثار دیکھ کر سید آل رضا نے لکھنؤ چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔" (14)

بہرحال آل رضا اپنے بھائیوں کے پرزور اصرار پر لکھنؤ سے کراچی تشریف لے آئے۔ کراچی میں اگرچہ لکھنؤ سے تعلق رکھنے والے اصحاب کی کثیر تعداد موجود تھی تاہم آل رضا عمر بھر اس لکھنوی فضا کو یاد کرتے رہے جس کے وہ پروردہ تھے۔ ذیل کے اشعار لکھنؤ سے روانگی کے وقت کی یادگار ہیں۔ ان اشعار سے آل رضا کی ذہنی کشمکش کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

یوں تو بیتابی میں اس محفل سے اٹھ جانا پڑا
کیا کہوں پھر کیا ہوا، جب دل کو سمجھانا پڑا

موت ہی جس کو چھڑا سکتی تھی وہ دل کش دیار
یوں چھٹا ہم سے کہ ہم کو خود ہی چھوڑ آنا پڑا

وہ وداعی مرحلے، وہ عمر بھر کے سلسلے
دھوکے دے دے کر، نگاہ و دل کو بہلانا پڑا

وقت نازک، رشتۂ الفت کے پھندے جا بہ جا
گتھیوں کو کانپتے ہاتھوں سے سلجھانا پڑا

گھر چھٹا، گھر کی فضاؤں کی جمی محفل چھٹی
اپنے بیگانے ہوئے، غیروں کو اپنانا پڑا

زندگی کی تلخیٔ بے چارگی کو کیا کہوں
لذتیں کتنی تھیں، جن کو بھول ہی جانا پڑا

سلسلہ جھوٹی امیدوں کا ہے، کتنا دلفریب
ایک ٹوٹی، دوسری کی رو میں بہہ جانا پڑا

کیا عجب، کچھ بے کھلی کلیوں نے سوچا ہو رضا
کھل کے کیا ہو گا اگر کھلتے ہی مرجھانا پڑا (15)

عروس البلاد کراچی میں بھی آل رضا نے وکالت کا پیشہ جاری رکھا۔ لکھنؤ کی رنگا رنگی اور کراچی کی ہیجان خیزی کے نمایاں فرق نے آل رضا کو ذہنی طور پر پریشان رکھا۔ (16) یہاں آ کر وہ لکھنؤ کی شعری فضا قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوئے اور نہ اپنے آپ کو یہاں کی اجنبی فضا میں جذب کر سکے۔ بسا اوقات تو وہ یہاں کے سیاسی انتشار اور معاشرتی حالات سے حد درجہ دل برداشتہ ہو کر زیر لب یہ بھی کہہ دیا کرتے تھے۔

آپ کی پہلے ضرورت تھی مگر
اب ہے گستاخی ہماری شان میں
آپ کو کس نے بلایا تھا یہاں
آپ کیوں آئے ہیں پاکستان میں (17)

اصل میں کم سواد، مجہول، برخود غلط، خود پسند اور خدا فراموش طبقے نے پاکستان کے ارباب دانش کو ذلیل و خوار کیا۔ وقتی طور پر تو تکدر ہوتا رہا لیکن پاکستان سے محبت کرنے والے اور پاکستان کے سچے بہی خواہ پاکستان کے نادان دوستوں کو معاف کرتے رہے۔ آل رضا پاکستان سے بے پناہ محبت کرتے۔ اس سلسلے میں ان کے پورے خاندان کی خدمات قابل ذکر اور لائق تحسین ہیں اس خاندان نے پاکستان کو شکار گاہ کے بجائے ہمیشہ قربان گاہ سمجھا۔ (18) اور ملک و ملت کے لیے کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ پاکستان کے حوالے سے لکھے جانے والے ترانے، منظومات، قطعات، رباعیات اور دیگر نثری و شعری تخلیقات آل رضا کے محب وطن ہونے پر دال ہیں۔ تاہم وہ یہاں کی علمی، ادبی، سیاسی اور تہذیبی فضا سے مطمئن نہ تھے یا یوں کہیے کہ یہاں کی فضا ان کے حسب حال نہ تھی۔ یہی سبب ہے کہ وہ رفتہ رفتہ گوشہ نشین ہو گئے۔ ان کی شگفتہ مزاجی اور زندہ دلی کم ہوتے ہوتے بالکل معدوم ہو گئی اور وہ اپنی زندگی کو ایک بوجھ سمجھنے لگے۔ (19)

اس گوشہ نشینی کے باوجود علم و ادب کے فروغ کے لیے ان کی کوششیں برابر

جاری رہتی تھیں۔ چنانچہ آپ نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی اور غزل کی شمع اور مرثیہ کے چراغ کو اپنا خونِ جگر دے کر روشن رکھا۔

آل رضا آخری عمر میں نزلہ، زکام اور کھانسی جیسے معمولی امراض میں مبتلا ہو گئے تھے تاہم کسے معلوم تھا کہ یہی معمولی امراض جان لیوا ثابت ہوں گے۔ یکم مارچ 1978ء کو کھانسی کی شدت نے آل رضا کو بے چین کر دیا تھا اور انہیں کسی پہلو قرار نہیں آ رہا تھا۔ اس دردناک رات کی کہانی سید ہاشم رضا کی زبانی سنئے:

"____ وہ پہلی اور دوسری مارچ کی درمیانی رات تھی۔ نصف شب سے کچھ پہلے انہوں نے نمازِ عشاء ادا کی اور بستر پر سو گئے۔ اس وقت زکام اور کھانسی کے علاوہ انہیں ظاہراً" کوئی تکلیف نہ تھی۔ جوشاندہ پی کر سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہ آئی اور نیند آتی بھی کیسے؟ وہ تو ابدی نیند سونے کی رات تھی۔ انہیں کھانسی کا دورہ پڑا۔ جسے سن کر ہماری بہن اٹھیں، انہیں گولیاں دیں اور پانی پلا دیا۔ انہوں نے بہن کو دعائیں دیں اور کہا رات زیادہ ہو گئی ہے تم جا کر سو جاؤ، پندرہ منٹ کے بعد کھانسی کا دوسرا دورہ پڑا۔ بہن پھر گولیاں اور پانی لیکر حاضر ہوئیں، لیکن اس مرتبہ انہوں نے بہن سے کہا اب دوا کا وقت نہیں رہا۔ یہ مجھے کھانسی نہیں آ رہی ہے، میرا دم نکل رہا ہے۔ میرے ہاتھوں میں قرآن مجید دے دو۔ نہ گولی کھائی، نہ پانی پیا تکیے کے سہارے بیٹھ گئے۔ بلوضو لبوں پر کلمے کا ورد تھا۔ ہاتھ میں قرآن تھا۔ چہرے پر کرب کے بجائے طمانیت کے آثار تھے اور چند لمحوں کے بعد وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔" (20)

اس طرح معروف غزل گو ممتاز مرثیہ نگار اور صاحب طرز شاعر سید آل رضا جمعرات مارچ 1978ء کو رحلت فرما گئے۔ (21) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

سید آفتاب علی کاظمی کا یہ قطعہ آل رضا مرحوم کی رحلت کی حقیقی عکاسی کرتا ہے:

جناب رضا کا بیاں اللہ اللہ
ہوئے کیسے جنت مکاں اللہ اللہ
تھا قرآن ہاتھوں پہ اور لب پہ کلمہ
یہ مومن کے مرنے کی شان اللہ اللہ

سید آل رضا کو قبرستان "علی باغ" کراچی میں دفنایا گیا۔ کتبے پر یہ تاریخیں کندہ ہیں:

"لوحِ مزار سیّد آل رضا"

1398ھ

(نتیجۂ فکر ــــ سید ضیاء الحسن موسوی مرحوم)

نسیم اس قبر میں پنہاں ہے دولت ملک و ملت کی
خدا کے واسطے ٹھہرو، ذرا الحمد تو پڑھ لو
نہ بھٹکو فکر میں تاریخ رحلت کی ادھر آؤ
یہی ہے مدفن آل رضا، الحمد تو پڑھ لو

1978ء

(نتیجۂ فکر ــــ جناب نسیم امروہوی)

سید آل رضا کی اولاد میں پانچ صاحبزادے (1) سید قمر رضا مرحوم (2) سید حسن رضا مرحوم (3) سید سجاد رضا (4) سید یوسف رضا (5) سید احمد رضا اور دو صاحبزادیاں (1) رعنا فاطمہ زوجہ سید کوثر زیدی (2) نگار فاطمہ زوجہ سید مہدی مسعود ہیں۔ سید قمر رضا اور سید حسن رضا اس دار فانی سے کوچ فرما چکے ہیں۔ باقی اولاد ماشاء اللہ حیات ہے اور علم و فن کے مختلف شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کر رہی ہے۔

سید آل رضا کی رحلت پر یوں تو سینکڑوں شعراء نے اپنے قلبی جذبات کا اظہار کیا اور مرحوم سے اپنی وابستگی اور تعلق خاطر کو ظاہر کیا۔ تاہم یہاں حضرت رئیس امروہوی کا ایک قطعہ پیش خدمت ہے۔

سیّدِ آلِ رضا پر اے رئیس
ہو گیا عہدِ کہن کا اختتام
وہ سلف کی عظمتوں کا ترجمان
شاعرِ بے مثل و پاکیزہ کلام
مجمع اوصاف اس کی ذات پاک
افتخارِ اہلِ دانش اس کا نام
خلد میں پہنچا تو ہاتف نے کہا
"سیّدِ آلِ رضا عالی مقام" (22)

1398ھ

سید آل رضا کی وفات پر بے شمار اخبارات و رسائل نے خصوصی خبریں شائع کیں۔ اداریے لکھے گئے اور معتبر کالم نگاروں نے اپنے کالموں میں آل رضا کی موت کو علم و ادب کا نقصان قرار دیا۔ ذیل میں لکھنؤ کے "قومی آواز" میں شائع ہونے والی خبر ملاحظہ فرمایئے:

"____ دبستان لکھنؤ کی ایک اور بہار ختم ہوئی۔ سید آل رضا کا کراچی میں انتقال ہو گیا۔ غزل کے استاد' مرثیہ کے شاعر' شائستگی کے پیکر۔

لکھنؤ (10 مارچ) یہاں تاخیر سے موصول ہونے والی ایک خبر سے معلوم ہوا ہے کہ نامور شاعر اور وکیل سید آل رضا کا تقریباً 82 برس کی عمر میں کراچی میں پہلی مارچ کو اچانک دل کا دورہ پڑنے

سے انتقال ہو گیا۔ نہ صرف آرزو لکھنوی کے ایک چہیتے شاگرد کی وفات ہوئی بلکہ دبستان لکھنؤ اور لکھنوی تہذیب و نفاست کی ایک اہم یادگار ختم ہو گئی۔۔۔۔ لکھنوی تہذیب و شائستگی اور نفاست ان کے پورے خاندان میں رچی بسی تھی۔" (23)

اب ذیل میں دو انگریزی اخبارات میں شائع ہونے والے تبصراتی تجزیے بھی ملاحظہ فرمائیے تاکہ آل رضا کی شخصیت اور فن کے نمایاں پہلو اچھی طرح ہمارے سامنے آ جائیں۔

معروف نقاد اور دانشور ڈاکٹر محمد علی صدیقی نے "لٹریری راؤنڈ اپ" کے عنوان سے روزنامہ "ڈان" کراچی کے 17 مارچ 1978ء کے اخبار میں "ایریل" کے قلمی نام سے لکھا۔

"..... It is only proper to come to S. Aley Raza whom I regard as the most important "Marsia" poet of our times. A polished "ghazal" poet in his own right, he deliberately kept the lime-light at bay. Extremely modest, as his companions tell us and his brother S. Hashim Raza affirms in a recent article, I came to know a lot about him through Sehba Lucknavi and Syed Ahmed Ali his cousins.

There are a time when Sehba Lucknavi was determined to bring out an Aley Raza Number but unassuming poet didn't feel very keen and it is my conviction that Sehba seldom fails but he

failed this time like our famous voice-librarian Lutfullah Khan failed to net in late Mohammad Hasan Askari and he feels quite sore about the whole thing.

Aley Raza was born in 1896 -- when Sir Syed was living and he died when Sir Syed's fifth generation is in the schools. Quite a feat! And what a beauty that he didn't waste it by losing his steam unnecessarily. He started composing poetry some 60 years ago -- though he opted for it some 55 years ago.

He was not a Lucknavi proper but he came from an aristocratic family of Neotani (Unnao). Nawa-i-Raza was his first collection published in 1929 and Safi Lucknawi, Dr Iqbal, Niaz Fateh-Puri and Asar Lucknawi showered immense praises. Aley Raza signifies a comeback of Delhi school of poetry which started with Mir Anis and then going through the Anis family it became a well known trend in Safi, Arzoo and Asar.

Then his Urdu-i-Mualla appeared in 1959. His first collection of Marsia appeared before

the partition of the sub-continent. And throughout his life he went on perfecting an art which would have finished had not a serious attempt been made to interpret the tragedy of Karbala in the contemporary idiom and sensibility.

Aley Raza's main force is "Ghazal" the traditional "ghazal" seeped in respect for the tradition. But "Marsia" is his lasting gift to posterity." (24)

معروف انگریزی اخبار "مارننگ نیوز" کراچی نے 3 مارچ 1978ء کو اپنے اداریٔ صفحہ پر آل رضا کی رحلت پر اظہار افسوس کیا اور آپ کے انتقال کو علم و ادب کے لیے ایک نقصان قرار دیا۔ ملاحظہ فرمایئے:

"Syed Aale Raza, who died of heart failure on Wednesday last, was a celebrated Urdu poet, one of the last remaining links with the great virtucsoes of our literature. His passing away marks the end of an era. An illustrious disciple of Arzoo Lucknowi, he was probably the most outstanding representative of Lucknow School of poetry in our times. Aale Raza was basically a lyrical poet of the first order and the grandeur and beauty of his love poetry lay in its chaste and chiselled diction and fascinating imageries. His Ghazals reveal much freshness and can-

dour and are redolent with music. He has left behind two collections of verses, 'Nawa-i-Raza' and "Ghazal-i-Moalla" which speak of his scintilating and inimitable style. Both the collections have been widely lauded by literary critics and constitute an integral part of our vast literary treasure.

Aale Raza, who died at the age of 72, was the elder brother of Syed Hashim Raza, a former Governor and Chief Secretary of East Pakistan. The late Syed Sahib (as he was known among his fans) will also be remembered for blazing a new trail in Urdu Mersia. He was in fact the greatest "Mersia go" of our times. Even though he was among the pioneers of modern "Mersia", unlike Josh he did not make a complete departure from the conventional one. Basically a traditionalist, he drew strength and inspiration from the old masters like Mir Anees but in his "mersias" he laid emphasis on the ethical and spiritual values of Islam and depicted the roles of his characters in the light of these values, highlighting their virtues of submission to the will of God, devotion to the cause of Islam, indomitable will and courage against the heaviest odds etc. He

composed over 20 "Mersias."

The death of such an accomplished poet has created a vacuum in our literature which will be difficult to fill. His absence will be badly felt in literary circles, for he was a beacon for the present generation of poets. (25)

(2)

لکھنؤ برصغیر میں ہزار سالہ ہند مسلم تہذیب و ثقافت کا سب سے بڑا نمائندہ تھا اور آل رضا اس لکھنوی تہذیب کے پروردہ اور نمائندہ تھے۔ یہ تہذیب وضعداری، نفاست اور لطافت کے ساتھ ساتھ ہنرمندی اور سلیقہ شعاری بھی رکھتی تھی۔ آل رضا کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں یہ تمام محاسن یکجا ہو گئے تھے۔ اس سلسلے میں ضیاء الحسن موسوی کا یہ بیان ملاحظہ فرمایئے:

> "____ سید آل رضا ہماری ثقافت کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ اس ثقافت کا" جو مسلم ہندوستان کی ثقافت ہے اور جس کے تحفظ کے لئے پاکستان بنانے کا عزم کیا گیا تھا۔ یہ نہ لکھنؤ کی ثقافت ہے اور نہ دلی کی، نہ لاہور کی نہ مٹیا برج کی اور نہ پٹنہ کی۔ اس کو کبھی شائستگی بھی کہتے تھے اور تہذیب بھی اور آج کل اس کی تلاش" ثقافت کے عنوان سے ہو رہی ہے۔" (26)

آل رضا ایک مرتب و مسلسل تہذیب کی کڑی تھے۔ ان کے آباؤ اجداد مشرقی تہذیب و ثقافت پر جان چھڑکتے تھے۔ آپ کے والد سید محمد رضا وضع دار انسان تھے۔ آباؤ و اجداد کی یہ وضع داری آل رضا کی شخصیت پر اثر انداز ہوئی اور انہوں نے تمام عمر اس وضع دارانہ تہذیب کو سینے سے لگائے رکھا۔ (27)

آل رضا ایک خوش شکل اور وجیہہ پیکر انسان تھے۔ ان کے نقش و نگار، رنگ روپ اور قد و قامت میں دلکشی پائی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں جوش ملیح آبادی کا یہ بیان ملاحظہ فرمایئے:

"____ میری اور آل رضا کی ملاقات اس دور میں ہوئی جب کہ بام خدا ہم دونوں خوبرو جوان تھے۔ ہم پر ایک ایسی آن برستی تھی کہ جو بھی دیکھتا تھا بس دیکھے ہی جاتا تھا اور خصوصیت کے ساتھ آل رضا کا چہرہ تو اس قدر تابناک اور سراپا اس حد تک متناسب و نازک تھا کہ اللہ کی پناہ!" (28)

آل رضا نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ لکھنؤ میں گزارا تھا۔ یہی سبب ہے کہ آخری عمر تک ان کے لکھنوی طرز بود و باش میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ وہ بڑی نفاست اور نزاکت سے انگرکھا بھی پہنتے تھے اور ٹوپی و شیروانی بھی۔ جب وہ اس طرحدار شخصیت کے ساتھ مشاعروں میں شرکت فرماتے اور اپنے مخصوص انداز میں اشعار پڑھتے تو پورے پنڈال میں ایک سماں سا بندھ جاتا تھا۔ ایک مشاعرے کی روداد شوکت تھانوی کی زبانی سنیے:

"____ مشاعرے میں ایک دولہا میاں نظر آئے۔ مخمل کی پھولدار شیروانی، اس کپڑے کی کشتی نما ٹوپی، اس کپڑے کی دلائی، ریشمی موزے، چوڑی دار پاجامہ، ہاتھ میں ریشمی رومال، گورا چٹا رنگ، چال میں ایک خاص پامالی، اداؤں میں بلا کی عروسیت، گفتگو کرنے میں "الف دو زبر ان، دو زیر ان، دو پیش ان" کی سی کیفیت۔ کلام پڑھنے میں ریشمی رومال اور ہاتھ کے انگوٹھے میں "اختو بختو" والا ربط اور شعر کے آخر تک پہنچتے پہنچتے چہرہ پر انتہائی کرب کے پورے آثار۔ معلوم ہوتا تھا کہ شاعر نے شعر نہیں پڑھا ہے اپنے کلیجے میں چبھا ہوا تیر بمشکل تمام نکالا ہے اور سامعین کے سامنے پھینک کر خود بے ہوش ہو گیا ہے۔ جی چاہا کہ

ترس کھا کر شعر پڑھنے سے منع کر دیں۔ معلوم ہوا کہ آپ سید آل رضا ہیں۔ آخر شاعر کے علاوہ انسان کی حیثیت سے بھی آپ سے ملے۔ قریب سے آپ کو دیکھا محبت کرنے والا دل، گھل مل جانے والا اخلاق اور دل لبھا لینے والی ادائیں رکھتے ہیں۔" (29)

آل رضا اگرچہ ایک سادہ منش، سنجیدہ، کم گو اور متین انسان تھے۔ تاہم ان کے مزاج میں شوخی اور ظرافت کے عناصر بھی موجود تھے۔ وہ نجی محفلوں میں دوستوں کے ہمراہ خوب ہنسی مذاق کیا کرتے اور احباب ان کی شیرینیِ گفتار کے مزے لیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں سید وحید الحسن ہاشمی رقم طراز ہیں:

"____ مرحوم آل رضا بامعنی اور بامقصد مزاح کے قائل تھے۔ اکثر دلچسپ حکایات اور واقعات سناتے خود بھی ہنستے تھے اور دوسروں کو بھی ہنساتے تھے۔ مزاح کا عنصر ان کی طبیعت ثانیہ بن گیا تھا۔ آدھی آدھی رات تک طنز و مزاح کی محفلیں گرم رہتی تھیں۔ ایک مولوی صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں چھ سال کا تھا۔ کتاب میں اشتہا کا لفظ آگیا۔ مولوی صاحب نے میری کمسنی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے معنی "بھوک" بتا دیا۔ میں نے یاد کر لیا۔ ایک دن میری طبیعت بھاری تھی۔ میں بغیر کھائے پیے سو گیا۔ نو بجے رات کو کسی عورت نے مجھے جگایا کہ اٹھو کھانا کھا لو۔ میں نے بغیر کسی تردد کے فوراً جواب دیا کہ اس وقت مجھے اشتہا نہیں ہے۔ اب سوچتا ہوں تو مولوی صاحب پر ہنسی آتی ہے۔

لاہور کے ایک مسن شاعر نے مرحوم سے کہا کہ آخر آپ مرثیوں میں گھوڑے اور تلوار کا ذکر کیوں نہیں کرتے جبکہ میر انیس اور دبیر نے ان کا تذکرہ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ وہ دونوں

حضرات فنون سپہ گری کے بھی استاد تھے اور گھوڑ سواری جانتے تھے۔ میں تو فقط شادی والے دن گھوڑے پر بیٹھا ہوں۔" (30)

آل رضا ایک پاکباز اور بلند کردار مرد مومن تھے۔ ان کی پوری زندگی صالح اعمال میں بسر ہوئی۔ وہ دینی اقدار کے فروغ کے لئے تمام عمر سرگرم عمل رہے۔ مذہب کے معاملے میں وہ بعض اصولوں کے پابند تھے اور بسا اوقات مذہبی اقدار پر ہر چیز کو قربان کر دیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں جوش ملیح آبادی رقمطراز ہیں:

"_____ شعراء عموماً" رنگین طبع' حسن پرست اور رند ہوتے ہیں مگر دوست آل رضا قطعی طور پر آنکھیں جھکائے رکھنے والے مرد متقی تھے۔ میرے دوست منور عباس صاحب ایڈووکیٹ کہا کرتے تھے کہ رضا صاحب اس بلا کے پرہیزگار ہیں کہ اگر کوئی کافر ادا آدھی رات کو ان کی خواب گاہ میں در آئے تو وہ اسے نہیں گھبرا کر استخارہ دیکھنے لگیں گے۔" (31)

زندگی بھر اعمال صالح بجا لانے کے بعد رحلت کے وقت بھی اس شخص کی زبان پر کلمہ اور ہاتھ میں قرآن تھا۔ اس سلسلے میں نسیم امروہوی کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے

ملک عنوری میں قیامت سے کم نہیں
استاد عصر' شاعر قدسی نوا کی موت
واحسرتا کہ آل رضا آج چل بسے
وہ جن کی موت سالک راہ رضا کی موت
جن کے رثا میں سوز' تغزل میں تھا گداز
جن کی وفات' اک دل درد آشنا کی موت
کلمہ زباں پہ' ہاتھوں میں قرآن' باوضو
ایسی تو کم سے کم ہو کسی باخدا کی موت

عیسیٰؑ بھی کہہ رہے ہیں فلک پر' سنو' نسیم
"بیدادِ روزگار ہے آلِ رضا کی موت" (32)

1978ء

آل رضا ایک مخلص اور راست گفتار انسان تھے۔ ان کے دل میں ہمیشہ دوسروں کے لیے احترام رہتا تھا۔ ان کی یہ سادگی اور شرافت بعض اوقات ان کے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہوتی تھی مگر وہ یہ وتیرہ چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس سلسلے میں ایک کالم نگار اور پروڈیوسر نصراللہ خاں رقمطراز ہیں:

"____ سید صاحب جسے ایک بار اپنا دوست سمجھ لیتے زندگی بھر اس کی خامیوں کے باوجود اس سے نبھانے کی کوشش کرتے۔ وہ بڑی آسانی سے اپنے دشمن نما دوستوں کی باتوں میں آ جاتے اور غضب تو یہ ہے کہ وہ اس زمانے میں بھی یہ سمجھتے تھے کہ مسلمان جھوٹ نہیں بول سکتا اور نہ اس سے دھوکے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ وہ اپنے دوستوں کے ہاتھوں بڑی آسانی سے دھوکہ کھا جاتے اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ بعض صورتوں میں تو وہ بڑے شوق سے دھوکے کو دھوکا سمجھ کر بھی کھایا کرتے تھے۔ ارم لکھنوی مرحوم کا یہ شعر ان پر صادق آتا ہے۔

ارمؔ مزاجِ محبت کو آزمائے جا
سمجھ سمجھ کے حقیقت' فریب کھائے جا (33)

آل رضا ایک گمشدہ تہذیب کے نمائندے تھے لہٰذا ان کی شخصیت کے احاطہ کے لیے ضروری ہے کہ ہم ان کو اس مخصوص تہذیب و معاشرت کے سیاق و سباق میں رکھ کر دیکھیں۔ جب تک اس تہذیب کے اثرات باقی رہیں گے آل رضا کی شخصیت بھی زندہ و تابندہ رہے گی۔ ہم آل رضا کی سیرت کے بارے میں اپنی گفتگو کو

سمیٹتے ہوئے شوکت تھانوی کے ہمنوا ہو کر کہہ سکتے ہیں:

"____ اگر مولانا عبدالحلیم شرر نے اپنی کتاب کا نام "مشرقی تمدن کا آخری نمونہ" نہ رکھا ہوتا تو میں آل رضا کو مشرقی تمدن کا آخری نمونہ کہتا۔ صرف شکل و صورت ہی کے نہیں سیرت و طینت کے بھی حسین۔ چہرے پر خاندانی شرافت کا نور' مزاج میں تکلف نہیں بلکہ واقعی انکسار' شخصیت میں اس بلا کی جاذبیت کہ جو ایک مرتبہ ملا اس نے ہمیشہ دم بھرا۔ شائستگی اور نفاست کا معیاری پیکر۔" (34)

(3)

دلی میں شعر و سخن کی جمی محفلیں اجڑیں تو بیشتر شعراء نے لکھنؤ کا رخ کیا۔ اہل لکھنؤ اور مہاجر شعراء کے فکری و فنی امتزاج سے شعر و شاعری کا ایسا چرچا ہوا کہ لوگ شعر میں گفتگو کرنے لگے۔ شعر و ادب کا ذوق بچے بچے میں پروان چڑھنے لگا اور شعر گوئی کے ساتھ ساتھ شعر فہمی کی طرف بھی توجہ دی جانے لگی۔ مشاعروں کے متواتر سلسلوں نے اس شعری فضا کو زمین سے آسمان تک پہنچا دیا۔ آل رضا بھی اس شعری فضا کی دین ہیں۔

آل رضا کے آباؤ اجداد علم و ادب کے پرستار اور شیدائی تھے۔ شاعری سے دلچسپی اور شعر فہمی کا ذوق و شوق تو اس خانوادے کے جملہ افراد میں بدرجہ اتم موجود تھا لیکن حسن اتفاق سے میدان شاعری کا باقاعدہ شہسوار کوئی نہ تھا۔ آپ کے والد جسٹس محمد رضا اگرچہ شاعر نہ تھے لیکن قدیم اور جدید شعراء کے ہزار ہا اشعار انہیں ازبر تھے اور وہ انہیں اپنی تحریر و تقریر میں بلکہ عدالتی فیصلوں میں بھی برجستگی کے ساتھ استعمال کرتے تھے۔ (35) یہ ان کی شعر فہمی اور ذوق تربیت کا نتیجہ تھا کہ ان کے تمام بیٹوں

نے شعر و ادب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔

آل رضا کو ابتدا ہی سے علمی، ادبی و شعری ماحول میسر آیا تاہم انھوں نے تعلیم کے حصول کو تمام معاملات پر فوقیت دی۔ 1920ء میں وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ پرتاب گڑھ میں باقاعدہ وکالت کے پیشے سے منسلک ہو گئے۔ یہاں ان کی ملاقاتیں بعض ایسی علمی و ادبی شخصیات سے ہوئیں جنھوں نے آل رضا کے ذوقِ شعر گوئی کو ابھارا۔ اس سلسلے میں اپنے ایک دوست اور ہم پیشہ نجم احسن کی پرزور فرمائش پر آل رضا نے شعر و سخن سے اپنا رشتہ استوار کر لیا۔ (36)

اب آل رضا کا مشاعروں میں آنا جانا شروع ہو گیا۔ بہرحال کچھ تو دوستوں کے اصرار اور کچھ طبعی مناسبت کی وجہ سے آل رضا شعر گوئی کی طرف باقاعدہ توجہ دینے لگے۔ ابتدا میں یہ شعر گوئی محض تفننِ طبع اور وقت گزاری کے لیے شروع کی گئی تھی مگر جلد ہی آل رضا کو اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کا احساس ہونے لگا اور وہ سنجیدگی سے شاعری کی طرف متوجہ ہوئے۔ اب غزل پہ اصلاح کا مسئلہ درپیش ہوا۔ آل رضا نے سید انور حسین آرزو لکھنوی کی شہرت و لیاقت سے متاثر ہو کر بذریعہ خط کتابت تلمذ حاصل کیا۔ (37)

عالی ظرف استاد کی حوصلہ افزائی نے آل رضا میں اور حوصلہ پیدا کیا اور وہ باقاعدہ مشاعروں میں غزلیں پڑھنے لگے۔ سخن شناسوں کی مخلصانہ داد و تحسین یا ہمت افزائی سے آپ کا کلیجہ ہاتھ بھر کا ہو گیا۔ (38) وہ بہت جلد پرتاب گڑھ کے علمی و ادبی حلقوں میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ آل رضا کی منفرد سوچ، اشعار میں فنی ہنرمندیوں اور مخصوص طرزِ اظہار نے ان کی شہرت کو پرتاب گڑھ سے اڑا کر پورے لکھنؤ تک پہنچا دیا۔ اب آپ کا شمار پرتاب گڑھ کے اہم شاعروں میں ہونے لگا اور وہ اکثر و بیشتر مشاعروں میں شرکت کے لیے لکھنؤ بھی جانے لگے۔ لکھنؤ کے ایک مشاعرے کا حال سید ہاشم رضا کی زبانی سنیے:

"____ میرے بڑے بھائی آل رضا کی غزل گوئی اور میرا اور

میرے چھوٹے بھائی مسعود کی طالب علمی کا زریں دور لکھنؤ میں گزرا۔۔۔۔۔۔ جن مشاعروں میں میرے بڑے بھائی غزل پڑھتے تھے ہم دونوں ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔ جب شمع گردش کرتے ہوئے ان کے سامنے رکھدی جاتی تھی تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شمع کا اجالا بڑھ گیا ہے۔ سامعین بڑی فراخ دلی سے انھیں داد دیتے تھے۔ ایک ایسے ہی مشاعرے کا منظر میری آنکھوں میں اب تک گھوم رہا ہے۔ مشاعرے کی صدارت جناب ناصری فرما رہے تھے۔ بھائی جان نے جو غزل پڑھی اس کا مطلع تھا۔

وفا خطا تھی' خطا میں نے زندگی بھر کی
اب اس کے آگے جو مرضی ہو بندہ پرور کی

ان کے بعد صدر مشاعرہ کی باری آئی تو جناب ناصری نے فرمایا: "آل رضا کی غزل کے بعد لطف مشاعرہ ختم ہو گیا" اور اپنی غزل شمع کی لو کی نذر کر دی۔ میرے بھائی نے کہا حضرت یہ میری داد نہیں ہے بلکہ میرے اور حاضرین کے ساتھ بیداد ہے مگر جناب ناصری نے صدر مشاعرہ کی حیثیت سے مشاعرے کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ (39)

سید آل رضا 1927ء میں پرتاب گڑھ سے مستقلاً لکھنؤ منتقل ہو گئے۔ لکھنؤ کی ادبی' ثقافتی اور مذہبی فضا ان کے لیے بڑی سازگار ثابت ہوئی۔ لکھنؤ تشریف لانے پر انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور ان کی شہرت و عظمت میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ عوام میں بے پناہ مقبول ہونے کے باعث اب آپ مشاعروں میں بھی کثرت سے شرکت فرمانے لگے تھے۔ آپ کے کلام کی مقبولیت دیکھتے ہوئے آپ کے چھوٹے بھائی سید کاظم رضا نے احباب کے اصرار اور بھائی کے کلام کو تلف ہونے سے بچانے کے لیے 1929ء میں "نوائے رضا" کے نام سے آل رضا کا پہلا مختصر مجموعہ کلام لکھنؤ سے

شائع کر دیا۔ اس مجموعے کی اشاعت کے بعد آل رضا کی شہرت دوچند ہو گئی اور وہ پورے ہندوستان کے ادبی حلقوں میں معتبر بن گئے۔ اس سلسلے میں آل رضا کے دو اقتباسات ملاحظہ فرمایئے اور دیکھئے کہ "نوائے رضا" کی اشاعت نے آل رضا کے اندر کس طرح خود اعتمادی پیدا کی:

"____ 1929ء میں جب "نوائے رضا" منظرِ عام پر آئی تو متعدد موقر اخباروں اور رسالوں میں تبصروں کے علاوہ مایۂ ناز اساتذہ وقت مثلاً مولانا صفی لکھنوی مرحوم' علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم' جناب نیاز فتح پوری' جناب اثر لکھنوی وغیرہ وغیرہ نے اپنے رشحاتِ قلم سے میرے اس ناچیز کلام کو نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ میرے لیے وہ گراں بہا الفاظ اس قدر قابلِ فخر ہیں کہ انھیں اپنے قلم سے لکھ کر ان کی وقعت کم کرنا گوارا نہیں کر سکتا۔" (40)

"____ میری ابتدائی غزلوں کا ایک نہایت مختصر مجموعہ "نوائے رضا" کے نام سے 1929ء میں لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے' جہاں طالب علمی کا زمانہ گزارنے کے بعد 1926ء میں پھر واپس آ کر میں نے مستقل سکونت اختیار کی تھی جس کا سلسلہ 1947ء یعنی تقسیم ملک تک رہا۔ "نوائے رضا" کے متعلق علامہ ڈاکٹر اقبال (مرحوم) نے ارقام فرمایا "کاغذی پیرہن اور پیکرِ تصویر دونوں بڑے دلکش ہیں" اور خدا بخشے مولانا صفی لکھنوی نے تو میری ہمت افزائی کے لیے ایک نظم کہہ ڈالی۔" (41)

آل رضا کو لکھنؤ میں جو علمی' ادبی اور شعری ماحول میسر آیا اس نے ان کے شعری ذوق کو جلا بخشی۔ آپ نے اس دور کے تمام اہلِ علم حضرات اور مشاق اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔ وہ صفی' عزیز' بیخود اور آرزو لکھنوی سے استفادہ کرتے رہے اور

سراج، قدیر اور اثر کے ساتھ مل کر لکھنؤ کی شعری محفلوں کو رونق بخشی۔ اس طرح ایک جانب تو آپ نے اساتذہ کے ورثے کی پاسداری کی اور دوسری جانب جدید افکار و نظریات کو لکھنؤ کی شعری فضا میں پروان چڑھایا۔ آپ کی بے پناہ علمی و ادبی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے ابتداء" انہیں "انجمن معین الادب" کا نائب صدر اور بعد میں صدر مقرر کیا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد یہ ادبی انجمن "بہار ادب" کے نام سے موسوم ہوئی تو آپ کی خدمات کو مد نظر رکھتے ہوئے سیکرٹری کے عہدے پر نامزد کر دیا گیا۔ (42) یہ تمام اعزازات آپ کی بہترین صلاحیتوں پر صلہ ہیں۔

آل رضا ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والدین پابند صوم و صلوۃ تھے اور ہر سال عزاداری سید الشہداء کا انعقاد انتہائی اہتمام سے کیا کرتے تھے۔ (43)

آل رضا لکھنؤ اور نیوتنی میں محرم کی تقاریب میں شریک ہو کر عزائی شاعری سے مستفید ہوتے تھے تاہم آپ اکثر سوچا کرتے تھے کہ کاش اس عزائی شاعری سے حسینی افکار کی نشرواشاعت اور عصری مسائل کے حل کے لیے کچھ کام لیا جا سکے۔ اس خیال کو مد نظر رکھتے ہوئے انہوں نے عزائی شاعری کی طرف توجہ دی اور عام ڈگر سے ہٹ کر شاعری کی طرح ڈالی۔ اپنے اس منفرد انداز سلام گوئی و مرثیہ نگاری کی وجہ سے وہ جدید لب و لہجے کے منفرد شاعر کے طور پر سامنے آئے۔ اپنی مرثیہ گوئی کی ابتدا کے باب میں رقمطراز ہیں:

> "_____ پہلا مرثیہ میں نے فروری 1939ء میں کہا اور دوسرا شروع 1942ء میں _____ اب میں یہ عرض کر دوں کہ اس مرثیے کی ابتدا کیوں کر ہوئی اور میری یہ ہمت کیونکر پڑی کہ منبر پر جا کر ایک خالص جدید رنگ کا مرثیہ پڑھ دوں۔ ابتدا تو یوں ہوئی کہ فروری 1939ء کے محرم میں چاند رات سے بے فصل کی برسات شروع ہو گئی اور میں نے بے ساختہ کہا کہ ___

کتنا پانی ہے جو بے وقت برس جاتا ہے
اور کبھی قافلہ پیاسوں کا ترس جاتا ہے

اس شعر کی کیفیت میں میں کچھ اس طرح ڈوبا کہ شعوری اور غیر شعوری طریقوں سے بے مقصد مرثیہ کہنے لگا اور یہ محسوس کرنے لگا کہ کوئی کہہ کہہ کر مجھے بند کے بند دیتا چلا جا رہا ہے۔ جن مضامین کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا وہ بالکل پیش پا افتادہ معلوم ہونے لگے۔ اب غزل گو رضا نہ تھا بلکہ مرثیہ گو رضا بن گیا۔" (44)

آل رضا کے ابتدائی دو مرثیے "شہادت سے پہلے' شہادت کے بعد" کے عنوان سے 1944ء میں شائع ہوئے تو پورے لکھنؤ میں تہلکہ مچ گیا۔ ناقدین نے اس فکری مرثیے کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ قرار دیا اور یہ مرثیے تاریخ مرثیہ نگاری میں سنگ میل ثابت ہوئے۔ آل رضا کو رثائی شاعری میں وہ شہرت نصیب ہوئی کہ انہوں نے دیگر شاعری کی طرف توجہ کم کر دی تاہم اس بات سے یہ تاثر لینا قطعاً" غلط ہے کہ مرثیہ نگاری کی طرف مائل ہو کر آل رضا نے کسی دوسری صنف میں طبع آزمائی نہیں کی۔ آئندہ صفحات میں آل رضا کا مدون شدہ کلام ہی ہماری بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

سید آل رضا تقسیم برصغیر کے بعد 1947ء میں لکھنؤ کی تمام چہل پہل اور حشر سامانیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر پاکستان تشریف لے آئے۔ (45) پاکستان میں انہوں نے کراچی کو قیام کے لیے مناسب سمجھا۔ انہیں یہاں لکھنؤ کی وہ شعری فضا تو میسر نہ آ سکی جس کے وہ پروردہ تھے.کراچی آنے کے بعد آپ عزائی شاعری پر خصوصی توجہ دینے لگے۔ تاہم 1950ء میں آرزو لکھنوی کی کراچی منتقلی کے بعد آپ کی غزل گوئی پر پھر بہار آ گئی اور وہ آرزو لکھنوی کے ساتھ مختلف مشاعروں میں غزلیں پڑھتے رہے۔ 1951ء میں آرزو لکھنوی کے انتقال کے بعد آل رضا نے "بزم آرزو" کے نام سے ایک انجمن قائم کی جس کے مشاعروں اور مسالموں میں وہ ضرور شرکت فرماتے تھے۔ اس طرح آپ عزائی شاعری کے ساتھ ساتھ دیگر اصناف شاعری کی طرف بھی

توجہ دینے لگے۔ حضرت صہبا لکھنوی' سید ہاشم رضا اور پروفیسر مجتبیٰ حسین کی شبانہ روز کی محنتوں کے نتیجے میں آل رضا کی غزلوں کا دوسرا مجموعہ "غزل معلیٰ" کے نام سے 1959ء میں مکتبہ افکار' کراچی سے شائع ہوا۔ اس مجموعے کے بارے میں ناقدین کے مختلف آراء نظر سے گزرے۔ کچھ ناقدین نے اسے "نوائے رضا" سے کم تر درجے کی تخلیق قرار دیا اور بعض ناقدین نے یہاں تک کہہ دیا کہ:

"____ غزل معلیٰ کی اشاعت ہماری شاعری کے اس دور میں جب اعتبار غزل اٹھتا جا رہا ہے اپنی ایک اہمیت رکھتی ہے۔" (46)

غزل معلیٰ کے حوالے سے ایک سخت گیر ناقد نیاز فتح پوری کی رائے بھی دیکھ لیجیے:

"____ سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت ان کے کلام کی اس کا لکھنوی لب و لہجہ اور اس کی لکھنوی بوباس ہے جو بہت سے لکھنوی شعراء کے ہاں بھی نہیں پائی جاتی۔ دوسری خصوصیت اس کا Direct Approach ہے یعنی تیر چلا اور نشانے پر بیٹھ گیا۔ تیسری خصوصیت اس کا والہانہ لب و لہجہ ہے۔ چوتھی خصوصیت جذبات کی پاکیزگی و لطافت اور ندرت تعبیر ہے۔ پانچویں خصوصیت بیان کا خلا یعنی ادھوری بات کہہ کر اس کو پورا کرنا ذہن سامع پر چھوڑ دینا۔ یہ انوٹ مومن کی خصوصیت ہے اور آل رضا کے کلام میں بھی پائی جاتی ہے۔" (47)

"غزل معلیٰ" کے بعد آل رضا کا کوئی دوسرا مجموعہ کلام شائع نہ ہو سکا۔ ان کے چند مرثیے علیحدہ علیحدہ شکل میں تو شائع ہوئے لیکن ان کی حیات میں مرثیوں کا مجموعہ بھی مرتب نہ ہو سکا۔ آخری عمر میں انہوں نے عزائی شاعری سے اپنا رشتہ مستحکم کر لیا تھا اور وہ اس کو توشہ آخرت سمجھتے تھے۔ بہرحال آپ کے شعری سفر کی گفتگو کو سمیٹتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آل رضا نے نصف صدی تک شعر و سخن سے اپنا رشتہ

استوار رکھا اور مختلف اصناف میں طبع آزمائی کرتے رہے۔ انہوں نے پرتاب گڑھ، لکھنؤ اور کراچی کے تہذیبی، سماجی اور ادبی ماحول سے نہ صرف اکتساب فیض کیا بلکہ اپنے اعلیٰ تر شعری افکار و نظریات سے علمی و ادبی دبستانوں کو مالا مال بھی کیا۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی شاعری کا جو سفر پرتاب گڑھ سے 1922ء میں شروع ہوا تھا وہ 1978ء میں کراچی میں ان کی رحلت کے ساتھ تمام ہو گیا۔ (48) بقول محشر بدایونی:

تاجور سلطنت فکر و فن
بادشہ کشور لفظ و بیاں
کل گل آفاق تھے اور آج ہیں
"آل رضا جان بہار جناں" (49)

1398ھ

اب ایک قطعہ نفیس فتحپوری کا بھی سن لیجئے۔

رگ رگ میں وہ رچی ہوئی تہذیب لکھنؤ
انداز گفتگو کا وہ صدق و صفا کے ساتھ
وہ آئینہ انیس و خلیق و دبیر کا
وہ سب ہی ختم ہو گیا آل رضا کے ساتھ (50)

(4)

آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مطبوعہ کلام (دواوین) کا ایک مختصر سا تعارف کرا دیا جائے تاکہ قارئین کو غیر مطبوعہ کلام کی تفہیم میں آسانی رہے۔

آل رضا نے نثر اور نظم دونوں میدانوں میں طبع آزمائی کی تاہم ان کی تخلیقی

صلاحیتوں کا بھرپور اظہار شعری اصناف میں ہوا۔ انہوں نے یوں تو غزل' مرثیہ' قطعہ' رباعی' حمد' منقبت' نعت' سلام' نظم' مخمس مرثیہ غرض بیشتر اصناف میں طبع آزمائی کی لیکن ان کے کلام کا معتدبہ حصہ غزل' سلام' منقبت اور مرثیہ پر مشتمل ہے۔ یہ بات انتہائی افسوس ناک ہے کہ محض ان کی غزلیں اور مرثیے ہی کتابی صورت میں شائع ہو سکے۔ بقیہ کلام طباعت کے انتظار میں ہے۔ مطبوعہ مجموعوں کا ایک مختصر سا تعارف پیش خدمت ہے۔

آپ کے حقیقی بھائی سید کاظم رضا نے احباب کے تقاضوں کے پیش نظر اور آل رضا کے کلام کو دستبرد زمانہ سے بچانے کے لیے ان کی غزلوں کا ایک مجموعہ "نوائے رضا" کے نام سے ترتیب دیا جو 1929ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ اس مجموعہ کلام میں کل 48 غزلیں' چند فردیات' بعض نامکمل غزلیں اور ایک قطعہ شامل ہے۔ اس کے علاوہ کتاب کے آخر میں حضرت صفی لکھنوی کی نظم "نوائے صفی بہ نوائے رضا" شامل ہے۔ (51) آغاز میں سید کاظم رضا کا مقدمہ شامل ہے جس میں انہوں نے صراحت فرما دی ہے کہ یہ تمام غزلیں زمانی ترتیب کے مطابق ہیں۔ مقدمے کے بعد "عرض حال" کے عنوان سے آل رضا نے اپنی شعر گوئی کے آغاز' شعری نظریات اور "نوائے رضا" کے بارے میں اپنے خیالات پیش کیے ہیں چھوٹی تقطیع کے 113 صفحات پر مشتمل یہ کتاب نہایت دیدہ زیب اور خوبصورت ہے۔ "نوائے رضا" کی اشاعت کے بعد برصغیر کے معروف اخباروں اور رسالوں میں اس پر تبصرے شائع ہوئے۔ مولانا صفی لکھنوی' نیاز فتحپوری' اثر لکھنوی جیسے اکابرین نے کتاب کو پسند فرمایا اور اس کے مطالعہ کے بعد علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے تو یہاں تک کہا کہ کاغذی پیرہن اور پیکر تصویر دونوں بڑے دلکش ہیں۔ (52)

شاعر آل عبا سید آل رضا کے دو ابتدائی مرثیوں کا مجموعہ "شہادت سے پہلے شہادت کے بعد" 1944ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ اس مجموعے کا پہلا مرثیہ "شہادت سے پہلے" بہتر بندوں پر مشتمل ہے۔ جس کا مطلع درج ذیل ہے۔

کلمہ حق کی ہے تحریر دل فطرت میں

دوسرا مرثیہ "شہادت کے بعد" 170 بندوں کو محیط ہے اور اس کا مطلع یہ ہے۔

قافلہ آل محمدؐ کا سوئے شام چلا

اس مجموعہ مراثی کے آغاز میں "عرض حال" کے عنوان سے آل رضا کا خود نوشت مقدمہ ہے' جس میں انہوں نے اپنی مرثیہ نگاری کی ابتدا عصر حاضر میں مرثیہ کی ضرورت اور جدید مرثیے کے حوالے سے چند معروضات پیش کیے ہیں۔ اس مجموعہ میں دو شعرا اختر بدایونی اور عبدالجامع جامی بدایونی کے قطعات تاریخ بھی شامل ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت سے مرثیے کی صنف ایک ذائقے سے روشناس ہوئی اور جدید ناقدین نے اسے خوب سراہا۔ (53) ان مرثیوں کو جدید مرثیہ نگاری کی تاریخ میں ایک سنگ میل قرار دیا گیا۔ یہ کتاب کتابت و طباعت ہر لحاظ سے جاذب نظر ہے۔

آل رضا کی غزلوں کا دوسرا مجموعہ "غزل معلی" کے نام سے معرض وجود میں آیا۔ "غزل معلی" میں آل رضا کی 1929ء اور 1959ء کے دوران کہی گئی غزلوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ یہ مجموعہ حضرت صہبا لکھنوی نے 1959ء میں مکتبہ افکار کراچی سے شائع کیا۔ 25 صفحات پر مشتمل اس مجموعے میں 160 سے زائد غزلیں شامل ہیں۔ ان میں سے بعض غزلیں خالصتاً" واقعاتی اور تاثراتی ہیں اور ان کے آغاز میں عنوانات (مثلاً "لکھنؤ چھوڑتے وقت"، "بزم جمال"، "آغاز محبت"، "یہ کیا؟" وغیرہ) بھی دیے گئے ہیں۔ "غزل معلی" کے آغاز میں "عرض حال" کے عنوان سے چند اشعار شامل ہیں اور 17 صفحات کو محیط آل رضا کا ایک خود نوشت مقدمہ بھی موجود ہے۔ اس مقدمے میں انہوں نے صنف غزل کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے ایک اچھے شعر کے بارے میں اپنے نظریات پیش کیے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ مقدمہ اپنی نوعیت' حیثیت اور افادیت کے اعتبار سے قابل توجہ اور لائق مطالعہ ہے۔ "غزل معلی" کی اشاعت کے بعد اس کی مناسب تشہیر نہ ہونے کے سبب اسے وہ شہرت نہ حاصل ہو سکی جس کی وہ حقدار تھی۔ اس سلسلے میں پروفیسر ظفر جونپوری کی

رائے ملاحظہ فرمائیں:

"_____ کراچی سے غزل کا دوسرا مجموعہ "غزل معلّی" کے نام سے 1959ء میں چھپا اور پہلے مجموعے جیسی شہرت حاصل نہ کر سکا، حالانکہ اس مجموعے میں بڑی حسین اور معرکہ آراء غزلیں شامل ہیں۔ اس کا ایک سبب یہ ہوا کہ لوگوں کو نام پسند نہیں آیا، حالانکہ انھوں نے "اپنی غزل" کے عنوان سے جو دیباچہ لکھا ہے اس میں توضیح کر دی ہے کہ غزل معلّی صنف غزل سے مراد ہے یہ مجموعہ غزل نہیں۔ دوسرا سبب یہ ہوا کہ نہ تو اس کی رونمائی ہوئی اور نہ کسی ذریعہ ابلاغ سے اس کا اشتہار دیا گیا۔ کراچی کی معروف زندگی میں بھلا اتنی فرصت کسے کہ کتابوں کو تلاش کرے۔" (54)

آل رضا کے شاگرد سید وحیدالحسن ہاشمی نے آل رضا کا ایک مرثیہ۔

اسلام دین عظمت انسان ہے دوستو

ممتاز دانشوروں کے گراں قدر تبصروں کے ساتھ 1967ء میں مرتب کر کے مکتبہ تعمیر ادب لاہور سے "عظمت انسان" کے نام سے شائع کیا۔ اس کتاب میں جن مشاہیر، نقادوں کے مضامین و تبصرے موجود ہیں ان میں جوش ملیح آبادی، پروفیسر مسیح الزماں، مولانا مرتضیٰ حسین فاضل، ڈاکٹر ناظر حسن زیدی، پروفیسر یوسف جمال انصاری، پروفیسر خلیل صدیقی، ڈاکٹر نیر مسعود، پروفیسر مجتبیٰ حسین، ڈاکٹر احراز نقوی، کسریٰ منہاس، ڈاکٹر آغا سہیل، پروفیسر عابد علی عابد، پروفیسر وزیر الحسن عابدی، راحت حسین ناصری اور وحیدالحسن ہاشمی (مرتب) شامل ہیں۔ "عظمت انسان" آل رضا کی مرثیہ نگاری کے حوالے سے ایک مبسوط اور جامع دستاویز ہے۔ اس کتاب میں درج بالا ناقدین نے آل رضا کی شخصیت اور شاعری کا مفصل مطالعہ کیا ہے اور جدید مرثیہ کے خدوخال متعین کرتے ہوئے اس سلسلے میں آل رضا کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ مجموعی طور پر اس

کتاب کے ذریعے پہلی مرتبہ آل رضا کے فکری اور فنی مرتبے کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ 288 صفحات پر مشتمل یہ کتاب صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے لائق توجہ ہے۔ اس سلسلے میں اس کتاب کے مولف سید وحیدالحسن ہاشمی کی رائے ملاحظہ فرمایئے:-

"_____ میں نے ملک کے مشہور مرثیہ گو جناب سید آل رضا صاحب سے ان کا ایک مشہور مرثیہ لے کر پاک و ہند کے مشاہیر نقادوں کے پاس اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ وہ اس مرثیے پر نہ صرف تبصرہ فرمائیں بلکہ جدید فن مرثیہ نگاری پر بھی اپنی قیمتی رائے کا اظہار کریں۔ چنانچہ ہر نقاد نے بغیر کسی لگاوٹ کے اپنا نظریہ پیش کر دیا جسے بعینہٖ بلا کم و کاست مرثیے کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔" (55)

سید آل رضا کا ایک مرثیہ "شریکۃ الحسین" مکتبہ تنظیم الاسلام لاہور نے 1970ء میں شائع کیا۔ 99 بندوں کو محیط اس مرثیہ کا مطلع یہ ہے:

تھا جہاں پھر وہیں قرآن کو لے آئے حسینؑ

اس کتاب میں مرثیے کے علاوہ پروفیسر محمد صادق، پروفیسر احتشام حسین اور ڈاکٹر مسعود رضا خاکی کے مضامین بھی شامل ہیں۔ ان مضامین میں آل رضا کے مرثیے کو مرثیہ نگاری کے سیاق و سباق میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مجموعی اعتبار سے یہ کتاب جاذب نظر نہیں لیکن اپنے موضوع کے اعتبار سے 80 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر محمد صادق قریشی رقمطراز ہیں:

"_____ اب یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ سید آل رضا ایڈووکیٹ جدید مرثیہ گویوں کے پیش رو اور امام ہیں ـــــ مجلس تنظیم الاسلام مرثیہ شریکتہ الحسینؑ شائع کر کے اردو کے بہی

خواہوں اور نقادوں سے متمنی ہے کہ وہ اس موشیے میں آل رضا
کے فن کا کمال دیکھیں کیونکہ یہاں ان کی مقصدیت پوری شدت
کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ہے۔" (56)

برصغیر کے معروف دانشور پروفیسر کرار حسین نے آل رضا کے تمام مرثیوں کو "مراثی رضا" کے نام سے یکجا کر کے خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر کراچی سے 1981ء میں شائع کر دیا۔ "مراثی رضا" میں تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ موشیے شامل ہیں۔ اس طرح یہ مجموعہ مراثی کلیات کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ مراثی رضا میں شامل مرثیوں کے مطلع درج ذیل ہیں:

1- کلمۂ حق کی ہے تحریر دلِ فطرت میں (57)
2- خدا ہے ایک خدا لا الہ الا اللہ
3- تھا جہاں پھر وہیں قرآن کو لے آئے حسینؑ (58)
4- تہذیبِ عبادت ہے سراپائے محمدؐ (59)
5- خدمتِ خلق شریعت ہے شرافت کے لئے
6- سر جھکاتا ہوں کہ سجدے میں مزا آ جائے
7- آفاقیت نواز ہے درسِ غمِ حسینؑ
8- خدا کرے کہ مودّت سمجھ میں آ جائے
9- میرے اللہ نے کیا کیا مجھے نعمت بخشی
10- صاحبِ احسنِ تخلیق کی قدرت پہ سلام
11- خوشا نصیب دیارِ حسینؑ دیکھ لیا
12- بزم عزائے شاہ شہیداں ہے اور ہم
13- ہم اہل دل ہیں، درد محبت کے ساتھ ساتھ
14- منبر پہ ہیں معراجِ خطابت کے نظارے
15- اسلام دینِ عظمتِ انساں ہے دوستو (60)

16- بہار پر ہے زمانہ نزولِ قرآں کا
17- انیس اہلِ ادب ہے وقار منبر کا
18- عظمتِ پنجتنِ پاکؑ ہے جانِ اسلام
19- اسلام کے کمال کا ہنگام آ گیا
20- قافلہ آلِ محمدؐ کا سوئے شام چلا (61)

مراثی رضا کے آغاز میں پروفیسر کرار حسین نے پیش لفظ کے عنوان سے ایک مختصر مگر جامع مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ اس مقدمے میں انہوں نے کلاسیکی اور جدید مرثیوں کا ایک نئے تناظر میں مطالعہ پیش کیا ہے۔ اس پس منظر میں آل رضا کی مرثیہ نگاری کا احاطہ کیا ہے۔ اس کے بعد "تمہیدی جملے" کے عنوان سے سید ہاشم رضا کا ایک مقالہ شامل ہے جس میں انہوں نے آل رضا کی شاعری کے حوالے سے کچھ نئی معلومات بہم پہنچائی ہیں اور آل رضا کی شاعری کے شاعرانہ محاسن کی نشاندہی کی ہے۔ یہ کتاب کتابت اور طباعت کے اعتبار سے بے حد نفیس اور دیدہ زیب ہے لیکن پروف خوانی نہ ہونے کے سبب اس میں اغلاط بکثرت موجود ہیں۔ بہرحال "مراثی رضا" اولاً تو کلیات مراثی آل رضا کے سبب رفیع ہے، دوسرے جدید مرثیے کے حوالے سے یہ ایک انتہائی قیمتی دستاویز ہے۔ مراثی رضا کے "پیش لفظ" میں پروفیسر کرار حسین رقمطراز ہیں:

"____ جناب سید آل رضا کے مرثیوں میں زمانہ حال کے یہ تقاضے بدرجہ اتم پورے ہوتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ان میں آپ کو واقعہ کربلا کے پس منظر اور پیش منظر کا تجزیہ ملے گا۔ ان میں آپ کو تاریخی صحت کا اہتمام ملے گا۔ ان میں اسلام کو انسانی عظمت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وہ انسان جو فطرت کا دل ہے اور اللہ کی طرف سے زمین پر خلیفہ ہے اور واقعہ کربلا کو اسلام کی تفسیر اور تبلیغ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان میں آپ کو

حکومتی اسلام اور حقیقی اسلام کا تضاد اور تصادم نظر آئے گا۔ ان میں آپ کو اخلاق کاملہ کی تعبیر ملے گی۔ ایثار، قربانی، یقین، استقلال، عزم و ثبات، صبر و صداقت اور تہذیب غم جیسی صفات کی تلقین ملے گی۔ ان میں عمل کی ترغیب اور اصلاح کی سعی ملے گی اور اس کے ساتھ ساتھ ایک طرف خلوص کی گہرائی اور جذبات کی سچائی اثر انگیز ہے اور دوسری طرف مرثیہ کی ہیئت اور زبان پر فنکارانہ قدرت داد طلب ہے"۔ (62)

(5)

آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بنیادی موضوع کا تعارف کرا دیا جائے اور حدود کار کا تعین کر لیا جائے۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ارباب بست و کشاد نے راقم کی درخواست پر جو موضوع تحقیق کے لئے منظور کیا اس کا عنوان تھا:

"آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین"

اس موضوع پر باقاعدہ کام شروع کرنے سے قبل یہ امر باعث تشویش تھا کہ "غیر مطبوعہ" سے کیا مراد لی جائے گی؟ اس سلسلے میں احباب کے دو آرا تھے:

1- کچھ احباب کا موقف یہ تھا کہ اس موضوع کے مطابق آل رضا کے فقط اس کلام کو مدون کرنا چاہئے جو حقیقتاً غیر مطبوعہ ہے اور کسی بھی شکل میں کہیں بھی طبع نہیں ہوا۔

2- کچھ احباب نے درج بالا وضاحت سے اختلاف کرتے ہوئے اس امر پر زور دیا کہ غیر مطبوعہ سے مراد عام طور پر وہ کلام ہوتا ہے جو مطبوعہ دواوین میں شامل نہیں ہوتا۔ لہذا مشورہ دیا گیا کہ

آل رضا کا وہ تمام کلام مدون کرنا چاہئے جو ان کے دواوین میں
طبع نہیں ہوا۔

مذکورہ بالا اختلافی امور نے راقم کو پریشان کر دیا چنانچہ اس سلسلے میں وضاحت کے لئے ڈاکٹر وحید قریشی صاحب' ڈاکٹر فرمان فتح پوری صاحب' ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب' ڈاکٹر آغا سہیل صاحب اور ڈاکٹر صدیق شبلی صاحب سے رابطہ قائم کیا گیا۔ مذکورہ بالا معتبر و معروف محققین و ناقدین کا اس سلسلے میں مشترکہ موقف یہ تھا کہ موضوع اگرچہ اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ آل رضا کا محض غیر مطبوعہ کلام (وہ کلام جو کسی جگہ طبع نہ ہوا ہو) مدون کر دیا جائے تاہم علمی اور تحقیقی دیانتداری اس بات کی متقاضی ہے کہ آل رضا کا وہ تمام کلام مدون کر دیا جائے جو ان کے مجموعوں میں شامل نہیں ہے۔ ان مقتدر اصحاب کے گراں قدر آرا کو پیش نظر رکھتے ہوئے راقم الحروف نے اپنے مقالے کے نگران ڈاکٹر سجاد باقر رضوی صاحب سے رجوع کیا اور زیر تسوید مقالہ کے حدود و قیود کے بارے میں تفصیلی طور پر تبادلہ خیالات کیا۔ ان کی ہدایات کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ آل رضا کے تمام و کمال غیر مطبوعہ اور غیر مدون کلام کی تدوین کی جائے اس فیصلے کے بارے میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے فاضل اساتذہ ڈاکٹر صدیق شبلی صاحب' پروفیسر نظیر صدیقی صاحب اور ڈاکٹر نثار قریشی صاحب کو بھی مطلع کر دیا گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اول الذکر آسان موضوع اور طریقہ کار کو چھوڑ کر ثانی الذکر دشوار موضوع کا طریق کار منتخب کیوں کیا گیا؟ تو عرض ہے کہ اس کا پہلا سبب یہ ہے کہ اول الذکر موضوع کا دائرہ کار نہایت محدود تھا۔ اس کو اپنانے کی صورت میں آل رضا کا بیشتر کلام مدون ہونے سے رہ جاتا۔ خاص طور پر اخبارات و جرائد میں شائع شدہ کلام تلف ہو جاتا۔ اس کے ساتھ ساتھ متن کا موازنہ بھی ممکن نہ ہوتا اور تدوین کا یہ منصوبہ ادھورا' نامکمل اور ناقص رہ جاتا۔ لہٰذا احباب و اساتذہ کے مشوروں کے بعد موخرالذکر کٹھن اور مشکل موضوع اور طریق کار کو منتخب کیا گیا اور حتی الامکان

اپنی ہمت، صلاحیت اور استعداد کے مطابق اس کام کو مکمل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس طرح اب موجودہ صورت کے بارے میں نہایت عاجزی سے کہا جا سکتا ہے کہ راقم نے کتاب ہذا میں آل رضا کا وہ تمام و کمال کلام یکجا کر دیا ہے جو ان کے مجموعہ ہائے کلام میں موجود نہیں ہے۔ چنانچہ اب یہ کتاب "باقیات آل رضا" کی شکل اختیار کر چکی ہے اور موضوع کی معمولی تحریف سے زیر نظر کام کو آل رضا کے غیرمدون کلام کی تدوین کہا جا سکتا ہے۔

(6)

موضوع کے واضح تعین کے بعد راقم نے اپنے کام کا آغاز کیا تو علم ہوا کہ جس کام کو اپنے طور پر قدرے سہل سمجھ رہا تھا وہ انتہائی وقت طلب اور دشوار گزار ہے۔ چنانچہ اس کام کو منضبط اور مربوط بنانے کے لئے اسے مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ سب سے پہلے آل رضا کے جملہ مجموعہ ہائے کلام میں موجود تمام مواد کی مکمل فہرست کارڈز پر تیار کی گئی۔ اس طرح آل رضا کا تمام مطبوعہ کلام بہ یک نگاہ سامنے آ گیا۔ پہلا مرحلہ مکمل ہو جانے کے بعد آل رضا کے اہل خانہ سے رابطہ قائم کیا گیا۔ پہلے ہاشم رضا صاحب (برادر آل رضا) اور رعنا زیدی صاحب (بنت آل رضا) سے خط کتابت شروع ہوئی۔ دونوں کا بنیادی موقف یہ تھا "۔ پاکستان آنے کے بعد آل رضا نے مرثیہ نگاری کی طرف زیادہ توجہ دی اور اس دوران ان کے جملہ مراثی یکجا ہو کر "مراثی رضا" کی صورت میں طبع ہو چکے ہیں اور باقی ماندہ غیر مطبوعہ کلام میں صرف چند سلام قطعات، رباعیات اور مناقب موجود ہیں۔ ان شخصیات نے راقم کو مشورہ دیا کہ ان کے کسی دوسرے موضوع یا رخ پر کام کر لیا جائے تو بہتر ہو گا۔ اس بیان سے مایوسی ضرور ہوئی لیکن ارادہ متزلزل نہ ہو سکا۔ اپنے موقف کی وضاحت اور موضوع کی اہمیت کی صراحت اجاگر کرنے کے لئے راقم کو کراچی جانا پڑا۔ جناب سید ہاشم رضا صاحب اور

محترمہ رعنا زیدی صاحبہ سے کئی تفصیلی ملاقاتیں ہوئیں جن میں موضوع کی اہمیت اور افادیت پر مزید روشنی ڈالی گئی اور انہیں اس بات پر قائل کیا کہ یہ موضوع اگرچہ بہت دشوار اور کٹھن ہے تاہم اس پر کام کرنے کی واقعی ضرورت ہے۔ انہیں یہ بھی باور کرایا کہ اگر دل لگا کر کام کیا گیا تو بعض حیرت انگیز نتائج سامنے آنے کے امکانات ہیں۔ ان دونوں قابل احترام شخصیات نے ان معروضات کو نہایت توجہ سے سنا اور بالآخر راقم کے موقف کی تائید کرتے ہوئے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ ان سے پہلی گذارش یہی کی کہ آل رضا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی جو جو چیزیں ان کے پاس محفوظ ہیں ان کی نقول عنایت فرما دیں۔ چنانچہ انہوں نے مختلف اوقات میں کچھ ایسا مواد بھی عنایت فرمایا جو راقم کی دسترس سے باہر تھا۔ راقم کو تین ماہ مسلسل کراچی میں قیام کرنا پڑا۔ مواد کے حصول کے لئے بڑی جست و خیز کرنا پڑی۔ آل رضا کے اہل خانہ سے کچھ مواد حاصل ہو گیا تو اگلے مرحلے میں مرحوم کے دوستوں اور قرابت داروں سے رابطے کا فیصلہ کیا۔ اس ضمن میں جن اصحاب سے براہ راست رابطہ قائم ہوا ان میں جسٹس (ریٹائرڈ) ایس۔ اے۔ نصرت صاحب' حکیم محمد سعید صاحب' مشفق خواجہ صاحب' پروفیسر کرار حسین صاحب' ڈاکٹر فرمان فتحپوری صاحب' شاہد نقوی صاحب' ڈاکٹر باقر زیدی صاحب' صہبا لکھنوی صاحب' نکہت بریلوی صاحب' ضمیر اختر نقوی صاحب' پروفیسر سید محمد رضا صاحب' اسیر فیض آبادی صاحب' حسین انجم صاحب' مولانا محمد باقر شمس صاحب' پروفیسر ظفر جونپوری صاحب' ذاہر فتح پوری صاحب' اشرف عباس صاحب' اختر لکھنوی صاحب' منقاد حیدر ہاشمی صاحب' احمد ندیم قاسمی صاحب' ڈاکٹر وحید قریشی صاحب' ڈاکٹر آغا سہیل صاحب' وحید الحسن ہاشمی صاحب' کسریٰ منہاس صاحب' مشرف انصاری صاحب' ڈاکٹر سہیل احمد خان صاحب' وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ خط کتابت کے ذریعے جن بزرگوں اور دوستوں سے رابطہ قائم کیا گیا ان میں ڈاکٹر نیر مسعود صاحب (بھارت)' ڈاکٹر شبیہ الحسن نونہروی صاحب (بھارت) کاظم علی خان صاحب (بھارت)' شارب لکھنوی صاحب (بھارت)' فضل لکھنوی صاحب (بھارت) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ان احباب نے مختلف امور میں راقم کی دستگیری کی اور آل رضا کے بارے میں بعض بنیادی معلومات فراہم کیں۔ تاہم ان کا غیر مطبوعہ کلام کسی صاحب سے بھی حاصل نہ ہو سکا۔ احباب سے رابطوں کے بعد اگلے مرحلے میں کراچی اور لاہور کے بعض پبلک اور نجی کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ ان میں سے بعض اہم کتب خانوں کی فہرست درج ذیل ہے:

1- یونیورسٹی لائبریری' جامعہ کراچی
2- غالب لائبریری' کراچی
3- یونیورسٹی لائبریری' جامعہ پنجاب' لاہور
4- پنجاب پبلک لائبریری' لاہور
5- دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری' لاہور
6- لائبریری گورنمنٹ کالج' لاہور
7- لائبریری گورنمنٹ ایف۔ سی۔ کالج' لاہور
8- لائبریری ریڈیو پاکستان' لاہور
9- لائبریری علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی' اسلام آباد
10- پبلک لائبریری' ماڈل ٹاؤن' لاہور
11- لائبریری یونیورسٹی اورینٹل کالج' لاہور
12- لائبریری مجلس ترقی ادب' لاہور
13- ذاتی کتب خانہ جناب ضمیر اختر نقوی' کراچی

راقم نے درج بالا کتب خانوں کے مختلف شعبوں کا مطالعہ کیا اور مقدور بھر ہر زاویے سے استفادہ کیا۔ مذکورہ کتب خانوں میں یوں تو بے شمار رسائل و کتب نگہ سے گذرے' خاص طور پر درج ذیل رسائل و اخبارات کی فائلوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا لیکن عسیر الحصول ماخذ سے مطلوبہ مواد خاطر خواہ برآمد نہ ہوا۔ بہرحال رسائل اخبارات کی مختصر سی فہرست درج ہے۔

1- ماہنامہ "نقوش" لاہور
2- ماہنامہ "فنون" لاہور
3- ماہنامہ "ماہِ نو" کراچی / لاہور
4- ماہنامہ "اوراق" لاہور
5- ماہنامہ "افکار" کراچی
6- ماہنامہ "نگار" کراچی
7- ماہنامہ "شام و سحر" لاہور
8- ماہنامہ "پیام عمل" لاہور
9- ماہنامہ "تہذیب الاخلاق" لاہور
10- ماہنامہ "خیر العمل" لاہور
11- ماہنامہ "محفل" لاہور
12- ماہنامہ "سب رس" کراچی
13- ماہنامہ "قیام" کراچی
14- پندرہ روزہ "ارشاد" کراچی
15- پندرہ روزہ "آہنگ" کراچی
16- ہفت روزہ "نظارہ" لکھنؤ
17- ہفت روزہ "سرفراز" لکھنؤ
18- ہفت روزہ "شہید" لاہور
19- ہفت روزہ "شیعہ" لاہور
20- ہفت روزہ "رضا کار" لاہور
21- ہفت روزہ "خواجگان" لاہور
22- ہفت روزہ "اسد" لاہور
23- ہفت روزہ "اخبار جہاں" کراچی

24- ہفت روزہ "اخبار خواتین" کراچی

25- ہفت روزہ "ذوالفقار" پشاور

26- روزنامہ "جنگ" کراچی

27- روزنامہ "حریت" کراچی

28- روزنامہ "جسارت" کراچی

آل رضا کا جو غیر مطبوعہ کلام مذکورہ بالا اخبارات و رسائل سے دستیاب ہوا اسے سب سے پہلے کارڈز پر منتقل کیا گیا۔ اس کے بعد دواوین میں موجود کلام سے اس کا موازنہ کیا گیا۔ بہت سا کلام دواوین میں موجود ہونے کی وجہ سے چھوڑنا پڑا۔ بہرحال اب جو کلام باقی بچا اسے غیر مطبوعہ قرار دے کر کام شروع کیا گیا۔

مواد کے حصول کے بعد تدوین کا مرحلہ شروع ہوا لیکن مواد کے مطالعے کے دوران درج ذیل مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔

1- آل رضا کا کچھ ایسا کلام بھی دستیاب ہوا جو رسائل میں تو طبع ہو چکا تھا لیکن باوجود مساعی بسیار اس کا اصل متن حاصل نہ ہو سکا۔ چنانچہ اب اس متن کو اصل سمجھنے نہ سمجھنے کا مرحلہ درپیش ہوا۔ اس مسئلے کو دو طریقوں سے حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ پہلی سطح پر آل رضا کے مزاج و مذاق ذوق شعری اور اسلوب بیان کو مدنظر رکھتے ہوئے اس متن کو پرکھنے کوشش کی گئی۔ دوسرے مرحلے پر اس متن کی تصدیق و تائید کے جناب ہاشم رضا اور جناب وحید الحسن ہاشمی سے رجوع کیا گیا۔ چنانچہ اب کتاب ہذا میں جو متن مدون کیا گیا ہے اس کے بارے میں وثوق سے کہا سکتا ہے کہ وہ مصدقہ طور پر آل رضا ہی کا ہے۔

2- آل رضا کے کلام کا جو غیر مطبوعہ مواد حاصل ہوا' اس میں سے کچھ مواد انتہائی خستہ اور بوسیدہ کاغذ کے ٹکڑوں پر مشتمل تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان شکستہ کاغذوں پر کچی پنسل سے لکھا گیا تھا۔ بسا اوقات تو سطر پر سطر

دی گئی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ کلام کے معتدبہ حصے کو پڑھنے کا عمل جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ بہرحال "جوئندہ یابندہ" کے مصداق کوششیں جاری رکھی گئیں اور متن فہمی کا سلسلہ جاری رہا۔ اس ضمن میں جناب وحید الحسن ہاشمی اور پروفیسر طاہر مسعود صاحب سے بھی مدد لی گئی۔ ان حضرات کی کد و کاوش سے متن کا مذکورہ حصہ پڑھا جا سکا۔ گویا یہ مشکل ترین مرحلہ بھی سر ہو ہی گیا۔

3- آل رضا کے کلام کے حصول کے دوران ایک ایسی نظم بھی حاصل ہوئی جو اگرچہ ان کے نام سے شائع ہوئی تھی مگر اپنے مزاج و مذاق کے اعتبار سے آل رضا کے کلام سے لگا نہیں کھاتی تھی۔ لہٰذا اس کی شناخت اور تصدیق کے لئے احباب سے مزید مشورے کئے گئے۔ بیشتر اصحاب نے اس سلسلے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور اسے آل رضا کی تخلیق قرار نہ دینے پر راقم کے فیصلے سے اختلاف کیا۔ آخر کار جناب ضمیر اختر نقوی (کراچی) کے تعاون سے اس مسئلے کو حل کرنے میں کامیابی ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ کلام کسی دوسرے صاحب کا ہے مگر کسی غلط فہمی کی بنا پر آل رضا سے منسوب ہو گیا ہے۔ (قصیدہ میں اس سلسلے میں تفصیلی وضاحت کر دی گئی ہے) بہرحال اس طرح کے الحاقی کلام سے بچنے کے لئے راقم نے ہر طرح سے چھان بین کر کے ان کے غیر مطبوعہ کلام کو مدون کرنے کی کوشش کی ہے۔

4- آل رضا اپنے کلام میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں بھی کرتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مطبوعہ کلام اور ہاتھ سے لکھے ہوئے نسخوں میں بسا اوقات متنی فرق ملتا ہے۔ مواد کے حصول کے بعد راقم کے لئے یہ مسئلہ بھی درپیش رہا کہ کس متن کو بنیادی تصور کیا جائے؟ اور کیوں؟ اس کے علاوہ بعض اوقات آل رضا کے ہاتھ سے لکھے ہوئے کلام کے ایک سے زیادہ نسخے بھی فراہم ہوئے۔ چنانچہ پھر یہی مسئلہ درپیش رہا کہ کس نسخے کو معتبر قرار دیا

جائے' اور کیوں؟ اول الذکر صورت میں تو ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر کو بنیادی متن کے طور پر قبول کیا گیا۔ ثانی الذکر صورت میں بعد میں لکھے گئے نسخے کو بنیادی متن تصور کیا۔ چنانچہ اس صورت سے ایک اور اہم مسئلے سے نجات حاصل کی گئی۔

درج بالا مسائل کے ذکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کے حوالے سے فراہم شدہ مواد کا مختصر سا تعارف بھی کرا دیا جائے کہ موضوع کے حوالے سے جس قدر مواد حاصل ہو سکا اسے تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

-1 آل رضا کا بیشتر کلام دو بیاضوں سے حاصل ہوا ہے۔ پہلی بیاض (ڈائری) چھوٹے سائز (اڑھائی انچ لمبی' پانچ انچ چوڑی) کی ہے۔ یہ بیاض سائیانامڈ (Cyanamid) کمپنی کی ہے اور اس پر 1967ء درج ہے۔ یہ ڈائری انگریزی زبان میں ہونے کی وجہ سے بائیں ہاتھ کی طرف سے شروع ہوتی ہے لیکن آل رضا نے اسے دائیں جانب سے شروع کیا ہے۔ ابتداً" چند صفحات چھوڑ دیئے گئے ہیں اور اس کے بعد مذکورہ بیاض میں غزلیں' متفرق اشعار' ایک عدد حمد اور چند قطعات درج ہیں۔

دوسری بیاض (ڈائری) بڑے سائز (ساڑھے آٹھ انچ لمبی اور ساڑھے پانچ انچ چوڑی) کی ہے جو تبت کاسمیٹکس (Tibet Cosmetics) والوں کی ڈائری ہے اور 1967ء کی یادگار ہے۔ اس بیاض میں سلام' نوحہ' مناقب' قطعات' رباعیات' منظومات' فردیات وغیرہ موجود ہیں۔ یہ بیاض بھی دائیں طرف سے شروع کی گئی ہے۔ بہرحال یہ دونوں بیاضیں اپنی نوعیت' اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔

-2 آل رضا کا کچھ غیر مطبوعہ کلام بوسیدہ کاغذ کے ٹکڑوں اور کارڈوں پر بھی دستیاب ہوا ہے اور یہ کلام بیاضوں میں موجود نہیں ہے۔ ان کاغذوں پر کبھی قلم سے لکھا گیا ہے اور کبھی پنسل سے' تاہم طرز تحریر میں مشابہت اور

یکسانیت ہے بلکہ مصدقہ و موثقہ طور پر یہ آل رضا ہی کا خط ہے جس میں یہ فراہم ہوا ہے۔

3- آل رضا کا کچھ غیر مطبوعہ کلام اخبارات اور رسائل سے بھی حاصل ہوا ہے۔ یہ کلام نہ تو بیاضوں میں درج ہے اور نہ آل رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا ان کا کوئی نسخہ حاصل ہو سکا ہے۔ بہرحال اس طرح کے مواد کی اچھی طرح تحقیق کر لینے کے بعد ہی اسے کتاب ہٰذا میں شامل کیا گیا ہے۔ فن تحقیق کے مطابق حاصل شدہ مواد ہی سے راقم نے بنیادی اور ثانوی ماخذ متعین کر کے اپنے کلام کو حتمی شکل دی ہے۔

(7)

آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کے حصول کے بعد اب تدوین کا مرحلہ درپیش ہوا۔ تمام کلام کی تدوین کے سلسلے میں راقم کے پیش نظر درج ذیل چار طریقے تھے:

الف۔ کلام کی حروف تہجی کے اعتبار سے تدوین

ب۔ کلام کی موضوعاتی تدوین

ج۔ کلام کی سن وار تدوین

د۔ کلام کی ردیف وار تدوین

تدوین کے یہ چاروں طریقے اپنی نوعیت اور اہمیت کے اعتبار سے اہم اور مستند قرار دیئے جا سکتے ہیں تاہم آل رضا کے کلام کی تدوین کے سلسلے میں یہ مسئلہ نہایت اہم تھا کہ کس طریقہ تدوین کو اختیار کیا جائے اور کیوں؟ اس سلسلے میں راقم نے سب سے پہلے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب سے رجوع کیا۔ انہوں نے تمام مواد کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور مشورہ دیا کہ کلام کی تدوین سن وار ہو جائے تو بہتر ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے واضح کر دیا کہ جو کلام دستیاب ہوا ہے اس میں کثیر حصہ کا سن تخلیق متعین

نہیں کیا جا سکتا اور آل رضا نے کسی کلام پر تاریخ تحقیق درج نہیں فرمائی۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے موضوعاتی تدوین کے بارے میں مشورہ دیا۔ راقم نے اس ضمن میں یہ گزارش کی کہ آل رضا کا بہت سا کلام ایسا ہے جو موضوع کی حد بندی میں نہیں آ سکتا۔ بہرحال ڈاکٹر صاحب نے آخر میں یہی مشورہ دیا کہ اس تمام صورت میں ردیف وار ترتیب سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ کچھ عرصے بعد برصغیر کے معروف محقق ڈاکٹر وحید قریشی صاحب سے اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو ہوئی۔ آپ نے حاصل شدہ تمام مواد کا بغور مطالعہ کیا اور فرمایا کہ تمام کلام کو اگر حروف تہجی کے اعتبار سے مدون کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ہم نے اس سلسلے میں وضاحت کی کہ آل رضا کے کلام کے متن میں بعض اوقات فرق ملتا ہے۔ خاص طور پر مطالعوں کے فرق سے یہ حروف تہجی والا سلسلہ غیر معیاری ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد موضوعاتی تدوین پر گفتگو ہوئی اور آخر کار ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے بھی ردیف وار تدوین ہی کو مناسب قرار دیا۔ ان حضرات کے گراں قدر مشوروں کے بعد راقم اپنے مقالے کے نگران ڈاکٹر سجاد باقر رضوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام صورت حال سے انہیں آگاہ کیا۔ بہرحال انتہائی غور و خوض اور ہیئت و مواد کے مطالعہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ پہلے تمام کلام کو صنف وار تقسیم کر دیا جائے اور اس کے بعد ہر صنف کی ردیف وار تدوین کی جائے۔ اس حتمی فیصلے کے بعد اس طریقے کے بموجب کام کا آغاز کیا گیا۔

راقم نے آغاز کار میں تمام کلام کو الف وار (حروف تہجی کے اعتبار سے) مرتب کر لیا تھا۔ تاہم باقر صاحب کی ہدایات کی روشنی میں کام کو از سر نو مرتب کرنا شروع کیا گیا۔ ابتدا" راقم کے لئے سب سے وقت طلب مسئلہ یہ تھا کہ کلام کی صنف وار تقسیم مواد کے مطابق کی جائے گی یا ہیئت کے اعتبار سے۔ موضوع و مواد کو بنیاد بنا کر کلام کو صنف وار ترتیب دینے کی کوشش کی گئی تو بے شمار دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سلسلے میں محض دو مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

الف۔ آل رضا کا مشہور سلام آخر

سلام خاک نشینوں پہ سوگواروں کا
غریب دیتے ہیں پرسہ تمہارے پیاروں کا

اپنے موضوع کے اعتبار سے تو یقیناً" صنف سلام میں شامل ہونے کے لائق ہے تاہم اس کی ہیئت اسے سلام کی صنف میں شامل نہیں ہونے دیتی۔ اسی باعث اسے سلام کے بجائے نظم کی صنف میں شامل کیا گیا۔

ب۔ آل رضا نے اپنی بیاض (2) میں قطعات کے ذیل میں چند اشعار کو قطعہ قرار دیا ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے ___

پیکرِ بے روح رسمی اعتقاد
اعتقادِ بے عمل دل کا فساد

قطعہ کی مروجہ ہیئت کے مطابق اس کا مطالعہ کیا گیا تو اسے قطعہ قرار دینا مناسب نہ تھا لہٰذا اسے نظم کی صنف میں شامل کرنا پڑا۔ موضوع اور مواد کی یہ صورت حال دیکھ کر ہیئت کے حوالے سے اصناف کی تقسیم کا فیصلہ کیا گیا اس کوشش میں بھی کئی مشکلیں سامنے آئیں۔ اس سلسلے میں بھی ایک مثال ملاحظہ فرمایئے:

آل رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک بوسیدہ کاغذ دستیاب ہوا" جس پر سلام کی ہیئت میں چند اشعار رقم تھے اور مطلع یہ تھا ___

حسینؑ نام ہے حسنِ کمالِ خلقت کا
حسینؑ نام ہے انسان کی شرافت کا

ہیئت کے اعتبار سے تو یقیناً یہ اشعار سلام کی صنف میں شامل ہونا چاہئے تھے تاہم موضوع کے اعتبار سے یہ اشعار آپس میں اتنے مسلسل اور مربوط تھے کہ انہیں سلام قرار دینا مناسب نہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ آل رضا نے اس پر ایک عنوان "حسینؑ" بھی قائم کیا ہے۔ اب اس صورت حال کے

مطابق اسے سلام کے بجائے نظم کی صنف میں شامل کیا گیا۔

درج بالا وضاحتوں سے مقصود محض یہ باور کرانا ہے کہ تمام کلام کا مطالعہ ہیئت اور مواد دونوں حوالوں سے کیا گیا اور ان کی صنف وار تقسیم میں ہر سطح کی احتیاط پیش نظر رکھی گئی۔ اس ضمن میں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ آل رضا کے کلام کو اصناف کے زمرے میں شامل کرتے ہوئے ہیئت و مواد کے علاوہ بھی بعض مسائل ہمارے سامنے آتے رہے ہیں۔ چنانچہ چند اہم امور کی نشاندہی دلچسپی سے خالی نہ ہو گی۔

الف۔ پہلے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ تمام مدحیہ شاعری کو منقبت کے ذیل میں رکھا جائے۔ اس صورت میں حمد' نعت' منقبت' قصائد اور مخمس مرثیوں کو یکجا کر کے "منقبت" کی صنف میں پیش کرنے کا ارادہ تھا۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی صاحب نے اس طریقہ تقسیم سے اختلاف کرتے ہوئے ہر صنف کو علیحدہ علیحدہ پیش کرنے پر زور دیا۔ لہٰذا تمام اصناف الگ الگ مدون کی گئی ہیں۔

ب۔ ابتدا" سلام' نوحہ اور اس قبیل کی دیگر شاعری کو "عزائیہ شاعری" کے عنوان سے مدون کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا لیکن ڈاکٹر سجاد باقر رضوی صاحب نے اس طریقہ تدوین کو تبدیل کر کے صنف وار تقسیم پر زور دیا اور اب سلام' نوحہ وغیرہ علیحدہ علیحدہ صنف کے طور پر کتاب میں شامل ہیں۔

ج۔ آل رضا کا غیر مطبوعہ کلام جن اصناف میں دستیاب ہوا ہے ان میں غزل' منقبت' سلام' نظم' حمد' نعت' نوحہ' مخمس مرثیہ' رباعی' قطعہ وغیرہ شامل ہیں۔ کتاب کی تدوین کے وقت ان اصناف کی ترتیب بھی ایک مشکل مرحلے سے کم نہ تھی۔ بہرحال قدیم دواوین کے مطالعے کے بعد کتاب کے لئے جو ترتیب وضع کی گئی وہ کچھ یوں ہے:

(1) حمد　(2) نعت　(3) منقبت •

(4) سلام　(5) نوحہ　(6) غزل

(7) نظم (8) قطعہ (9) رباعی

(10) مرثیہ (مخمس) (11) فرد

درج بالا اصناف کی تقسیم کے بعد ہر صنف کے کلام کو ردیف وار مرتب کیا گیا ہے۔ اب کتاب میں جس قدر کلام موجود ہے وہ اصناف کے اعتبار سے مدون کیا گیا ہے اور تمام اصناف کو ردیف وار ترتیب دے دیا گیا ہے۔

(8)

طریقہ کار کی وضاحت اور اصناف کی درجہ بندی کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کتاب میں موجود آل رضا کے کلام کے حوالے سے اصناف کا مختصر سا تعارف بھی کرا دیا جائے تاکہ آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تفہیم میں آسانی ہو سکے اور بعض نکات کی وضاحت بھی ہو جائے۔ ذیل میں ترتیب وار اصناف کا اجمالی جائزہ پیش خدمت ہے۔

1- حمد

حمد ایک مشکل صنف سخن ہے۔ (63) یہی سبب ہے کہ اکثر شعراء نے اس صنف میں بہت کم طبع آزمائی کی ہے۔ آل رضا کی بھی محض دو غیر مطبوعہ حمدیں دستیاب ہو سکی ہیں۔ دونوں حمدیں مختلف ہیئتوں میں ہیں۔

پہلی حمد:

ترے بہترین جمال کا' جو کروں سوال' تو کیا کروں (64)

غزل کی ہیئت میں ہے اور دوسری حمد:

بہتر مرے کریم' مرے کل سے آج ہے

مسدس میں ہے۔ اول الذکر حمد جب ہم نے ماہنامہ شام و سحر لاہور میں شائع کی تو آل رضا کے حقیقی بھائی سید ہاشم رضا صاحب نے ایک خط میں تحریر فرمایا۔

"____ بھائی جان کی یہ حمد اس سے پہلے میں نے نہیں سنی تھی۔ (65)

2- نعت

نعت نگاری کو ناقدین نے ایک دشوار اور کٹھن عمل قرار دیا ہے کیونکہ اس میں ذرا سا غلو نعت کو حمد کے دائرے میں اور ذرا سی کمی شاعر کو کفر کے زمرے میں داخل کر دیتی ہے۔ (66)

آل رضا کی کل پانچ غیر مطبوعہ نعتیں دستیاب ہوئی ہیں۔
نعتوں کی مجموعی تعداد کی اس کمی کے بارے میں آل رضا خود رقم طراز ہیں:

"____ چونکہ میں نے کئی مرثیوں کی تمہید میں سرکار ختمی مرتبتؐ کے ذکر کا فخر حاصل کیا ہے، اس وجہ سے ان انفرادی نظموں کی تعداد بہت مختصر ہے"۔ (67)

آل رضا کی پانچوں نعتیں غزل کی ہیئت میں ہیں۔ دو نعتیں

ے یوں آج تصور میں رضا آئے محمدؐ

اور

ے نبیؐ کے نام پہ امت نہ کیوں فدا ہو جائے

محض 4 اور 5 اشعار پر مشتمل ہیں۔ باقی نعتوں کی مجموعی شعری تعداد کو دیکھتے ہوئے یہ نعتیں نامکمل (زیر تکمیل) معلوم ہوتی ہیں لیکن اس سلسلے میں کوئی واضح شہادت نہیں مل سکی۔

3- منقبت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل اور ان سے تمسک رکھنے والی عالی قدر ہستیوں کی مدح میں جو شاعری معرض تخلیق میں آتی ہے اسے "منقبت" کہتے ہیں۔ (68)

اس سلسلے میں کسی ہیئت یا موضوع کی پابندی ضروری نہیں ہوتی۔ آل رضا کا بیشتر کلام مدحیہ شاعری کے ذیل میں آتا ہے تاہم ان کی جو غیر مطبوعہ منقبتیں حاصل ہو سکی ہیں ان کی تعداد 34 ہے۔ ان منقبتوں میں اہل بیتؑ کے کسی فرد کے بارے میں کہے گئے مدحیہ قصائد بھی شامل ہیں۔ ان مناقب میں کسی خاص ہیئت کی پابندی نہیں کی گئی۔ مسدس، مخمس، مثنوی، وغیرہ ہر قسم کی ہیئت میں مناقب موجود ہیں۔ ہیئتوں کے اس تنوع سے آل رضا کی شعری استعداد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان مناقب میں 3 منقبتیں نامکمل ہیں اور اس کی وضاحت حاشیوں میں کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بعض منقبتیں طرحی بھی ہیں۔ان طرحوں کے بارے میں بھی حاشیوں میں وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ جن منقبتوں کا سن تخلیق معلوم ہو سکا ان کی صراحت بھی کر دی گئی۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ کتاب میں موجود مناقب اپنی اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے آل رضا کے شاعرانہ مقام کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔

4- سلام

سید الشہدا امام حسین علیہ السلام اور میدان کربلا میں حق کی خاطر جان قربان کرنے والے ان کے رفقاء کی شان میں جو شعری نذرانہ پیش کیا جاتا ہے اسے "سلام" کہتے ہیں (69)۔ آل رضا عمر بھر سلام نگاری کرتے رہے۔ تاہم تلاش و جستجو کے بعد آل رضا کے 49 سلام حاصل کیے جا سکے ہیں۔ یہ سلام اپنی نوعیت اور انفرادیت کے لحاظ سے بہرحال قابل توجہ ہیں۔ اس کتاب میں آل رضا کا پہلا سلام ــــــ

دل سوز محبت سے جل جانے کا کیا کہنا
شمع غم سرورؑ کے پروانے کا کیا کہنا

بھی تلاش کر کے مدون کر دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستان تشریف لانے کے بعد کراچی میں آل رضا نے جو پہلا سلام ــــــ

مٹاتے ہیں مسلمانوں کو یہ کافر جفا والے

بہت یاد آئے ہم کو اس بلا میں کربلا والے

نذر سامعین کیا تھا اسے بھی تلاش کر کے کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ طرحی سلاموں کی وضاحت اور سن تخلیق کی صراحت حاشیوں میں کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف نسخوں میں حاصل ہونے والے متنوں کے فرق کو بھی حاشیوں میں واضح کر دیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آل رضا کے یہ سلام عزائی شاعری کے حوالے سے نہایت گراں قدر ہیں۔

5- نوحہ

نوحہ عزائی ادب میں ایک ممتاز مقام کا حامل ہے۔ (70) اسے بعض ناقدین نے مرثیے کی ذیلی صنف قرار دیا ہے لیکن جذبات کی بے ساختگی اور والہانہ پن کے اعتبار سے یہ سلام اور مرثیہ سے قطعی جداگانہ صنف سخن ہے۔ آل رضا کے کلام کا کثیر حصہ چونکہ عزائی شاعری پر مشتمل ہے لہٰذا یہ امر انتہائی حیرت انگیز ہے کہ ان کا صرف ایک نوحہ ـــــ

عصر کا محشر' خاک پہ سرور' کوتل گھوڑا' زین پہ خون
زینب' مضطر' اور یہ منظر' کوتل گھوڑا' زین پہ خون

دستیاب ہو سکا ہے۔ اس سلسلے میں آل رضا کے نوحوں کے تلف ہو جانے کا احتمال بھی ہو سکتا ہے تاہم کسی بھی جانب سے اس سلسلے میں تصدیق یا تائید نہیں ہو سکی۔ اس کتاب میں آل رضا کا جو نوحہ پیش کیا جا رہا ہے وہ آل رضا کے طبعی مذاق و مزاج سے قدرے مختلف ہے۔ خاص طور پر قافیہ و ردیف کے حوالے سے یہ نوحہ آل رضا کے شعری ذوق کے ایک نئے رخ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

6- غزل

آل رضا نے صنف غزل سے شاعری کا آغاز کیا اور زندگی بھر غزلیں کہتے رہے۔ پاکستان آنے کے بعد انہوں نے بہت کم غزلیں کہیں۔ بعض ناقدین نے بغیر

تحقیق کے یہ فیصلہ بھی صادر فرما دیا کہ آل رضا کی تمام غزلیں ان کے مجموعہ ہائے کلام (نوائے رضا ـــــ غزل معلیٰ) میں طبع ہو گئی ہیں اور اب ان کی غیر مطبوعہ غزلیں موجود ہی نہیں ہیں۔ (71)

جب اس سلسلے میں راقم نے سید ہاشم رضا صاحب سے ایک وضاحتی سوالنامے کے ذریعے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے ایک مکتوب میں لکھا:

"ـــــ ان (آل رضا) کا غیر مطبوعہ کلام غزل میں نہیں بلکہ مرثیہ میں ملے گا ـــــ چونکہ میری نظر میں مرحوم کی غیر مطبوعہ غزلیں نہیں ہیں لہٰذا میں ضمنی سوالنامے کے جوابات لکھنے سے قاصر ہوں۔" (72)

جب راقم نے آل رضا کی غیر مطبوعہ غزلوں کی تلاش کا کام شروع کیا تو اولاً محض دو چار غزلوں کی دستیابی کا ہی امکان نظر آیا لیکن جوئندہ یابندہ کے مصداق ہم آل رضا کی 48 غیر مطبوعہ غزلیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ان غزلوں کی مجموعی تعداد ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس سلسلے میں کیا کیا کوششیں بروئے کار لائی گئی ہوں گی۔ ان غزلوں میں بعض غزلیں 2، 3 اور 4 اشعار پر بھی مشتمل ہیں۔ انہیں غزل کے زمرے میں اس لیے شامل کیا گیا کہ خود آل رضا نے انہیں باقاعدہ صنف غزل قرار دیا ہے اور یہ اشعار اپنے مذاق و مزاج کے اعتبار سے بھی غزل ہی قرار دیے جا سکتے ہیں۔ بہرحال یہ تمام غزلیں آل رضا کا گراں قدر سرمایہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے آخری زمانے کی فنی و فکری پختگی کی مظہر بھی ہیں۔

(7) نظم:

آل رضا باقاعدہ نظم نگار شاعر نہیں تھے۔ یہی سبب ہے کہ تلاش و جستجو کے باوجود مختلف موضوعات پر ان کی فقط 14 نظمیں دستیاب ہو سکی ہیں۔ ان میں سے 7 اپنی نوعیت اور مزاج کے اعتبار سے مذہبیات کے زمرے میں شامل کی جا سکتی ہیں

جبکہ بقیہ سات نظمیں قومی و ملی شاعری کے حوالے سے معرض تخلیق میں آئی ہیں۔ موخرالذکر سات نظموں میں سے 4 نظمیں ملی ترانوں کی شکل میں ہیں۔ دو تاریخی معاملات پر روشنی ڈالتی ہیں جبکہ ایک نظم خالصتاً" قائداعظم کی شخصیت اور سیرت کے حوالے سے معرض تخلیق میں آئی ہے۔ ان نظموں کے ذریعے آل رضا کی وطن دوستی اور پاکستان و بانی پاکستان سے ان کی قلبی محبت کا والہانہ اظہار سامنے آتا ہے۔ ان 14 نظموں میں جہاں موضوعات متنوع ہیں وہاں ان کی ہیئتوں میں بھی انفرادیت کا احساس ملتا ہے۔ خاص طور پر

ع وطن ان کے شاہاں یہ شان وطن ہیں

والی نظم ہیئت کے اعتبار سے ان تمام نظموں سے مختلف اور ممتاز ہے۔ بہرحال موضوعات اور ہیئت دونوں حوالوں سے ان نظموں میں آل رضا کے مزاج کی انفرادیت جھلکتی ہے۔

(8) قطعہ:

قطعہ ایک قدیم صنف سخن ہے اور اس میں کسی خاص موضوع پر طبع آزمائی کی قید نہیں ہے۔ (73) آل رضا کو قطعہ نگاری سے خاص شغف تھا۔ وہ عمر بھر مختلف موضوعات پر قطعات لکھتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی بعض غزلوں اور سلاموں میں بھی قطعہ بند اشعار موجود ہیں۔ سخت ترین جست و خیز کے بعد ان کے بچپن (55) قطعات تلاش کرنے میں ہمیں کامیابی ہوئی۔ ٹائپ کے عمل کے دوران ہمیں پندرہ روزہ آہنگ کراچی کی ایک گمشدہ فائل سے ان کے دو قطعات مزید ملے۔ ان میں سے ایک قطعہ:

ع فضائے نشر و اشاعت کی رونقیں آباد

تو ردیف کی رعایت سے کتاب میں شامل ہو گیا جبکہ دوسرا قطعہ:

ع ہے شاہراہ ترقی پہ اپنا پاکستان

بہ امر مجبوری ضمیمے میں شامل کیا جا رہا ہے۔ آل رضا کے قطعات کسی خاص موضوع تک محدود نہیں ہیں۔ سیاسی' سماجی' مذہبی' شخصی' اخلاقی' واقعاتی غرض کہ ہر موضوع پر ان کے قطعات موجود ہیں۔ موضوعات کا یہ پھیلاؤ آل رضا کی وسیع النظری اور وسعت مشاہدہ پر دال ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے بیشتر قطعات چار (4) مصرعوں پر مشتمل ہیں تاہم بعض قطعات تین تا پانچ اشعار پر بھی مشتمل ہیں۔ آل رضا کے بیشتر شخصی قطعات کی وضاحت حاشیے میں ممدوحین کے اسماء لکھ کر کر دی گئی ہے۔ ایک قطعہ :

ع ہو اپنا بھرم بنام حسین ابن علیؑ

رباعی کے وزن پر ہے تاہم پہلا مصرعہ دوسرے اور چوتھے مصرعوں سے قافیہ و ردیف کے اعتبار سے مختلف ہے اور اس لیے اسے قطعہ کے ذیل میں رکھا گیا ہے۔ اور تمام اہم وضاحتی امور کو حاشیوں میں درج کر دیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ قطعات آل رضا کی شعری استعداد اور ہنرمندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

(9) رباعی:

رباعی کی دقت پسندی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ پختہ مشق شاعروں نے ساٹھ برس کی عمر کے بعد اس صنف میں طبع آزمائی کا مشورہ دیا ہے۔(74) آل رضا نے شاعری کے آغاز کے ساتھ ہی اس صنف میں طبع آزمائی شروع کر دی تھی اور یہ سلسلہ تاحیات جاری رہا۔ مختلف موضوعات پر انہوں نے 74 رباعیات کہی ہیں۔ بیشتر رباعیاں محمدؐ و آل محمدؐ کی مدح میں ہیں۔ بعض رباعیوں میں اخلاقی نوعیت کے مسائل پیش کیے گئے ہیں اور چند رباعیاں محض واقعات و حالات سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہیں۔ راقم نے مقالے کی تدوین کے دوران تمام وضاحتی امور حاشیوں میں درج کر دیے ہیں۔ بعض شخصی نوعیت کی رباعیوں میں ممدوحین کے بارے میں اشتباہ کا احتمال تھا لہٰذا حاشیے میں ممدوح کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ان رباعیوں کے مطالعے سے ہم آل رضا کی فنی دسترس اور ہنرمندیوں سے آگاہ

ہوتے ہیں۔ یہ رباعیاں ان کے قادر الکلام شاعر ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہیں۔

(10) مرثیہ (شخصی):

عام طور پر شعرائے اہل بیت شخصی مرثیوں یا شخصی مدحیہ نظموں سے اجتناب کرتے ہیں تاہم محمدؐ و آل محمدؐ کے مدح خواں اس زمرے میں نہیں آتے۔ آل رضا نے تین اصحاب کی شخصیت اور کارناموں کے حوالے سے چند اشعار زیب قرطاس کیے ہیں۔ یہ تینوں شخصیتیں رحلت فرما چکی ہیں لہٰذا اس منظوم خراج تحسین کو ہم نے شخصی مرثیہ کے طور پر کتاب میں شامل کر لیا ہے۔

پہلا شخصی مرثیہ

دیار رشد و ہدایت کی روشنی کی قسم
وہ شمع بجھ گئی جس سے بڑا اجالا تھا

حضرت علامہ مولانا سید ناصر حسین قبلہ کی مدح میں ہے۔

دوسرا مرثیہ (شخصی):

سنا ہے بارہا مجلس میں علامہ ترابی کو
مسلسل یہ اثر ہوتا رہا اپنی طبیعت پر

معروف مقرر، علامہ رشید ترابی مرحوم کی مدح میں ہے۔

تیسرا شخصی مرثیہ:

جلیس منبر و مجلس نمو کلب حسین
کئی ہزار مجالس کی یاد کلب حسین

معروف مقرر، عالم دین اور شاعر علامہ کلب حسین عرف کبن صاحب کی مدح میں ہے۔

اول الذکر دونوں مرثیے غزل والی ہیئت میں ہیں جبکہ آخری مرثیہ مثنوی والی ہیئت میں ہے۔ تینوں مرثیے زبان و بیان کے حوالے سے آل رضا کے مخصوص شعری ذوق کے آئینہ دار ہیں۔

(11) فرد:

آل رضا کے فرد کی صورت میں کل سات اشعار دستیاب ہوئے ہیں۔ ان فردیات میں دو طرح کے اشعار ہیں۔ کچھ فردیات ایسی ہیں جو باقاعدہ فرد ہی کی صورت میں ہیں جبکہ چند اشعار ایسے بھی ہیں جو دیگر اشعار تلف ہو جانے کی صورت میں فرد کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ حاشیوں میں اس صورت کو واضح کر دیا گیا ہے۔ پوری کتاب میں بیاض (2-1) میں شامل اشعار کی وضاحت حاشیوں میں نہیں کی گئی ہے تاہم فردیات میں یہ وضاحت اس لیے ضروری سمجھی گئی ہے تاکہ فردیات کی موجودگی اور اہمیت کا علم ہو سکے۔ یوں تو اس کتاب میں شامل تمام فردیں ہی اپنی جگہ پر اہمیت کی حامل ہیں تاہم آل رضا کی یہ فرد آج بھی لوگوں کے دلوں پر نقش ہے۔

یہ کہہ کے ڈوب گیا آفتاب عاشورہ
رہے حسینؑ کی تاحشر روشنی باقی

(9)

آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین میں ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ یہ کلام بہتر سے بہتر شکل میں پایہ تکمیل تک پہنچے۔ اس سلسلے میں ہم نے مختلف شعراء کے ترتیب دیئے گئے دواوین کا مطالعہ بھی کیا اور عصر حاضر کے ممتاز محققین و ناقدین سے رابطہ قائم کرنے اور ان کے گراں قدر مشوروں کے مطابق کام کرنے کی بھی کوشش کی۔ اس کتاب کو کہاں تک بہتر بنایا جا سکا ہے اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑا جاتا ہے۔ چلتے چلتے اس کتاب کے حوالے سے بعض وضاحتی امور اور چند نمایاں پہلوؤں کا ذکر بھی سن لیجیے:

(الف) آل رضا کا جو غیر مطبوعہ کلام دستیاب ہوا اس میں قدیم طریقہ املا استعمال ہوا تھا۔ بعض الفاظ کا املا تو اب متروک ہو چکا ہے۔ اور بعض

نظمیں املے کی معمولی سی رد و بدل سے اپنے معانی تک بدل چکی ہیں۔ اس صورت حال میں ہمارے سامنے دو ہی راستے تھے کہ یا تو اس املے کے ساتھ تمام کلام مدون کر دیا جائے یا مذکورہ املے کو عصر حاضر کے تقاضے کے مطابق تبدیل کر دیا جائے۔ اول الذکر صورت میں شعر کے معانی و مفاہیم کے مسخ ہو جانے کا خدشہ تھا۔ ثانی الذکر صورت زیادہ بہتر معلوم ہوتی تھی۔ لہٰذا راقم نے شعوری کوشش کر کے آل رضا کے کلام کو زیادہ بہتر، بامقصد اور عصر حاضر کے رواج کے مطابق بنانے کے لئے اس کے املے کو تبدیل کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ کوشش رہی ہے کہ مذکورہ طریقہ کار کے سبب شعر میں کسی قسم کا فکری یا فنی سقم پیدا نہ ہونے پائے۔ جہاں غیر مروج لفظ کی تبدیلی ممکن نہ ہو سکی وہاں کتاب میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اس کتاب میں یوں تو بے شمار الفاظ کا املا تبدیل کیا گیا ہے تاہم بطور خاص چند الفاظ بطور نمونہ ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں۔

اصل املے کے ساتھ چند الفاظ	تبدیل شدہ املے کے ساتھ وہی الفاظ
توجھ	توجہ
منھ	منہ
پھاڑ	پہاڑ
چھرے	چہرے
سونچے	سوچے
تمھارا	تمہارا
بھاؤ	بہاؤ
دوھرائی	دہرائی
تے	تھے
دکہانے	دکھانے

تہی	تھی
کہلی	کھلی
کہا	کھا
نکہری	نکھری
پہونچایا	پہنچایا

املے کے سلسلے میں ایک وضاحت یہ بھی ضروری ہے کہ آل رضا نے بعض اوقات دو یا دو سے زائد لفظوں کو جوڑ کر بھی ایک ہی لفظ بنا دیا ہے گو ان کا مذکورہ طریق املا غلط نہیں ہے تاہم ان لفظوں کا علیحدہ علیحدہ کر کے لکھا گیا ہے تاکہ قاری کو کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

(ب) جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ آل رضا کے بیشتر غیر مطبوعہ کلام کی تدوین میں انھیں بیاضوں کو بنیادی ماخذ بنایا گیا تھا۔ تدوین کے دوران حاشیوں کی بے جا افراط سے بچنے کے لیے فیصلہ کیا گیا تھا کہ ان بیاضوں سے جو کلام حاصل ہوا ہے اس کی وضاحت حاشیے میں نہیں کی جائے گی چنانچہ حاشیوں میں محض اس کلام کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے جو بیاضوں کے علاوہ دوسری جگہوں سے حاصل ہوا۔ اس طرح اب کتاب میں غیر ضروری حاشیوں سے بچت ہو گئی ہے اور ایک ہی بات بار بار دہرانے کے عمل سے بھی نجات مل گئی ہے۔

(ج) شاعری میں رموز اوقاف کا استعمال شعر کی معنوی حیثیت کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ ایک خاص لب و لہجہ کے شاعر ہونے کی وجہ سے آل رضا کی شاعری میں رموز اوقاف کا استعمال نہایت اہم' معنی خیز اور قابل توجہ ہے۔ بعض اوقات تو رموز اوقاف کے استعمال سے انہوں نے شعر کی ایک نئی فکری جہت کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ تدوین کے وقت اس نازک صورت حال سے بچنے کے لیے راقم نے فیصلہ کیا کہ آل رضا نے جو علامات

جہاں جہاں استعمال کیے ہیں انھیں اس طرح کتاب میں پیش کر دیا جائے چنانچہ اس کتاب میں آپ کو رموز اوقاف کی جو علامات نظر آئیں گی وہ تمام کی تمام آل رضا کی استعمال کردہ ہیں۔ راقم نے قطعاً" کوئی تبدیلی یا اضافہ نہیں کیا۔ خاص طور پر سکتہ' وقفہ' ندائیہ اور سوالیہ کے استعمال میں ہر ممکن احتیاط برتی گئی ہے۔

(د) آل رضا ایک پختہ کار مقبلہ کی نماوگی میں چابکدست اور ہنرمند شاعر تھے تاہم بعض اوقات کلام کو بیاض پر منتقل کرتے ہوئے کہیں کہیں کوئی لفظ یا حرف نقل ہونے سے "سہوا" رہ جاتا تھا۔ اس صورت میں کلام کا بے وزن ہو جانا یقینی تھا۔ اس نازک صورت حال سے بچنے کے لیے آل رضا کے مزاج و مذاق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس خلا کو پر کر دیا گیا ہے تاہم اس ضمن میں احتیاطاً" تمام مشمولہ الفاظ و حروف کو قوسین (   ) میں درج کیا گیا ہے اور حاشیے میں اس کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ مبادا ذوق سلیم کی کوتاہی دھوکہ دے دے اور راقم کی بے بضاعتی یا علمی کم مایگی علماء و فضلاء کی علمی تحقیق و تدقیق میں سد راہ نہ بنے۔

(ر) آل رضا کے تمام کلام کو سن وار ترتیب دینا انتہائی مشکل اور کٹھن مرحلہ تھا۔ تمام ممکنہ ذرائع سے کلام کے سنہ تخلیق کا سراغ لگانے کی کوشش کی گئی مگر حتمی نتائج سامنے نہ آ سکے۔ بہرحال کوششوں کے بعد جس قدر سنین حاصل ہو سکے ہیں انھیں حاشیوں میں درج کر دیا گیا ہے۔ اس طرح اس کتاب کے ذریعے آل رضا کے شعری ارتقاء کے بارے میں بعض حقائق پہلی مرتبہ منظرعام پر آ رہے ہیں۔

(س) آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام میں بعض تخلیقات کے ایک سے زائد نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں جرائد و رسائل سے حاصل شدہ متون بھی سامنے تھے لہٰذا راقم نے دونوں بیاضوں کے متون کو بنیاد بنا کر دوسرے تمام

متنوں کا تقابلی مطالعہ کیا اور جہاں جہاں واضح طور پر متنی اختلاف نظر آیا اس کی وضاحت حاشیے میں کر دی۔ کتاب ہذا میں جو متن پیش کیا جا رہا ہے وہ نہ صرف یہ کہ درست ہے بلکہ دوسرے تمام متنوں کے مقابلے میں زیادہ معتبر بھی ہے۔ ترتیب متن کے دوران اختلاف متن کے جو حیرت انگیز مظاہرے دیکھنے میں آئے ان کی وضاحت کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ قارئین خود ہی حاشیوں میں متن اختلافات کی دلچسپ صورت حال سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

(ص) آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کو راقم نے ردیف وار ترتیب دے دیا ہے۔ اس سلسلے میں راقم کی شعوری کوشش یہ رہی ہے کہ تمام کلام ردیف وار ہونے کے ساتھ ساتھ آخری حرف کے لحاظ سے معکوس الترتیب ہو۔ یعنی اگر آخر میں "یائے معکوس ہو" تو اس سے قبل "یائے تحتانی" ہو اور اس سے قبل "ع" ہو اور بعد کے تمام حروف بھی اسی ترتیب اور تنظیم سے آتے جائیں۔ اس طرح راقم نے صحیح معنوں میں پہلی مرتبہ کسی شاعر کے دیوان کو معکوس حروف تہجی کے اعتبار سے مدون کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے قبل جتنے بھی دواوین مدون ہو کر راقم کی نظر سے گزرے ہیں ان میں ردیف کو بنیاد بنا کر باقی تمام کلام کو بغیر کسی نظام ترتیب اور بغیر کسی حفظ مراتب کے مدون کیا جاتا رہا ہے۔ اس بنا پر کتاب ہذا کی یہ انفرادیت جو علمی و ادبی حلقوں میں یقیناً درخور اعتنا قرار پائے گی اور غالباً" استحسان کی نظر سے دیکھی جائے گی۔

(ط) کتاب ہذا میں تعلیقات کی گنجائش نہ تھی لہٰذا وضاحتی امور کو حاشیوں میں پیش کر دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے غالباً" کہا جا سکتا ہے کہ حواشی محض حوالہ جات ہی پیش نہیں کرتے بلکہ تمام ممکنہ اطلاعات مصدقہ بیانات موثق طریق پر فراہم کرنے کی سعی عمل میں آئی ہے۔

(ع) کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ موجود ہے جس میں آل رضا کے نام سے چھپنے والا الحاقی کلام بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ ان کی عکسی تحریریں پیش کی گئی ہیں تاکہ آل رضا کا طرز تحریر اور طریق املا بھی واضح ہو جائے نیز قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ متن کی تفہیم کے لیے راقم کو کس قدر دقتوں کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ کتاب کو زیادہ وقیع اور جامع بنانے کے لیے راقم نے مرحوم کے مجموعہ ہائے غزل "نوائے رضا" اور "غزل معلے" کی غزلوں کا ردیف وار اشاریہ بھی مرتب کر کے ضمیمہ میں شامل کر دیا ہے۔ اس طرح قاری کو غیر مطبوعہ کلام کی تفہیم میں زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ علاوہ ازیں آل رضا کے مجموعہ مراثی' مراثی رضا کے بارے میں بھی بعض صراحتیں کر دی گئی ہیں۔ کتاب کے کمپوز ہونے کے بعد جو کلام دستیاب ہوا اسے بھی ضمیمے میں شامل کر دیا گیا ہے۔ ان اہم چیزوں کی شمولیت سے ضمیمہ انتہائی وقیع اور نہایت مفید حیثیت کا حامل ہو گیا ہے۔

(ف) آل رضا کی عظمت محض مرثیہ اور غزل سے عبارت تھی۔ بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ دوسرے اصناف میں بھی موصوف طبع آزمائی کرتے تھے۔ اس کتاب میں پہلی مرتبہ آل رضا کی قادر الکلامی کا دوسرے اصناف کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس صورت میں آل رضا کی شاعری کے نئے نئے امکانات اور جہات اور نت نئے ذائقوں کا اظہار پہلی مرتبہ ہو رہا ہے۔

(ق) آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین کے وقت راقم الحروف کے پیش نظر وہ کتب' رسائل اور تذکرے رہے ہیں جن میں آل رضا کا کلام جستہ جستہ انتخاب کی صورت میں چھپتا رہا ہے۔ (75) انتخاب کلام کے حوالے سے چھپنے والے مواد کا بغور جائزہ لینے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ بیشتر کلام ان کے دواوین سے مستعار لیا گیا ہے تاہم غیر مطبوعہ کلام کی نشاندہی کتاب

کے حاشیے میں بتصریح کر دی گئی ہے۔

ان معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ آل رضا لکھنؤی تہذیب و تمدن، لطافت و ثقافت کے علمبردار اور دبستان لکھنؤ کے شعری روایات کے امین تھے۔ انھوں نے پاکستان میں لکھنؤ کے اعلیٰ تر شعری روایات کا احیا کیا۔ ان کے شعری تخلیقات کے تینوں مرقعے نوائے رضا (1929ء) غزل معلیٰ (1959ء) اور مراثی رضا (1981ء) زیور طبع سے آراستہ ہو کر ارباب دانش کی نظر میں معتبر قرار پا چکے ہیں۔ ان تصانیف کے علاوہ ان کا قابل لحاظ غیر مطبوعہ کلام تلف ہوتا جا رہا تھا۔ ایک عرصے سے اس تمام بکھرے ہوئے اور منتشر کلام کو مدون کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی لہٰذا یہ کتاب اس ضرورت کی تکمیل کے لیے معرض تحریر میں آئی ہے۔ آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین مشکل اور جاں گسل مرحلہ تھا لیکن ثابت قدمی، استقامت، پامردی اور ہمت کی استواری، احباب کے مشوروں نیز اساتذہ کی مربیانہ رہبری سے یہ کٹھن کام کسی نہ کسی طرح پایہ تکمیل تک پہنچ ہی گیا۔

(10)

بیسویں صدی میں لکھنؤ کی شعری روایات کو زندہ رکھنے اور انھیں معتبر بنانے والوں میں سید آل رضا کا نام نامی بھی شامل ہے آپ نے نہ صرف اس شعری روایت کو آگے بڑھایا بلکہ اپنی جدت طبع سے اس میں نئے نئے موضوعات و اسالیب بھی پیدا کیے۔ نظم اور نثر دونوں میں جو طبع آزمائی کی اس سے ان کی بھرپور صلاحیتوں کا اظہار ہوا۔ انھوں نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی اس طرح اپنی تخلیقی ہنرمندیوں کا بہترین ثبوت فراہم کیا۔ نظم، قطعہ، رباعی، حمد، نعت، نوحہ، منقبت، سلام وغیرہ میں جب بھی آپ نے طبع آزمائی کی، اپنی انفرادیت کا لوہا منوایا لیکن غزل اور مرثیے کی روایت کو نہیں چھوڑا۔ آپ نے غزل اور مرثیہ دونوں میں روایت کی پاسداری کے ساتھ ساتھ جدید رجحانات و میلانات بھی شامل کیے۔ اس سبب سے وہ بیسویں صدی کی

شعری تاریخ میں اپنا ایک منفرد مقام بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

آل رضا کی علمی و ادبی حیثیت کا تعین کرنے کے لیے ناقدین عموماً ان کے مرثیوں اور غزلوں کو بنیاد بناتے رہے ہیں۔ اس طرز عمل کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ان اوصاف کے علاوہ آل رضا کی دیگر تخلیقات کسی مجموعے کی صورت میں شائع نہیں ہو سکیں۔ اس صورت حال میں ایک عرصے سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ ان کے مطبوعہ دواوین (نوائے رضا' غزل معلے' مراثی رضا) کے علاوہ ان کا غیر مطبوعہ و غیر مدون کلام جلد از جلد طبع کرایا جائے۔ یہ کام انتہائی وقت طلب اور دشوار گزار تھا' لہٰذا اس سلسلے میں کوششیں بار آور ثابت نہ ہو سکیں۔

راقم نے 1980ء میں آل رضا کی غزل گوئی پر باقاعدہ تحقیقی کام شروع کیا تو معلوم ہوا کہ آل رضا کی بیشتر تخلیقات ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔ اس سلسلے میں آل رضا کے حقیقی بھائی سید ہاشم رضا اور ان کی صاحبزادی محترمہ رعنا زیدی صاحبہ سے درخواست کی گئی کہ وہ کسی نہ کسی طرح ان کے غیر مدون و غیر مطبوعہ کلام کو یکجا کرا کے "باقیات آل رضا" کے نام سے شائع کرا دیں چنانچہ دونوں نے نہایت خوش دلی کے ساتھ اس درخواست کو قبول فرمایا اور اس سلسلے میں پیش رفت کا وعدہ کیا۔ بہرحال راقم نے "آل رضا کی غزل گوئی" پر تحقیقی مقالہ مکمل کیا جو قطع و برید کے بعد 1989ء میں "آل رضا کا فن غزل گوئی" کے نام سے شائع ہوا۔ ابتدا ہی سے راقم کی یہ کوشش و خواہش تھی کہ آل رضا کا غیر مطبوعہ کلام کسی نہ کسی طرح مدون ہو جائے تاکہ ان کی علمی و ادبی حیثیت کا بار دگر تعین ہو سکے۔ اپنی نوعیت اور وسعت کے اعتبار سے یہ کام انتہائی دشوار گزار اور ناممکن دکھائی دیتا تھا۔ راقم نے بہرحال آل رضا کے تمام غیر مطبوعہ اور غیر مدون کلام کو ایک فائل میں محفوظ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس دوران علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ارباب اختیار سے ایم۔ فل (اردو) کی سطح پر کام کرنے کی گزارش کی چنانچہ اس عاجزانہ درخواست کو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ارباب دانش نے شرف قبولیت بخشا اور راقم کو آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین کی

اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ تھی آپ کے زیرِ مطالعہ کتاب کی مختصر سی روداد۔

آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی "تدوین" کے حوالے سے جنم لینے والے مسائل اور مشکلات کا جزوی ذکر راقم نے ابتدائی صفحات میں کر دیا ہے۔ لہٰذا ان تمام نکات کو دہرانا کسی صورت میں بھی مناسب نہیں۔ تاہم ہم نہایت عاجزی سے کہنا چاہتے ہیں کہ زیرِ نظر کتاب دس برس کی مسلسل اور متواتر محنتوں کا ثمر ہے۔ مقدور بھر یہی کوشش کی گئی ہے کہ یہ کتاب صوری اور معنوی اعتبار سے قابلِ توجہ اور لائق التفات بن جائے۔ اس کوشش میں راقم کو کہاں تک کامیابی ہوئی اس کا فیصلہ آپ کے سپرد ہے۔

"آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین" کا موضوع اگرچہ ہماری درخواست پر منظور کیا گیا لیکن ڈاکٹر صدیق شبلی صاحب، پروفیسر نظیر صدیقی صاحب اور ڈاکٹر نثار قریشی صاحب نے اس موضوع کی منظوری کے لیے جو کوششیں کیں ان کے لئے راقم سراپا سپاس ہے۔ ڈاکٹر صدیق شبلی صاحب نے وقتاً فوقتاً قیمتی مشوروں سے نوازا۔ ڈاکٹر نثار قریشی صاحب نے شروع سے آخر تک مختلف مراحل میں راقم کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ پروفیسر نظیر صدیقی صاحب نے انتظامی امور میں دستگیری فرمائی۔ ڈاکٹر اعجاز راہی صاحب اور محترمہ نورینہ تحریم صاحبہ نے بھی مختلف امور میں رہنمائی فرمائی۔ راقم صمیم قلب سے ان تمام احباب کا شکر گزار ہے اور محترمہ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش صاحبہ کی خصوصی توجہات کا ممنون ہے۔

راقم کی درخواست پر اس تحقیقی کام کے لیے برصغیر کے مشہور نقاد پروفیسر ڈاکٹر سید سجاد باقر رضوی صاحب کو نگران مقرر کیا گیا۔ باقر صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ علم و ادب کے ایک بحرِ ناپیدا کنار ہیں۔ اس مقالے کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے ان کے گراں قدر مشورے مشعلِ راہ ثابت ہوئے۔ اگر آپ کو اس مقالے میں کچھ محاسن نظر آئیں تو وہ باقر صاحب کا فیضان ہیں کہ اپنی علالت کے باوجود پورے کام کو نہایت محنت اور محبت سے پڑھا۔ اپنے قیمتی مشوروں

سے اس تحقیقی کام کی فنی حیثیت کو استحکام بخشا۔ میں صمیم قلب سے باقر صاحب کے لطف و کرم کا شکر گزار ہوں۔ اگر آج وہ حیات ہوتے تو کتابی شکل میں اس کام کو دیکھ کر ضرور خوش ہوتے۔ خدا ان کی روح کو خوش رکھے۔

میں ڈاکٹر آغا سہیل صاحب کا بطور خاص شکر گزار ہوں کہ انہوں نے موضوع کی منظوری سے لے کر کتاب کی تکمیل تک مختلف امور میں جس طرح میری دستگیری فرمائی وہ لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اپنا قیمتی وقت صرف کر کے تمام تحقیقی مواد کا بغور مطالعہ کیا او بعض کوتاہیوں کی نشاندہی کی۔ ان کے مخلصانہ مشوروں کے سبب یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین کے سلسلے میں ڈاکٹر وحید قریشی صاحب' ڈاکٹر فرمان فتحپوری صاحب' ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب' ڈاکٹر سہیل احمد خان صاحب' ڈاکٹر معین الرحمان صاحب' جناب وحیدالحسن ہاشمی صاحب' ڈاکٹر محمد فخرالحق نوری صاحب' محترم ضمیر اختر نقوی صاحب' پروفیسر ہارون قادر صاحب' پروفیسر عبدالکریم خالد صاحب اور نواز حسن زیدی صاحب نے مختلف امور میں دستگیری فرمائی۔ ان احباب نے ہمارے ان معروضات کو نہایت توجہ سے سنا۔ مقالے کے حسن و قبح پر روشنی ڈالی۔ اگر ان احباب کے قیمتی آراء اور مشورے شامل حال نہ ہوتے تو شاید یہ کتاب اس شکل میں کبھی منظرعام پر نہ آتی۔ میں ان تمام احباب کا بے حد شکر گزار ہوں۔

اس کتاب کے لیے مواد کی فراہمی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ اس مسئلے کو محترم سید ہاشم رضا صاحب اور محترمہ رعنا زیدی صاحبہ نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے حل کر دیا اور اس سلسلے میں بے حد تعاون فرمایا۔ ان کے علاوہ محترم ضمیر اختر نقوی صاحب نے بھی مواد کی فراہمی کے ضمن میں ہر ممکن تعاون فرمایا۔ میں ان احباب کا بے حد شکر گزار ہوں۔

اس کتاب کی موضوع کی حدبندی سے لے کر جلد بندی تک ہمارے دو شاگردوں پروفیسر طاہر مسعود صاحب اور پروفیسر عباس رضا صاحب ہر قدم پر معین و

مددگار رہے۔ ان دونوں حضرات نے جس خلوص، محنت اور قلبی لگاؤ سے ہاتھ بٹایا ہے اس کا شکریہ لفظوں میں ادا کرنا میرے لیے کسی طرح ممکن نہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں علم و ادب کے میدان میں سرخرو کرے۔ مقالے کی تدوین کے بعد دو اور شاگردوں باقر علی شاہ صاحب اور احمد شہزاد نصیب صاحب نے پروف خوانی میں مدد کی۔ اس کے علاوہ ضمیمے کی تیاری میں بھی ان دونوں احباب نے ہماری دست گیری فرمائی۔ میں ان دونوں کی کامیابی و کامرانی کے لیے دعاگو ہوں۔

میں نے اس کتاب کو صوری اعتبار سے بہتر بنانے کے لیے پروفیسر عبدالکریم خالد صاحب سے رابطہ کیا۔ موصوف نے ہمیشہ میری دست گیری کی ہے۔ اس کتاب کے سلسلے میں ان کے صائب مشورے میرے لیے مشعلِ راہ رہے ہیں۔ میں ان کے لیے دعاگو ہوں کہ مزید کامیابیاں ان کے قدم چومیں۔

کراچی میں قیام کے دوران جناب ڈاکٹر باقر زیدی صاحب محترم منقاد حیدر اختر صاحب اور اسیر فیض آبادی صاحب نے مواد کے حصول کے لیے میری بے حد معاونت فرمائی۔ میں ان کا شکرگزار ہوں۔ خاص طور پر کراچی میں ڈاکٹر باقر زیدی صاحب جس طرح علم و ادب کی آبیاری کر رہے ہیں وہ سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

جناب شیخ عمران حیدر صاحب اور جناب شیخ محمد رضا صاحب میرے شاگرد، دوست اور بھائی ہیں۔ ان کی موجودگی میں میں اپنے آپ کو تنہا نہیں سمجھتا ہوں۔ اگر یہ کتاب آپ کو خوبصورت دکھائی دے تو یہ انھی کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

تصور صاحب نے اس کتاب کو بڑی محبت سے کمپوز کیا۔ بشیر عابد صاحب نے اس کی تزئین کی۔ رانا محمد اقبال صاحب نے ابتدائی طور پر اس مقالے کو ٹائپ کیا۔ میں ان سب کا شکرگزار ہوں۔

آخر میں اپنی شریکِ حیات کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اس علمی کام میں میری معاونت فرمائی اور مجھے ایسا پرسکون ماحول دیا کہ میں اس وقیع تحقیقی کام کو مکمل

کر سکا۔ میرے بچوں ایما حسن، اشا حسن اور وجیہ الحسن نے بھی میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ میں اپنے تمام گھر والوں کے تعاون کا شکر گزار ہوں۔

اس کتاب کی تکمیل میں بے شمار احباب نے تعاون فرمایا۔ میرے لیے ممکن نہیں کہ میں سب کے نام لے کر ان کے احسانات کو کم کروں۔ میں صمیم قلب سے سب کا شکر گزار ہوں۔ میں یہ کتاب نہایت عجز و انکسار کے ساتھ ہاشم رضا صاحب قبلہ اور محترمہ رعنا زیدی صاحبہ کے نام معنون کر رہا ہوں۔

یکم جون ۲۰۰۰ء

(ڈاکٹر) شبیہ الحسن

۲۵۳۔ ایف رحمان پورہ لاہور۔

پاکستان

حواشی:

1- پروفیسر سید وزیر الحسن عابدی اور سید وحید الحسن ہاشمی کے بقول آل رضا کو "شاعر آل عبا" کا خطاب ڈاکٹر مسعود حسن رضوی ادیب نے لکھنؤ میں عطا کیا تھا۔

2- آل رضا کے سنہ ولادت کے بارے میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اگر مرتبین، ناقدین اور محققین کے پیش کردہ سنین کا جائزہ لیں تو آل رضا کا سنہ ولادت 1894ء سے 1906ء کے مابین متعین ہوتا ہے۔ ہم نے تحقیق و تدقیق کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل مآخذ کی روشنی میں آل رضا کی تاریخ ولادت 10 جون 1896ء قرار دی ہے۔

(الف) جسٹس سید محمد رضا (والد سید آل رضا) کی بیاض میں یہی تاریخ درج ہے۔

(ب) آل رضا "غزل معلے" کراچی، مکتبہ افکار، س۔ ن۔ صفحہ 4۔

(ج) سید ہاشم رضا تمہیدی جملے (مراثی رضا) کراچی، خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر، 1981ء

(د) سید وحید الحسن ہاشمی "جدید فن مرثیہ نگاری" لاہور، مکتبہ تعمیر ادب 1967ء صفحہ 4۔

(ہ) ضیاء الحسن موسوی "مجلّہ بیاد آل رضا" کراچی' ہماری منزل' 1978ء صفحہ 63-

(و) امر یل (محمد علی صدیقی) لٹریری راؤنڈ اپ' کراچی روزنامہ "ڈان" 18 مارچ 1978ء-

(ح) سلطانہ مہر "سخنور ـــ تذکرہ شعرائے پاکستان" کراچی' التحریر 1979ء صفحہ 151-

(ط) ہلال نقوی ڈاکٹر' بیسویں صدی اور جدید مرثیہ' کراچی' محمدی ٹرسٹ 1994ء صفحہ 600-

(ی) راقم الحروف نے "آل رضا کے سن ولادت کا حتمی تعین" کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا تھا۔ اس موضوع کے حوالے سے دلچسپی رکھنے والے قارئین درج ذیل کتب میں یہ مقالہ دیکھ سکتے ہیں۔

(i) شبیہ الحسن ڈاکٹر' آل رضا کا فن غزل گوئی' لاہور۔ الحسن پبلی کیشنز-

(ii) شبیہ الحسن ڈاکٹر' ترجیحات' لاہور' اظہار سنز 1998ء-

3- عبدالوحید ڈاکٹر' جدید شعرائے اردو' لاہور' فیروز سنز 1969ء (تیسرا حصہ) صفحہ 776-

4- آل رضا کا شجرہ نسب درج ذیل ہے:

سید محمد رضا ابن سید علی رضا ابن سید سرفراز علی ابن سید فرزند علی ابن سید قاسم علی ابن سید سعادت علی ابن سید پیر علی ابن سید محمد مراد ابن سید محمد صالح ابن سید ابو القاسم ابن سید شاہ محمود ابن سید عبداللہ عرف بمدین ابن سید گدن ابن سید ارحمن ابن سید منتجب ابن سید محمود ابن سید محمد نبی ابن سید احمد ابن سید حسین ابن سید یحیٰی ابن سید ابابکر ابن سید عبدالعزیز ابن سید ابراہیم ابن سید محمود ابن سید زید ابن سید عبداللہ ابن سید یعقوب ابن سید احمد ابن سید محمد تقی ابن سید ابوالفضل ابن سید واسط ابن سید امام علی الرضا علیہ السلام۔

5- ضمیر اختر نقوی' اردو مرثیہ پاکستان میں' کراچی: سید ایجڈ سید 1982ء صفحہ 131-

6- یہ قطعہ آل رضا کے "پشت نامہ" (شجرہ نسب) سے نقل کیا گیا ہے جسے سید نواب علی (سابق وزیر تعلیم ریاست جوناگڑھ) نے 11 دسمبر 1954ء کو تیار کیا تھا۔

7- سید ہاشم رضا "سید آل رضا کی شاعری کے محرکات" مجلّہ بیاد آل رضا کراچی' ہماری منزل' 1978ء صفحہ 73-

8- ہاشم رضا سید' جائزہ (سید آل رضا مرحوم کی غزل گوئی کے محرکات و ماخذ) مشمولہ "آل

رضا کا فن غزل گوئی" معنف شبیہ الحسن' لاہور: سفینہ پبلی کیشنز 1989ء صفحہ 23-

9- فضل احمد کریم فضلی "آہ بھائی آل رضا مرحوم" کراچی: روزنامہ حریت (میگزین) 23 فروری 1979ء صفحہ 1

10- عبدالوحید خاں "جدید شعرائے اردو (متاخرین)" لاہور' فیروز سنز 1969ء صفحہ 776-

11- سید ہاشم رضا "سید آل رضا کی شاعری کے محرکات" مجلہ بیاد آل رضا' کراچی: ہماری منزل' 1978ء صفحہ 77

12- ہاشم رضا سید "آل رضا کی غزل گوئی کے محرکات و ماخذ" (دیباچہ) "آل رضا کا فن غزل گوئی" معنف شبیہ الحسن' لاہور' سفینہ پبلی کیشنز 1989ء صفحہ 23-

13- ضمیر اختر نقوی' اردو مرثیہ پاکستان میں' کراچی' سید اینڈ سید 1982ء صفحہ 133-

14- سید ہاشم رضا "آل رضا کی غزل گوئی کے محرکات و ماخذ" (دیباچہ) آل رضا کا فن غزل گوئی' لاہور' سفینہ پبلی کیشنز 1989ء صفحہ 27-

15- سید آل رضا "غزل معلے" کراچی' مکتبہ افکار' 1959ء صفحہ 28-

16- اس نظم نما غزل کا عنوان "لکھنؤ چھوڑتے وقت" بھی ابتدا میں رقم ہے۔ سلطانہ مہر' "سخنور ___ تذکرہ شعرائے پاکستان" کراچی' التحریر' 1980ء صفحہ 153-

17- آل رضا کا یہ قطعہ (غیر مطبوعہ) ایک بوسیدہ کاغذ پر لکھا ہوا راقم کے پاس محفوظ ہے۔

18- ضیاء الحسن موسوی "غزل معلے سے کربلائے معلی تک" ماہنامہ سب رس کراچی' دسمبر 1979ء صفحہ 215-

19- سلطانہ مہر "سخنور ___ تذکرہ شعرائے پاکستان" کراچی' التحریر 1980ء صفحہ 153-

20- سید ہاشم رضا "مرد مومن سید آل رضا" مجلہ بیاد آل رضا' کراچی ہماری منزل' 1978ء صفحہ 43-

21- ضمیر اختر نقوی' اردو مرثیہ پاکستان میں' کراچی' سید اینڈ سید 1982ء صفحہ 133-

22- راقم الحروف کے پاس رئیس امروہوی مرحوم کا یہ قطعہ ان کی اصل تحریر کے ساتھ محفوظ ہے۔

23- قومی آواز لکھنؤ' 11 مارچ 1978ء صفحہ 1-

24- Ariel, Literary Round up Karachi:
Daily Dawn March, 17, 1978.

-25 Editor, Editorial, Karachi Morning News March 3, 1978

-26 ضیاء الحسن موسوی "غزل عطر سے کربلائے معلیٰ تک" ماہنامہ "سب رس" کراچی، دسمبر 1979ء صفحہ 215-

-27 عبدالوحید خاں، جدید شعرائے اردو (متاخرین) لاہور، فیروز سنز 1969ء صفحہ 776-

-28 جوش ملیح آبادی، "ہائے آل رضا" مجلّہ بیاد آل رضا، کراچی، ہماری منزل، 1978ء صفحہ 15-

-29 شوکت تھانوی "شیش محل" طبع چہارم، لاہور، اردو بک سٹال، 1948ء صفحہ 129-

-30 سید وحید الحسن ہاشمی "باتیں آل رضا کی" ہفت روزہ "رضاکار" لاہور، 8 اپریل 1978ء صفحہ 2-

-31 جوش ملیح آبادی "ہائے آل رضا" مجلّہ بیاد آل رضا، کراچی، ہماری منزل، 1978ء صفحہ 15-

-32 ضمیر اختر نقوی (مرتب)، مجلّہ بیاد شاعر اہل بیت سید آل رضا، کراچی، ہماری منزل، 1978ء صفحہ 50-

-33 نصر اللہ خاں "سید آل رضا مرحوم" روزنامہ حریت کراچی، 8 مارچ 1978ء صفحہ 7-

-34 شوکت تھانوی "لکھنؤ کی چند ادبی شخصیتیں" ماہنامہ نقوش لاہور، 1955ء، صفحہ 537-

-35 سید ہاشم رضا، سید آل رضا کی غزل گوئی کے محرکات و مآخذ" (دیباچہ) آل رضا کا فن غزل گوئی، لاہور، سفینہ پبلی کیشنز 1989ء صفحہ 20-

-36 سید آل رضا، عرض حال نوائے رضا، لکھنؤ، نظامی پریس 1929ء صفحہ 9-

-37 (الف) نعمان تاثیر، مظہر صدیقی (مرتبین) شعرستان ــــ تذکرہ شعرائے پاکستان، کراچی مکتبہ پرچم، 1950ء صفحہ 157-

(ب) ہلال نقوی ڈاکٹر، بیسویں صدی اور جدید مرثیہ، کراچی، محمدی ٹرسٹ 1994ء صفحہ 600

(ج) ضمیر اختر نقوی، اردو مرثیہ پاکستان میں، کراچی، سید اینڈ سید 1982ء صفحہ 133-

(د) عبدالوحید خاں، جدید شعرائے اردو (متاخرین) لاہور، فیروز سنز 1969ء صفحہ 776-

-38 نعمان تاثیر، مظہر صدیقی (مرتبین) شعرستان، تذکرہ شعرائے پاکستان، کراچی، مکتبہ پرچم، 1950ء صفحہ 158-

39- سید ہاشم رضا "سید آل رضا کی غزل گوئی کے محرکات و ماخذ" (دیباچہ) آل رضا کا فن غزل گوئی' لاہور' سفینہ پبلی کیشنز' 1989ء صفحہ 25

40- نعمان تاثیر' مظہر صدیقی (مرتبین) شعرستان' تذکرہ شعرائے پاکستان کراچی' مکتبہ پرچم 1950ء صفحہ 158-

41- آل رضا سید' دیباچہ غزل معلے' کراچی' مکتبہ افکار' 1959ء صفحہ 16-

42- عبدالوحید خاں' جدید شعرائے اردو (متاخرین) لاہور' فیروز سنز' 1969ء صفحہ 776-

43- سید ہاشم رضا "آل رضا کی غزل گوئی کے محرکات و ماخذ" (دیباچہ) آل رضا کا فن غزل گوئی' لاہور' سفینہ پبلی کیشنز' 1989ء صفحہ 21-

44- سید آل رضا "شہادت سے پہلے شہادت کے بعد" لکھنؤ' نظامی پریس' 1944ء صفحہ 3-

45- شوکت تھانوی "لکھنؤ کی چند ادبی شخصیتیں" ماہنامہ نقوش لاہور' جنوری 1955ء' صفحہ 537-

46- مجتبیٰ حسین' پروفیسر "ادب، آگہی" کراچی' مکتبہ افکار' س۔ ن۔ صفحہ 325

47- نیاز فتحپوری' باب الانتقاد (غزل معلےٰ) ماہنامہ نگار' ستمبر 1960ء صفحہ 32-

48-

49- ضمیر اختر نقوی' مجلہ بیاد شاعر اہل بیت سید آل رضا' کراچی' ہماری منزل 1978ء صفحہ 51-

50- ضمیر اختر نقوی' مجلہ بیاد شاعر اہل بیت سید آل رضا' کراچی' ہماری منزل 1978ء صفحہ 62-

51- شبیہ الحسن' آل رضا کا فن غزل گوئی' لاہور' سفینہ پبلی کیشنز' 1989ء صفحہ 67-

52- سید آل رضا (دیباچہ) غزل معلے' کراچی' مکتبہ افکار 1959ء صفحہ 16-

53- (الف) محمد رضا کاظمی' جدید اردو مرثیہ' کراچی' مکتبہ ادب 1981ء صفحہ 199-

(ب) ہلال نقوی (ڈاکٹر)' بیسویں صدی اور جدید مرثیہ' کراچی' محمدی ٹرسٹ 1994ء صفحہ 611-

(ج) ضمیر اختر نقوی' اردو مرثیہ پاکستان میں' کراچی' سید لیٹڈ سید 1982ء صفحہ 133-

54- ظفر جونپوری' سید آل رضا مرحوم' روزنامہ جنگ کراچی' 29 اپریل 1988ء' جمعہ ایڈیشن صفحہ 14-

55- سید وحید الحسن ہاشمی، عظمت انسان، لاہور مکتبہ تعمیر ادب 1967ء صفحہ 7-

56- محمد صادق قریشی، شریکۃ الحسین، لاہور، مکتبہ تنظیم الاسلام 1970ء صفحہ 7-

57- مطبوعہ: سید آل رضا "شہادت سے پہلے شہادت کے بعد" لکھنؤ، نظامی پریس 1944ء-

58- مطبوعہ: سید آل رضا "شریکۃ الحسین" لاہور، مکتبہ تنظیم الاسلام، 1970ء

59- مطبوعہ: سید آل رضا "تہذیب عبارت" کراچی، دانش کدہ اکیڈمی، 1972ء-

60- مطبوعہ: سید آل رضا "عظمت انسان" لاہور، مکتبہ تعمیر ادب، 1967ء-

61- مطبوعہ: سید آل رضا "شہادت سے پہلے شہادت کے بعد، لکھنؤ، نظامی پریس، 1944ء-

62- کرار حسین پروفیسر، پیش لفظ، مراثی آل رضا، کراچی، خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر، 1981ء صفحہ م-

63- محمد رضا کاظمی، جدید اردو مرثیہ، کراچی مکتبہ ادب 1981ء صفحہ 279-

64- راقم الحروف نے یہ حمد معروف نعت خواں و سلام گزار سید ناصر جہاں مرحوم کی خدمت میں پیش کی تھی۔ موصوف نے یہ حمد نہایت پر سوز آواز میں ریڈیو پاکستان لاہور کے لیے ریکارڈ کرائی تھی۔

65- مکتوب سید ہاشم رضا (غیر مطبوعہ) بنام شبیہ الحسن، کراچی، مورخہ 14 مئی 1989ء-

66- فرمان فتحپوری ڈاکٹر، اردو کی نعتیہ شاعری، لاہور، آئینہ ادب 1974ء صفحہ 13-

67- آل رضا سید، بیاض (2) مملوکہ راقم الحروف، یہ عبارت ایک نعت کے نیچے تحریر ہے۔

68- احسن زیدی، ڈاکٹر، "کچھ منقبت کے بارے میں" ماہنامہ شام و سحر، لاہور 1989ء صفحہ 39-

69- وحید الحسن ہاشمی "تشنہ لب ہے حسین" لاہور، الحسن پبلی کیشنز 1999ء صفحہ 22-

70- وحید الحسن ہاشمی "جدید نوحہ نگاری" ماہنامہ شام و سحر، لاہور (محرم نمبر) 1979ء صفحہ 45-

71- سلطانہ مہر" سخنور ___ تذکرہ شعرائے پاکستان" کراچی، ادارہ تحریر" 1979ء صفحہ 153-

72- مکتوب سید ہاشم رضا بنام شبیہ الحسن، کراچی مرقومہ 24 اپریل 1989ء-

73- خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر "اردو میں قطعہ نگاری" لاہور، غیب بک ڈپو، 1977ء صفحہ تمہید۔

74- فرمان فتحپوری، ڈاکٹر "اردو رباعی" لاہور، مکتبہ عالیہ، طبع دوم 1982ء صفحہ 22

75- (الف) شبیہ الحسن "آل رضا کا فن غزل گوئی" لاہور، سفینہ پبلی کیشنز 1989ء-

(ب) ضمیر اختر نقوی "مجلّہ بیاد شاعر اہل بیت سید آل رضا" کراچی، ہماری منزل

1978ء۔

(ج) عبدالوحید خاں "جدید شعرائے اردو (متاخرین)" لاہور' فیروز سنز 1969ء۔

(د) نیاز فتحپوری "ماہنامہ نگار" ستمبر 1960ء

(ر) ما اخلاق حسین "جو نبار (تذکرہ)" لاہور' فیروز سنز' س۔ ن

(س) نعمان تاثیر' مظہر صدیقی (مرتبین)' شعرستان' کراچی' مکتبہ پرچم 1952ء

(ص) سلطانہ مہر "سخنور" کراچی' ادارہ التحریر' طبع دوم' 1980ء

آلِ رضا کی غیر مطبوعہ کلام کی تدوین

حمد　　　نعت　　　منقبت

سلام　　　نوحہ　　　غزل

نظم　　　قطعہ　　　رباعی

مرثیہ (مختصر)　　　فرد

خطب

حمد [۱]

ترے بہترین جمال کا، جو کروں سوال تو کیا کروں
ترا ہر جمال جمیل تر، ترے کس جمال کو چھوڑ دوں

تری بارگاہِ جلیل میں، زہے شان جلّ جلالہٗ
جو ہو کچھ مجال لبِ طلب، مرے ذوالجلال میں کیا کہوں

ترے ہر جمال و جلال (کی)[۲] کوئی حد نہ کوئی مثال ہے
جو خیالِ ترکِ ادب نہ ہو میں تجھی کو تجھ سے نہ مانگ لوں

جو بیانِ دفترِ معرفت ہے زبانِ جلوہ طراز میں
وہ شعور دے کہ سمجھ سکوں، وہ شعار دے کہ نبھا دوں

بہ ہزار عسرتِ بندگی، یہ ہیں تیری بندہ نوازیاں
کوئی حال ہو، یہ ہے آسرا، مرا کوئی ہے میں کسی کا ہوں

وہی ذوقِ جذب کا حوصلہ، جو ملا تھا تیرے حسینؓ کو
اسی درد و کیف کا تذکرہ، مری جان ہو میں جہاں رہوں

زہے حسنِ ظرفِ خود آشنا، ہے زبانِ دل پہ انا الرضا
کوئی کم ہے نازِ عبودیت، جو خدا نہ کردہ خدا بنوں

حمد (یا اللہ) [۳]

بہتر، مرے کریم، مرے کل سے آج ہے
کیا حاجتِ سوال، مگر اک رواج ہے

کتنا امیر، اپنا فقیری مزاج ہے
جب تو ہے دینے والا تو کیا احتیاج ہے

درکار ہے وہی، جو تری مصلحت کرے
محتاج ہوں، اسی کا جو تو مرحمت کرے

۱۔ مطبوعہ:
شبیہ الحسن (مدیر) ماہنامہ "شام و سحر" لاہور اپریل ۱۹۸۹ء صفحہ ۳

۲۔ "کی" کا لفظ سہواً رہ گیا ہے۔

۳۔ آل رضا نے "یا اللہ" کا لفظ حمد کے آغاز میں لکھا ہے۔

نعت

نعت ۱؎

۲؎ کسی گلشن میں خوش بوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا —— وہ گلشن ہی، اگر کوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا
جہاں از روئے علم و عقل ہوں ایمان کی باتیں —— وہاں ہر بات از روئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا
سمجھنے کو اشارے، حکمت آموزیِ قرآں کے —— لحاظِ چشم و ابروئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا
صباحت اِک جگہ، صلّی علیٰ ۳؎، جنت کے پھولوں کی —— اسی کا نام جب روئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا
مسلّم کبریائی کیفیت ہر حسن و خوبی کی —— وہی جب جذبِ دلجوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا
معطر ہی معطر، زندگی کے پھول کھلتے ہیں —— مشامِ جان و خوش بوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا

۱؎ مطبوعہ:

(i) ضمیر اختر نقوی (مرتب) مجلہ یادِ آلِ رضا، کراچی، ہماری منزل، ۱۹۷۸ء صفحہ ۲۶
اس مجلہ میں اس نعت کے درج ذیل صرف تین شعر شائع ہوئے۔ متن کا فرق بھی پیشِ نظر رہے۔

کسی گلشن میں بھی بوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا —— وہ گلشن ہی اگر کوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا
خدایا تیری بخشش کے تصدق اک تمنا ہے —— تری جنت اگر کوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا
رضا نامِ محمدؐ تو زباں کا ہے شرف لیکن —— طبیعت تابعِ خوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا

(ii) مرتضیٰ حسین فاضل (مدیر) ماہنامہ "پیامِ عمل" لاہور، فروری ۱۹۷۹ء صفحہ ۱۳
اس رسالے کے مطبوعہ نعت میں شعر نمبر ۶، ۸، ۹، ۱۱، ۱۲ موجود نہیں ہیں اور مقطع یہ ہے

رضا نامِ محمدؐ تو زباں کا ہے شرف لیکن —— طبیعت تابعِ خوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا

(iii) سلطانہ مہر، "سخنور" (تذکرہ شعرائے پاکستان) کراچی، ادارۂ تحریر، ۱۹۷۹ء صفحہ ۱۵۰
اس نعت کے کل چھ اشعار طبع ہوئے ہیں۔ چار اشعار (۳، ۷، ۹، ۱۰) تو درج بالا نعت میں موجود ہیں تاہم ذیل کے دونوں شعر موجود نہیں ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

عقیدت پر رسالت کی فضائیں پھول برسائے —— مشامِ جاں و خوش بوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا
وہ دل کرتی ہیں بس جس کو صدائے غیب کی لہریں —— میسر اس کو پہلوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا

۲۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا اس نعت کا ایک نسخہ بھی حاصل ہوا ہے۔ اس نسخہ میں یہ شعر بھی موجود ہے۔

صدائے غیب کی لہریں کریں جس قلب سے باتیں —— میسر اس کو پہلوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا

۳۔ علیحدہ صفحہ پر رقم نعت میں یہ مصرعہ یوں ہے

ع صباحت ایک جا صلِّ علیٰ جنت کے پھولوں کی

بنے دل آئینہ خانہ، محمدؐ ہی محمدؐ کا — بہر صورت، نظر سوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا
یونہی کیا کم ہے تھا آیۂ تطہیر کی حامل — روا میں آل و پہلوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا
جہاد اسلام کے، نامِ خدا، کیا کیا پھلے پھولے — خدائی تیغ و بازوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا
خدایا تیری بخشش کے تصدق اک تمنا ہے — رہی جنت اگر کوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا
خدا شاہد، رضا آلِ محمدؐ کی محبت میں — طبیعت تابع خوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا
رضا کیا کم ہے دل سے نام لیتا ہی محمدؐ کا — طبیعت تابع خوئے محمدؐ ہو تو کیا کہنا[1]

نعت[2]

ساتھ لیکر نیا نظام آیا — آنے والا، بہ اہتمام آیا
اک بشر، عالمین کی رحمت — یہ بھی انسان کا مقام آیا
خلق کی عظمتوں کے سائے میں — آدمیت کا احترام آیا
نامِ انسانیت پہ، دنیا میں — آدمی، آدمی کے کام آیا
دنیوی زینتیں ہوئیں بے رنگ — سادگی میں وہ اہتمام آیا
جلوہ گاہِ محمدیؐ کے فدا — دیں میں کیا حُسنِ انتظام آیا
کوثر و سلسبیل لے کے اٹھا — جو ہدایت کا تشنہ کام آیا
سادگی و کمالِ پرکاری — کس خطابت کا کیا کلام آیا

۱۔ اس نعت کے آخر میں آل رضا کا یہ وضاحتی نوٹ رقم ہے۔
"چونکہ میں نے کئی مرثیوں کی تمہید میں سرکار ختمی مرتبت ؐ کے ذکر کا فخر حاصل کیا ہے اس وجہ سے ان انفرادی نظموں کی تعداد بہت مختصر ہے۔"

۲۔ مطبوعہ: میر نجف علی (مدیر) ماہنامہ "قیام" کراچی، جلد ۳، شمارہ ۲، ۳، صفحہ ۱۳

۳۔ مطبوعہ:
(i) مدیر (نامعلوم) ہفت روزہ "نوائے مہاجرین" کراچی (عید میلادالنبی نمبر) تاریخ نامعلوم صفحہ ۷، مملوکہ ضمیر اختر نقوی (کراچی)
(ii) میر نجف علی (مدیر) ماہنامہ "قیام" کراچی، جلد ۳، شمارہ ۲، ۳، صفحہ ۱۰

کیا رسالت کھری امانت تھی — دے دیا جس طرح پیام آیا
نورِ مخلوقِ اولیں کی قسم — عقلِ کل کا مہر تمام آیا
مصدرِ لا الہ الا اللہ — کلمہ لے کے جس کا نام آیا
مظہرِ ذوالجلال و والاکرام — سرورِ خاص و عام آیا
دائمی دائمی بہار لیے — آخری آخری پیام آیا
فرش سے عرش جانے والے کو — عرش سے فرش پہ سلام آیا
اور کہو، رکنِ دیں ہوا قائم — "اسجدو" شکر کا مقام آیا
واپسی بھی اسی عروج کے ساتھ — کسی معراج کا مقام آیا
اس پیامی پہ ہو نثار رضا — کیا محبت بھرا پیام آیا

نعت [۱]

یوں آج تصور میں رضا آئے محمدؐ — چومے مری آنکھوں نے کفِ پائے محمدؐ
یارب، مرے سینہ میں جہاں دل کی جگہ ہے — اس میں ہو وہ دل، جس میں سما جائے "محمدؐ"
اللہ ہمہ نور ہے، اور اس کو کہیں کیا؟ — جس نور میں جھلکا رخِ زیبائے محمدؐ
ایمان کی آنکھوں میں، وہ کس فکر کی نظریں — گلشن میں محمدؐ کے، وہ گلہائے محمدؐ

نعت

سنی بھی نہ وہ جامعیت کسی میں — جو دنیا نے دیکھی، ہمارے نبیؐ میں
نظر آئی بندہ میں، عظمت خدا کی — رسالت کو ڈھالا تھا، یوں بندگی میں
کھنچے جن کے دل، کچھ وہی جانتے ہیں — کشش اور حد کی کشش، سادگی میں
نہ تھی صرف مسجد ہی میں گلفشانی — ہدایت پہنچی تھی، رستے، گلی میں

۱۔ مطبوعہ:
شبیہ الحسن (مدیر) ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، جولائی ۱۹۹۰ء صفحہ ۴

کہا جو، اسی پہ عمل کر دکھایا — مسافر ہی بنتے رہے، رہبری میں
ہمیں چلتے پھرتے، دکھائی وہ رفعت — جو زیرِ قدم ہے، سلامت روی میں
سب ہی نعمتوں کی تجلی، لئے تھی — دمک روئے انور کی فاقہ کشی میں
تفکر کی آسائشیں، کوئی غم ہو — عبادت کی آرائشیں، ہر خوشی میں
نشاطِ عمل وہ کہ حاصل ہو جنت — اسی زندگی سے، اسی زندگی میں
فرشتے تھے سجدے میں، اب جا کے دیکھا — ہے کیا چیز انسانیت، آدمی میں
یہ اعلان، کروایا آلِ نبیؐ کا — نبیؐ جلوہ فرما ہیں آلِ نبیؐ میں
چل، اے دل کہ ہوتی ہیں جن کی یہ باتیں — مزہ دیں گی جا کر، انہیں کی گلی میں
خدایا، محمدؐ محمدؐ محمدؐ — زبانِ رضا پہ، رہے جانکنی میں

نعت [1]

(بحضور سرورِ کائنات)

نبیؐ کے نام پہ امت نہ کیوں فدا ہو جائے — نبیؐ وہ، جس پہ نبوت کا خاتمہ ہو جائے
شبانہ روز ہیں، انسانیت کو معراجیں — اس انتہا پہ کہ انسان مصطفیٰ ہو جائے
عجیب بات ہے، اس کو ملے نہ راہِ نجات — جسے نصیب محمدؐ سا رہنما ہو جائے
عمل پہ اب بھی، کمر باندھ لو مسلمانو — قضا ہوا ہے جو سجدہ، ابھی ادا ہو جائے
نبیؐ کو جن پہ بھروسہ تھا، ان کی طینت کا — جو ایک بھی ہو مسلمان، کیا سے کیا ہو جائے

---

[1] مطبوعہ :
(۱) شبیہ الحسن (مدیر) ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، جولائی ۱۹۹۰ء صفحہ ۳

دل کی زینت دردِ حسینؑ ، سر کی زینت پائے حسینؑ
آنکھ کی زینت خالص آنسو، لب کی زینت ہائے حسینؑ

منقبت

منقبت

(در مدح حضرت امام مہدی علیہ السلام)

اب تک ترے اپنی بدولت، وادیِ خضرا والے، آجا
اب نہ کریں گے حق کی حقارت، وادیِ خضرا والے، آجا

عذرِ خطا بدتر ہے خطا سے، اپنے کرم کی جانب دیکھ
ہم نے تو کی توہینِ عقیدت، وادیِ خضرا والے، آجا

بھٹکے بھٹکے، بھٹکے بھٹکے، مارے مارے پھرتے ہیں
آکے، جگا دے نظمِ ہدایت، وادیِ خضرا والے، آجا

عید ہیں اور معبود سے غافل، پھیکے روزے، سست نماز
غفلت، غفلت ہو نہ بغاوت، وادیِ خضرا والے، آجا

کب تک رسمی سجدے والے، سجدے کو بدنام کریں
آکے، سکھا تہذیبِ عبادت، وادیِ خضرا والے، آجا

عمرِ گریزاں، موت بھیانک، فردِ عمل، تو یہ ہی بھلی
سر سے گزر جائے نہ قیامت، وادیِ خضرا والے، آجا

ہم کے مسلم ہم کے مجرم، اور تو کچھ کس منہ سے کہیں
تیرے گھر کی بات شفاعت، وادیِ خضرا والے، آجا

تیرے جد کے عزاداروں میں، فیضِ عزا نے کی ہے عطا
اشکوں سے، کچھ دل کی طہارت، وادیِ خضرا والے، آجا

وہم و گماں کے چکر میں بھی، حسنِ تیقن ہے قائم
اللہ اللہ، تیری کرامت، وادیِ خضرا والے، آجا

جھوٹی دنیا جھوٹی باتیں جھوٹے رہبر جھوٹے دوست
تیرا جلوہ، عینِ صداقت، وادیِ خضرا والے، آجا

ایسی بدلے گی یہ دنیا، ایک ترے آجانے سے
جیسے بدلے، رنگِ طبیعت، وادیِ خضرا والے، آجا

تیرے گھر کی ذمہ داری، اوروں سے مطلب ہی کیا
تو ہی سکھا تہذیبِ شریعت، وادیِ خضرا والے، آجا

تجھ سا خلف، اللہ نے بخشا، تیرے سلف کا تھا منشا
ختم ہو تجھ پر شانِ امامت، وادیِ خضرا، والے، آجا

بارہ جیسے پہلے گزرے، ان کی ثنائیں سنتے ہیں
دیکھ لیں تجھ میں سب کی شباہت وادیِ خضرا والے آجا

کیوں کیا پاسِ اذنِ حضوری، دل کی لپک آنکھوں کی آس
رحم کے قابل ہے یہ حالت، وادیِ خضرا والے، آجا

ہم بھی دیکھیں کیا ہوتا ہے، مل کر ان دونوں کا مزاج
فخرِ غلامی، نازِ محبت، وادیِ خضرا والے، آجا

جس کی مشیت غیب و غیبت اس کی مشیت سمجھے کون؟
اتنا کہہ دیں، ہو جو اجازت، وادیِ خضرا والے، آجا

منقبت

(در مدح حضرت امام علی رضا علیہ السلام)

وہ رضا میں ہیں ایسے نقوشِ پائے رضا
دلِ رضائے خدا میں، بنی ہے جائے رضا

امامِ ضامنِ ثامن، رئیس و وارثِ دیں
علیؑ وقت، شریعت پناہ، گوشہ نشیں

وہ نور، نور، کہ شمس الشموس کہلائے
وہ تابِ دل کہ انیس النفوس کہلائے

وہ نشرِ فقہ اب وجہ میں جس کا حسنِ کلام
نظامِ شرع کے حق میں، حیاتِ نو کا پیام

زباں پہ جس کی، انا من شروطہا، کی سند
پناہ کلمۂ توحید کی بنا گئی حد

خلاف جس کے ہوئی، چال یہ سیاست کی
ملوکیت کو ضرورت ہے اب امامت کی

امام کو نہ کسی وقت دے سکی دھوکا
وہ راہ و رسم، جسے زہر تک پہنچنا تھا

(2)

امام سب تھے برابر، مگر یہ بات ہے اور
کہ حالِ غیر سے گزرا تھا، ہر امام کا دور

یہ ان کی سعیِ مسلسل کا مشترک تھا، صلہ
کہ موت کو بھی، شہادت سے کم، شرف نہ ملا

امام خوب سمجھتا تھا، چاہتا تھا جو دین
کہیں پہ ضبط، کہیں پہ جمل، کہیں صفین

کہیں پہ صلح، کہیں کربلا، کہیں سجدے
ہر اک زمین پہ کرتی تھی وہ جبیں سجدے

کہیں نمایشِ صبر و رضا، بلاؤں میں
کہیں تھا فرضِ امامت ادا دعاؤں میں

کہیں پہ درس گہِ علم و فضل کی تنظیم
کہیں تھی، تنگیِ زنداں میں، مسندِ تسلیم

یہ اہتمام بڑھا، دینِ حق سکھانے میں
اذانیں دی ہیں امامت نے، قید خانے میں

ہوئے یہ ڈھنگ کہیں، دہر سے گزرنے کے؟
کہ بیڑیاں جو کٹیں بھی، تو بعد مرنے کے

(3)

یہ شانِ ارث لیے، آٹھواں امام آیا
جسے بہ جبر، حکومت نے مرو بلوایا

بنا لیا تھا، سیاست نے ایک یہ بھی اصول
کہ رہنے پائے، نہ یثرب میں، جانشینِ رسولؐ

حکومت آلِ نبیؐ پر تو ڈھا چکی آفات
تھی اب یہ فکر کہ راضی ہو سیدِ سادات

جب اہلِ ظلم نے یہ اقتدار پایا تھا
رضائے آلِ محمدؐ کا نام آیا تھا

اسی پہ اب یہ طمع کہ آپ امیر بنیں
مدد کا وقت ہے، حاکم کے دستگیر بنیں

بلند شعلے جو ہیں، آتشِ بغاوت کے
فرو وہ ہو نہیں سکتے بغیر حضرت کے

اِدھر یہ شانِ امامت' بس اب معاف کرو — جو کانٹے تم نے بچھائے ہیں' خود ہی صاف کرو
اگر خدا کی طرف سے کوئی خلافت ہے — تو پھر یہ اس کی الٹ پھیر' کیا قیامت ہے؟
امام جان چکے تھے کہ ماجرا کیا ہے — یہ ڈھونگ مصلحت وقت کے سوا' کیا ہے
غرض کہ رد و بدل کی یہ شکل بن کے رہی — اُدھر تھا پائے امامت' اِدھر تھا تاج شہی

(4)

امیرِ ملک نے مایوس ہو کے جب دیکھا — کہ اس محاذ سے بنتے نہیں امامِ رضا
تو عرض کی کہ ولی عہد ہی بنیں سرکار — کسی طرح سے تو حاصل ہو' میرے دل کو قرار
وہ جبر اور خوشامد' ارے' معاذ اللہ — قبول کرنے کی منزل میں پیش پیش اکراہ
عجیب منزلِ تکلیف سے گزرنا بھی — قدم قدم پہ تھا' حجت تمام کرنا بھی
اسی میں جبکہ نہ انکار نے جگہ پائی — لبِ لحاظِ شریعت پہ ایک شرط آئی
الگ امورِ حکومت سے میری ذات رہے — برائے نام' ولی عہد تک ہی بات رہے
جو ہو چکا ہے مقدر وہ مانتا ہوں میں — مجھے تو پہلے ہی مرنا ہے' جانتا ہوں میں
خیال جبرِ حکومت کا اور پھر تبلیغ — بچاؤ شانِ امامت کا اور پھر تبلیغ
اِدھر یہ تھا کہ ہوں بازو قوی امارت کے — اُدھر یہ تھا' کہ پرخچے اڑیں سیاست کے

(ز)

اب آئی عید' تو حاکم کا یہ ہوا اصرار — نمازِ عید کے قائد ہوں سیدِ ابرار
اس انتظام کی تعمیل میں یہ وقت تھی — کہ منسلک تھا امامت کے ساتھ خطبہ بھی
اسی بنا پہ ہوا پیش پھر' یہ عذرِ امام — امورِ مملکتِ غیر سے مجھے کیا کام؟
مگر جو پھر بھی کیا جا رہا ہوں' میں مجبور — تو عید دیکھے گی' جو میرے جد کا تھا دستور
صباحِ عید نے جس وقت کی نیا باری — تھی اپنی اپنی طبیعت پسند تیاری
اِدھر امام پہ وضعِ محمدیؐ کا نکھار — اُدھر سے لشکر و طبل و علم ہوئے تیار
تھا اپنی وضع کی تاریخ کا عجب منظر — درِ رضاؑ پہ ہجوم خلائق و لشکر

ہوئے امام برآمد تو خلق نے دیکھا
لباسِ سادہ میں اک پیکرِ رضائے خدا

نبیؐ کی شان سے، عالی مقام آتا ہے
عصا لئے ہوئے پیدل امام آتا ہے

ضیائے کلمہ توحید میں وہ حسن کلام
فضائے نعرہ تکبیر میں وہ سعیِ خرام

یہ رنگ دیکھ کے، لوگوں کے دل جو بھر آئے
سواریوں سے اتر کر، زمین پہ آئے

چلے تھے جوش میں کتنے برہنہ پا ہو کر
دلوں کی بات زبانوں پہ تھی صدا ہو کر

وہ ہمہمہ تھا صداقت کا، گونج اٹھے در و بام
ہوئیں بلند صدائیں، "امام" "امام" "امام"

(6)

یہ حال دیکھ کے ہوش اڑ گئے حکومت کے
دیارِ غیر سے ڈنکے بجے کرامت کے

لئے یہ عید کا تحفہ وزیر جاتا ہے
سنبھل، امیر سنبھل، انقلاب آتا ہے

ہوا جو، خیر، ہوا، اب نہ یہ کہیں جائیں
فرودگاہ پہ اپنی قیام فرمائیں

امامؑ تک جونہی پہنچا، امیر کا یہ پیام
پلٹ پڑے وہیں حضرت، امامؑ پھر ہے امام

جو قید خانے سے بھیجی تھی لاش شاہی نے
یہ انتقام لیا اس کا بے گناہی نے

رضا نہ بار سماعت کہیں ہو طول کلام
امام موسیٰ کاظمؑ کے جانشیں پہ سلام

منقبت

(در مدح حضرت عباسؑ علمبردار)

عباسؑ ہاتھ آئے، زہے قسمت وفا
وہ با وفا کہ جس سے بڑھی زینتِ وفا

عباسؑ حق شناسِ خدا، عاشقِ حسینؑ
نازِ وفا، بجانِ وفا، عزتِ وفا

بھائی کی بے مثال رفاقت کے واسطے
عباسؑ کا وجود، دلِ فطرتِ وفا

عباسؑ کے مزاج کی ترکیب تھی، یہی
دوڑی رگوں میں بن کے لہو، خصلتِ وفا

نازاں تھا اپنی فطرتِ ایثار ساز پر
وہ سر بکف، مجسمۂ طینتِ وفا

تلوار دیدی، قبضے میں، صابر امامؑ کے
تلوار کے دھنی کی یہ تھی قدرتِ وفا

بن کر غلام، بھائی کو آقا کہا کیے
بھائی تھا قدر دان، بڑھی ہمتِ وفا

زانوئے شہ پہ ختم ہوئی فرصتِ وفا   کارِ وفا تمام ہوا' نیند آ گئی
وہ خوں چکاں لباس' جو تھا خلعتِ وفا   کیا کیا سجا تھا' مرتضویؑ یادگار پر
شانے کٹے تو اور بڑھی شوکتِ وفا   یہ ہے وفا کہ حضرت عباسؑ کی قسم
"بیٹا"، کہیں بتولؑ' یہ تھی قسمتِ وفا   یوں جنس بے بہا کو پرکھتا بھی اور کون؟
آغوش زیب کتنی ہوئی نعمتِ وفا   کس ماں کی گود میں تھا جگر بند فاطمہؑ
ہے یادگارِ مستقلِ وقعتِ وفا   آگے علم تمام حسینی جلوس کے
عباسؑ کی بنائی ہوئی جنتِ وفا   ہر بندۂ وفا کو خدایا' نصیب ہو

منقبت

(در مدح حضرت علی علیہ السلام)

نبیؐ پہ کون و مکاں تصدق' نبیؐ ہیں کون و مکاں کے مولا   خدا کی بخشی ہوئی ولایت' یہاں کے مولا وہاں کے مولا
علیؑ علیؑ مظہر العجائب' علیؑ علیؑ دو جہاں کے مولا   بتا گئے ہیں' دکھا گئے ہیں' وہی زمین و زماں کے مولا
یہ نفسِ پاکِ نبیؐ آخر' سر امامت علیؑ علیؑ ہے   یہ پاس حفظ مراتب حق خدا خدا ہے' نبیؐ نبیؐ ہے

منقبت[1]

(در مدح امام حسین علیہ السلام)

پڑھتے تھے جس کا کلمہ' اس کا کہا نہ مانا   مذہب کی وہ حقیقت' امت کا یہ فسانہ
تھی رہی یہ دولت' دیکھا کیا زمانہ   اک گھر کی ذمہ داری' اسلام کو بچانا
رخ پر چڑھی کمانیں' آلِ نبیؐ نشانہ   محسن کشی بھی کیسی پہچانتی تھی ان کو
کتنی نظر بچائی' کیا کیا برا نہ مانا   انسانیت سے پوچھو' ان فیض گستروں کو[2]

۱۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا اس منقبت کا نسخہ ایک بوسیدہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوا ہے جس پر یہ تاریخ درج ہے:
"ـــــ ۲۷ دسمبر ۱۹۶۳ء ـــــ"

۲۔ بوسیدہ کاغذ پر "فیض گستروں نے" درج ہے۔

مذہب[1] کی لاج رکھ کر سجدے میں سر کٹانا
کتنی کھلی حقیقت، کیسا کوئی فسانہ

تقریبِ کربلا تھا، اے نازشِ شہادت
آغوشِ مصطفیٰؐ میں، تیرا ہمک کے آنا

اللہ رے ناز ہدیہ، اللہ رے فخرِ خدمت
کس دل سے دیکھتا تھا، تجھ کو ترا گھرانا

خاکِ شفا میں تیری، یا فیض بوترابی
خالص عبادتوں کا، کتنا بڑا خزانہ

ذکرِ حسینؑ تازہ، بدلا کریں فضائیں
فکرِ حسینؑ قائم، گزرا کرے زمانہ

اپنے نبیؐ کی چوکھٹ، آلِ نبیؐ کے نعرے
کیا کیا ملی ہے ہم پر، کج دھج یہ سائلانہ

اس در کے ہم گدا ہیں، اس پر رضا فدا ہیں
دھونی یہیں رمانا، اپنا یہی ٹھکانا[2]

منقبت[3]

(در مدح حضرت عباسؑ علمبردار)

نئے خلوص کے رخ پر نیا نکھار آیا
لبِ حسینؑ پہ، عباسؑ جتنی بار آیا

کیا جو دل نے مرتب، جلوسِ شانِ حسینؑ
علم لیے ہوئے عباسؑ کا وقار آیا

علیؑ کی آنکھوں کے آگے، حسینؑ کی خاطر
عجیب جوہرِ نصرت کا اعتبار آیا

پدر پہ تھا جو اخوت کو فخر کیا کہنا
پسر میں ظرفِ اخوت کا افتخار آیا

جو اپنے بھائی کی مرضی، وہی خود اپنا مذاق
غلام بن کے یہ اندازِ اختیار آیا

نفس نفس میں جھلکتی ہوئی ولائے حسینؑ
یہ رنگِ زیست یہاں کتنا پائیدار آیا

جہاں میں آئے ہیں ہم تو حسینؑ ہی کیلئے
کسے یہ وجہِ حیات اتنا خوشگوار آیا

ادھر حسینؑ نے آواز دی، ادھر عباسؑ
کسی کے پاس کوئی جیسے بے قرار آیا

رضا وہ شانِ علم اور وہ شاہؑ کے آنسو
سجا کے بھائی کو بے ساختہ جو پیار آیا

۱۔ آل رضا نے اسے مطلع ثانی قرار دیا ہے۔

۲۔ بوسیدہ کاغذ پر "دھونی یہیں رمائی" درج ہے۔

۳۔ یہ منقبت ۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو معرض تخلیق میں آئی اور رضا حسین صاحب (کراچی) کے دولت کدے پر پڑھی گئی۔

منقبت

(در مدح امام مہدی علیہ السلام)

نظر جب چودھویں شعبان کا ماہِ تمام آیا
ہمیں اپنی فضا میں یاد خود اپنا امام آیا

موذن! ایک یوں آواز، گویا یہ پیام آیا
خدا کے دین کا ناظم، بہ حسن انتظام آیا

ہمیں اپنے امام عصر سے مطلب ہے، کیا سوچیں
کہیں کیوں وقتِ صبح آیا، کہیں کیوں وقتِ شام آیا

دلِ دیوانہ! تیری دھڑکنیں پیہم یہ کہتی ہیں
امام آیا، امام آیا، امام آیا، امام آیا

امامِ عصر کی آمد مسلّم ہے، مگر، کب تک
سمجھ میں یہ نہ آئے گا کہ وقتِ اہتمام آیا

کوئی دیکھے ہماری منزلیں، راہِ عقیدت میں
کہ لب پر نام آتے ہی، مقامِ احترام آیا

ہمارا بھی امام وقت ہے کوئی، خدا رکھے
یہ جذبہ کیسے کیسے وقت، کتنا اپنے کام آیا

مبارک ہو انھیں، دیکھیں گے جو اک روز، وہ منظر
مگر کیا ہم نہ دیکھیں، کس طرح اپنا امام آیا

پہنچتا ہے سلامِ مخلصانہ، وادیِ خضرا
رضا، تجھ کو نہ وہ اندازِ ترسیلِ سلام آیا

منقبت [1]

(در مدح حضرت امام حسین علیہ السلام)

محبوبِ حق کے گھر میں، کچھ کم نہ تھی رسالت
جو چاہیے، اور دے دے سرکارِ ربِ عزت

تکمیلِ پنجتن کو، مطلوب تھی، وہ ساعت
تصویر وہ تری بھی جب کھینچ لے امامت

چشمِ نبیؐ نے دیکھی، اللہ کی امانت
آغوشِ سیدہؑ میں، سرداریِ شہادت

بچے نے آنکھ کھولی، خوشبوئے مصطفیٰؐ میں
واللہ، جاگ اٹھی، انسانیت کی قسمت

اس مبتدا کے صدقے، شانِ خبر کے قرباں
وہ دور بیں نگاہیں، وہ بھولی بھولی صورت

لاکھوں شرافتیں تھیں، ہر جنبشِ نظر میں
وہ مادری سیادت، وہ حیدری جلالت

معلوم ہو رہا تھا، مخصوص ہو چکی ہیں
سر کے لیے بلندی، لب کے لیے ہدایت

۱۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ منقبت ایک بوسیدہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوئی ہے۔

جیسے ازل کے دن ہی، کوئی بنا کے رکھ دے
نقشِ جبیں عبادت، نقشِ قدم قیادت

آئے حسینؑ، آئے، آئے حسینؑ، آئے
اے خوبیِ صداقت، اے حسنِ استقامت

پہچان لو یہ چتون، کام آئے گی تمہارے
اے دردِ دل کی ہمت، اے صبر کی شجاعت

اک شیر سو رہا ہے، زانوئے فاطمہؑ پر
چھیڑے اسے نہ کوئی، ہو جائے گی قیامت

ماں باپ منہ کو چومیں، نانا گلے کو چومیں
تقسیم کار کرلے! بے ساختہ محبت

اسلام کو مبارک، ایمان کو مبارک
قرآن کو مبارک، خونِ نبیؐ کی طاقت

دنیا کو بھی مبارک، عقبیٰ کو بھی مبارک
اور اس کو بھی مبارک، کہتے ہیں جس کو جنت

اے کربلا کے زائر، جا کر نجف میں کہہ دے
یہ ڈیوڑھیاں مبارک، یہ ڈیوڑھیاں سلامت

مالک! تجھے یہیں پر، تیری خوشی کی خاطر
سجدہ رضا کرے گا، دنیا کرے زیارت

منقبت [۱]

(در مدحِ جنابِ فضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

وہ رفعتِ اخلاق میں دن رات کی معراج
وہ سیدہؑ کا گھر، وہ مساوات کی معراج

وہ مکتبِ آئینِ مساوات کی تہذیب
وہ فضہؓ نوازی میں، مدارات کی تہذیب

اللہ رے، میزانِ مساوات کا وہ گھر
جو کام ہو فضہ کا، وہ زہراؑ کے برابر

تقسیمِ فرائض میں گھرے عدل کا مسلک
ترتیبِ توازن میں تھی جاروب کشی تک

محنت نہ ہوئی حلقۂ انصاف سے باہر
چکی کی مشقت کے بھی بٹتے تھے برابر

مشکل جو پڑی وہ ہوئی آسان بھی یکساں
پوشاک میں پیوند کے سامان بھی یکساں

بی بی کی یہ کوشش، کوئی وسواس نہ رہ جائے
فضہ مری کمتر ہے، یہ احساس نہ رہ جائے

۱۔ مطبوعہ:

(الف) (i) خواجہ لطیف انصاری (مدیر) ماہنامہ "پیامِ عمل" لاہور، مارچ ۱۹۶۶ء صفحہ ۲۳

(ii) جواد الاصغر نقوی (مدیر) پندرہ روزہ "ارشاد" کراچی، یکم مارچ ۱۹۶۶ء صفحہ ۳

(ب) آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ منقبت ایک بوسیدہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوئی ہے۔

کیا بات ہے اس کی جو بنا ڈالے یہ معیار
آساں نہیں، انسان کا اس سطح پہ آنا
جو پیکرِ خاکی تھا، دمکتا نظر آیا
یوں آئینۂ صدق تاثر کو سجایا
تھیں فضہؑ، مگر واہ رے، شائستہ مزاجی
وہ لطفِ کشش، عظمتِ خدمت کے مناسب
آنکھوں میں کبھی، طرزِ نگہداشت کی عزت
خدمت کے جو شایاں تھا، وہی طور طریقہ
ماحولِ خوش انجام میں تحلیل پہ قربان
اس گھر کی ریاضت میں، اسی شان سے شامل
فضہؑ کے لیے فیضِ معیت نہیں محدود
پہلو میں کبھی، فاطمہؑ کے لختِ جگر بھی
معمول تھا دن رات کا، اللہ رے توقیر
جنت سے علاقہ ہی رہا دونوں جہاں میں
کیا چیز ہوا کرتی ہے، قسمت کی اسیری
تا حشر رہے گا، نگہِ قدر طلب میں
تھا چشمِ امامت میں مقام، ایسی تھیں فضہؑ
کس کرب و بلا میں تھا نگہدار اسی کا
مخدومہ فضہؑ کا رضا فیضِ عطا ہے

کیا ذات تھی وہ بھی، جو مثالی ہو مددگار
معصوم طبیعت سے، طبیعت کو ملانا
اک جوہرِ قابل تھا، چمکتا نظر آیا
جو عکس لیا اور نمودار بنایا[۱]
اک جزو بنیں، خانۂ زہراؑ و علیؑ کی
وہ ناز کنیزی، وہ کنیزی کے مراتب
رگ رگ میں رہی، پنجتن پاک کی خدمت
قرآن کی آیات میں، باتوں کا سلیقہ
روزوں کی وہی آن تو فاقوں کی وہی شان
اس در کی سخاوت میں بھی، جی جان سے شامل
آئیں جو فرشتے بھی تو فضہؑ وہیں موجود
زانو پہ کبھی زینبؑ و کلثومؑ کے سر بھی
تہ کرتی تھیں اور کھولتی تھیں چادر تطہیر
ہوتی تھی بسر، مرضیِ خاتونِ جناں میں
فضہؑ کی کنیزی میں وہ خدمت کی امیری
فضہؑ کا شرف، درس گہہِ حسنؑ ادب میں
حسنینؑ کریں جھک (کے)[۲] سلام، ایسی تھیں فضہؑ
فضہؑ پہ سلام، اپنے حسینؑ ابنِ علیؑ کا
مداحِ فضہؑ کا شرف، مجھ کو ملا ہے

۱۔ کاغذ پر ملنے والی منقبت میں یہ مصرعہ یوں درج ہے۔
ع جو عکس لیا اس کو نمودار بنایا

۲۔ "کے" کا لفظ سہواً رہ گیا ہے۔ جبکہ علیحدہ کاغذ پر ملنے والی منقبت میں یہ لفظ موجود ہے۔

منقبت [۱]

(در مدح حضرت عباسؑ علمبردار)

بیٹے جناب مرتضیٰؑ! اور بڑھا ترا وقار
تیری قضا نے دیدیا ملکِ وفا کو تاجدار

منزلِ عالی علیؑ! تیرے مزاج کے نثار
تیرے چمن میں دم بدم تازہ خلوص کی بہار

کتنا حسین اہتمام' تیرے حسینؑ کے لیے
کتنا عظیم انتظام جس پہ علیؑ کو افتخار

خانۂ مرتضیٰ فروز' ماہ سپہرِ ہاشمی
چہرے پہ کیسا رعب داب' شانے ہیں کتنے شاندار

آج کی شان سے عیاں" کل کی تمام عظمتیں
ارث میں فتحِ خیبری' قبضہ میں دل پہ اختیار

عہدِ وفا' وفائے عہد' عہدِ وفا' وفائے عہد
کارِ حیات میں یہی' سلسلۂ حیاتِ کار

حاملِ خونِ مرتضیٰؑ' خادمِ آلِ مصطفیٰؐ
وقت کا اپنے وہ امیر' وقت کو جس کا انتظار

اہلِ نظر کے روبرو' اہلِ خبر کے سامنے
دعویٰ خد و خال ہے' ہوتے ہیں ایسے ہونہار

آنکھ کھلی ہے ڈھونڈتی' جیسے رخِ حسینؑ کا
گردشِ چشم دیکھیے' جیسے کسی کو آئے پیار

دیدۂ دوربیں سے ہے' نسبتِ خاص آشکار
جیسے کسی طرف کوئی' دیکھ رہا ہو بار بار [۲]

جنبشِ ہر نگاہ میں' اوجِ وقارِ حیدریؑ
جیسے کہ صاحبِ علَم' شانِ علَم کا ذمہ دار

مولدِ ذی وقار میں' باندھ رہا ہے اک سماں
شکلِ پسر میں جلوہ گر' شیرِ خدا کا اقتدار

مادرِ پیکرِ وفا' گود میں ہے لیے ہوئے
ابنِ علیؑ مرتضیٰؑ' سبطِ نبیؐ کا جاں نثار

بانوئے شاہِ لافتا' یہ بھی ہیں باشرف' مگر
گھر میں علیؑ کے ہے' وہی' بنتِ نبیؐ کا اقتدار

ان کی مناسبت سے ہے' گھر میں ہر ایک کا لحاظ
ان کی خوشی پہ بالیقیں' سب کی خوشی کا انحصار

دیکھ رہی ہے پیار سے' روحِ جنابِ سیدہؑ
کتنا ہے فاطمہؑ پسند' لختِ جگر' وفا شعار

ثانیِ سیدہ نے جب بڑھ کے گلے لگا لیا
آئی ہو کیا عجب صدا "واہ رے میری ورثہ دار"

آج خوشی کے دن رضا' ذکر ہو اس کا اور کیا؟
جس کے ادائے فرض کی' مشک و علم ہیں یادگار

۱۔ یہ منقبت ایک کاغذ کے ٹکڑے پر الگ سے بھی رقم ہے۔

۲۔ یہ شعر بطور مطلع ثانی درج ہے۔

منقبت [1]

(در مدح حضرت مہدی علیہ السلام)

راز یہ ہوتا ہی رہتا ہے برابر آشکار
ذرہ ذرہ ہے خدائی مصلحت کا پردہ دار

ہے امامؑ منتظر پہ ناز کتنا حق مدار
غیب پہ ایمان کا مظہر، عقیدت کا وقار

کتنی تطہیر توجہ ہو، تو نکھرے یہ شعار
ان کی آمد سے تعلق، ماسوا سب ناگوار

ہم غلاموں پہ ہیں ان کی یہ عطائیں بے شمار
بے سہاروں کو سہارا، بے قراروں کو قرار

کیفِ دل پہ، منتظر آنکھوں کی بے تابی نثار
زندگی بنتا چلا جائے، جو شوقِ انتظار

ڈوب کر کیفیتِ دل میں چلے آؤ، قریب
کان بجتے ہیں کہ آتی ہے ندا یہ بار بار

کھینچ کر ذوقِ تصور نے جو نقشے رکھ دیئے
رنگ ان نقشوں میں بھرتی ہے عقیدت، پائیدار

راہ میں کوئی ٹھٹھک جانے کی گنجائش نہیں
ہے جہاں تک شوق کی منزل، وہاں تک اعتبار

دیکھ کر اہلِ ولا میں روشنی کی اہلیت
تیز کر دیتی ہے اپنی لو بھی، شمعِ انتظار

وہ شبِ غیبت کو سرکاتی ہوئی صبحِ ظہور
حسنِ عالمتاب، انوارِ صداقت کا نکھار

چودھویں معصوم میں بھرپور آتا ہے نظر
تیرہؑ معصوموں کی تنظیمِ قیادت کا وقار

خون میں اک لہر سی دوڑی کہ گویا سن لیا
عقبِ کعبہ پہ نوا ہوتی ہے، اے دل ہوشیار

پھر ملی قرآن کی تبلیغ کو صوتِ امام
پھر کھنچی، اپنی جگہ صدیوں کی رکھی ذوالفقار

آ گیا میداں میں ان دونوں کا وارث آ گیا
جس طرح اپنی حقیقی مملکت کا تاجدار

اس فضائے حق پناہی کے فدا ہو جائیے
چار سو، دینِ خدا، روئے محمدؐ کی بہار

وہ رضا اور وہ امامِ عصر کے قدموں پہ سر
وہ نوائے وقت میں ڈھلتی ہوئی دل کی پکار [2]

۱۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ منقبت ایک کارڈ پر بھی دستیاب ہوئی ہے۔

۲۔ یہ منقبت ۱۳ دسمبر ۱۹۶۵ء کو کراچی میں کہی گئی۔

منقبت [1]

(در مدح سیدِ سجاد امام زین العابدین علیہ السلام)

سر شکبِ وفا، نورِ چشمِ بتولؑ　　وقارِ غمِ اہلِ بیتِ رسولؐ [2]
فدائی مرضیِ ربِ ودود　　سرِ نازشِ صبر و فخرِ سجود
مصیبت پہ حاوی، عبادت کی شان　　شہادت سے نکھری امامت کی شان
دعائے امامت نئی زندگی　　سیادت کے حق میں نئی زندگی
بہرحال، اپنے اب وجد کا فرض　　لئے گھر میں، آلِ محمدؐ کا فرض
نئی وضع سے، وارثِ دارِ حسینؑ　　سلاسل شرف، یادگارِ حسینؑ
نبیؐ زادہ ابنِ شہیدِ جفا،　　مدینہ، بہ پس منظرِ کربلا

منقبت [3]

(در مدح امام جعفر صادق علیہ السلام)

علم، انسان کی عزت ہے، صداقت کی قسم　　علم، انسان کی زینت ہے، نظافت کی قسم
علم، انسان کی عظمت کا پتہ دیتا ہے　　جب فرشتوں کا بھی مسجود بنا دیتا ہے
علم کے ذکر میں یہ طرفہ ستم ہوتا ہے　　علم کے باب میں جو کہئے، وہ کم ہوتا ہے
وسعتِ علم کے جنچنے کی کوئی راہ نہیں　　موج در موج سمندر کی کوئی تھاہ نہیں

۱۔ مطبوعہ:
محمد لطیف انصاری (مدیر) ماہنامہ "پیامِ عمل" لاہور، جون ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۰
رسالے میں یہ منقبت "نذرِ عقیدت" کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔

۲۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ منقبت ایک بوسیدہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوئی ہے۔

۳۔ یہ منقبت ۳ جنوری ۱۹۶۹ء کو معرضِ تخلیق میں آئی اور جناب کرار جونپوری (مقیم کراچی) کے دولت کدے پر پڑھی گئی۔

تشنہ تک ہو جو پہنچا تو خزانہ ہے بھرا
بیچ سے رول لیے جاتے ہیں موتی کیا کیا

جو شب و روز برستی ہے، وہ نعمت ہے یہی
صرف کرنے سے جو بڑھتی ہے، وہ دولت ہے یہی

جب جہالت کے حجابوں کو اٹھا دیتا ہے
جا بجا علم مناظر یہ دکھا دیتا ہے

اک شجر اور شجر، اور گلستاں ہوتا
اک چراغ، اور چراغ، اور چراغاں ہوتا

فلکِ علم پہ رہتی ہے، بہاروں کی فضا
کہکشانی ہے یہاں کتنے ستاروں کی فضا

علم کا نور بڑھے اور بڑھے جائے گا
یہ وہ سورج ہے جو ڈوبے گا، نہ گہنائے گا

علم ہر قاریِ قرآن حق آگاہ کو ہے
ناز اپنی صفتِ علم پہ اللہ کو ہے

خالقِ کل ہے علیم اور یہ ہے اس کا بھرم
سیکڑوں بار یہی آیا ہے، قرآں کی قسم

ذکر اور فکر کا ہے حسنِ بیاں، علم کے ساتھ
صاحبِ لوح و قلم کی ہے، زباں، علم کے ساتھ

علم کا شہر کہیں خود کو رسول الثقلین
اور دکھلائیں درِ علم کی ہر زینت و زین

شہر میں بجتا ہوا نام علیؑ کا ڈنکا
در پہ روشن خطِ طغرا میں محمدؐ لکھا

علم کا فیض تھا، تحصیل کی آزادی تھی
کیا درِ علم پہ اسلام کی آبادی تھی

تھی یہ الفاظ کی ترکیب بھی کتنی کامل
عین اور لام رہیں علم و علیؑ میں شامل

بعدِ رحلت بھی محمدؐ نے یہ احسان کیے
علم پاشی تھی درِ آلِ محمدؐ کے لیے

طالبِ علم کی اس در پہ جبیں سائی تھی
جہل نے وجہِ خصومت یہی ٹھہرائی تھی

علم بے چارے پہ کیا بعدِ نبیؐ وقت پڑا
جن کی باتوں پہ ہوا حکم زبان بندی کا

گفتگو علم کی کرتا جو کوئی نیک نہاد
سر پہ پڑ جاتے تھے دُرّے کہ یہ ہے جائے فساد

کھل گئے جہلِ مرکب کے بندھے منصوبے
حد یہ تھی کوئی حدیثِ نبویؐ تک نہ لکھے

طور وہ دشمنیِ علم کا ایجاد کیا
در سے جلتے تھے، مگر شہر کو برباد کیا

خار کھاتے رہے اغیار تو دل ہی دل میں
آ گئے کام علیؑ، علم کی اس مشکل میں

علم مظلوم کے، ہر طرح مددگار بنے
علم کی ڈھال بنے، علم کی تلوار بنے

یوں مسلمانوں کو یہ درس کوئی دے نہ سکا
اس خلافت کو بظاہر بھی کوئی لے نہ سکا

یہ مسلمانوں میں جو علم کا چرچا ہے قدیم
علیؑ و آلِ علیؑ ہی کا ہے احسان عظیم

ابتدا پہلی امامت میں جو اس کام کی تھی
سلسلے وار وہی اہل امامت میں رہی

منعکس سب میں ہوئی سرورِ لولاکؐ کی شان
ہر امامت پہ تھی پنجتنِ پاک کی شان

علم مخصوص تھا اس خاصۂ داور کے لیے
پانچواں تاجِ امامت کا تھا جس سر کے لیے

علم نحو، علم نظر، علم صفت، علم تمام
علم در علم، امامؑ ابن امامؑ ابن امامؑ

فخرِ ہم نامیِ سرکارِ رسولیؐ عالی
باقرِ علمِ نبیؐ ناشرِ عرفانِ علیؑ

مظہرِ حکمتِ دیں، نشرِ شریعت پیکر
عابدی باغِ عبادت کی ریاضت کا ثمر

مسندِ ارشِ اب وجد پہ، اب وجد کی طرح
حافظِ علم، علیؑ اور محمدؐ کی طرح

دہر میں آکے یہ عزت جسے ہاتھ آئی تھی
برسوں آغوشِ حسینؑ میں جگہ پائی تھی

جس کا ہر دور بڑے صبر و رضا سے گزرا
بچپنا جس کا رہ کرب و بلا سے گزرا

جس نے نزدیک سے، نقشوں کو بگڑتے دیکھا
چند پہروں میں بھرے گھر کو اجڑتے دیکھا

اف، شہادت پہ شہادت کے مسائل لمحے
متواتر وہ عزیزوں کے وداعی لمحے

جو اندھیرے پہ اندھیرے کی گھڑی آتی تھی
بیکسی تھی کہ گھٹا ٹوپ ہوئی جاتی تھی

آتے جاتے ہوئے لاشے بھی برابر دیکھے
بے خطر جرات و ہمت کے بھی تیور دیکھے

دیکھ کر درس لیا، گو کہ تھیں آنکھیں خوں بار
صفِ ماتم پہ وہ سنجیدگیِ غم کا وقار

جس کو جل جانا تھا، اس خیمے میں جلنا بھی پڑا
پھر جگر سوز ہواؤں میں نکلنا بھی پڑا

موجِ طوفاں سے تھا ٹکراؤ، ابھرنے کے لیے
سونا کن آنچوں میں تپتا تھا، نکھرنے کے لیے

امتحاں لینے جو آئی، وہ مصیبت جھیلی
باپ کے ساتھ اسیری کی بھی آفت جھیلی

ننھے شانوں میں رسن اور وہ ہجومِ آلام
عہدِ طفلی کی وہ رہ‌گیں، وہ کڑی منزلِ شام

تربیت گاہوں کا وقت اور قرینہ دیکھا
کربلا دیکھ کے پھر اپنا مدینہ دیکھا

وقت اس سمجھے ہوئے موڑ پہ لایا تھا انہیں
جس کی خاطر یدِ قدرت نے بنایا تھا انہیں

ہے لبِ وقت پہ اس جابرِ خوش بخت کا نام
جس نے پہنچایا محمدؐ کو محمدؐ کا سلام

جب مدینہ میں ملی خاص عبادت کی فضا
باپ کے ساتھ شب و روز مصلیٰ تھا بچھا

تھا دکھانا کہ بندھی بات میں پھیلاؤ بھی ہے
کربلا والی تب و تاب میں ٹھہراؤ بھی ہے

مسلکِ سیدِ سجادؑ کوئی یوں سمجھے　　عالمِ سجدہ' میں رکنِ اقامت سمجھے
اسی عالم میں جوانی کو سرافراز کیا　　زہد و تقویٰ سے جسے اور بھی ممتاز کیا
سنتے تھے اوروں سے پیغمبرؐ و حیدرؑ کا شباب　　یاد تھا اکبرؑ و عباسِؑ دلاور کا شباب
جن مواقع کے مناظر تھے نظر میں اعلیٰ　　اپنے کردار سعلے کو انھیں میں ڈھالا
کتنا سنجیدہ و ارفع تھا قیادت کا شعار　　باکل' وقت کی نسبت سے' امامت کا شعار
مکتبِ آلِ محمدؐ جو رہا جان کے ساتھ　　علَمِ علم تھا کاندھے (پہ) اسی شان کے ساتھ
تھام کر چوبِ علم' جانچ کے ذمہ داری　　دی پھریرے کو وہ جنبش کہ ہیں لہریں جاری
"ورثہ دارِ نبویؐ مرتضویؑ نورالعین　　جو کٹے تن کے' سینہ' مرا دلدا تھا حسینؑ
"کربلا سے کوئی ہم لوگ ڈرا کرتے ہیں　　فرض ہے' قرض ادا ہو گا' ادا کرتے ہیں"
دیں فراموش گھٹن میں' نفسِ تازہ حق　　اموی دور کی چنگھاڑ میں آوازہ' حق
دے گیا علم کو کیا روشنی فقہ نماز　　باقرؑ مطلعِ انوارِ حسینؑ و سجادؑ
یہ بھی کیا کم ہے رضا حضرت باقرؑ کا مقام　　گود میں ان کی پلا' جعفرِ صادقؑ سا امام
مدح اس ذات کی' اور وہ بھی زبانی میری!　　سخت مشکل میں پڑی ہیچ مدانی میری
جتنے عرصہ میں یہ مجموعہ اشعار کہا　　خادمِ علم درِ علم پہ سجدے میں رہا
علم انسان کی عزت ہے صداقت کی قسم　　علم انسان کی زینت ہے نظافت کی قسم

منقبت

(در مدح حضرت امام مہدی علیہ السلام)

نظر تا معتبر ہوتی چلی جاتی ہے' کیا دیکھیں　　کب آؤ گے' کب آؤ گے' کہاں تک راستہ دیکھیں
خدا جانے' کہاں پہنچے' کہاں جا کر' پکار آئے　　کب آؤ گے' کب آؤ گے' کہاں تک راستہ دیکھیں
قدم پاسِ ادب کے چوم کر' منہ سے نکلتا ہے　　کب آؤ گے' کب آؤ گے' کہاں تک راستہ دیکھیں
امامت سے ہیں وابستہ' قیادت کو ترستے ہیں　　کب آؤ گے' کب آؤ گے' کہاں تک راستہ دیکھیں
کریں کیا' بے تحاشا کہہ اٹھی ہے' دل کی بے تابی　　کب آؤ گے' کب آؤ گے' کہاں تک راستہ دیکھیں

جسارت کی معافی مانگ کر، پھر عرض ہے، مولا! — کب آؤ گے، کب آؤ گے، کہاں تک راستہ دیکھیں
خدائی مصلحت کی پردہ داری، خوب ہے، پھر بھی — کب آؤ گے، کب آؤ گے، کہاں تک راستہ دیکھیں
امامِ عصر! تم، ہم بے بھروسا، زندگی والے — کب آؤ گے، کب آؤ گے، کہاں تک راستہ دیکھیں
امامِ منتظر! پتھرا نہ جائیں، منتظر آنکھیں — کب آؤ گے، کب آؤ گے، کہاں تک راستہ دیکھیں
ہم اس قابل نہیں، بے شک ہم اس قابل نہیں، لیکن — کب آؤ گے، کب آؤ گے، کہاں تک راستہ دیکھیں
تمہاری آس پر، جیتے تو ہیں، جیتے نہیں بنتا — کب آؤ گے، کب آؤ گے، کہاں تک راستہ دیکھیں
کہے جاتے ہیں دیوانے، یہاں تک راستہ دیکھا — کب آؤ گے، کب آؤ گے، کہاں تک راستہ دیکھیں
جوابِ منکرِ غیبت ہمیں بھرپور دینا ہے — کب آؤ گے، کب آؤ گے، کہاں تک راستہ دیکھیں
دکھا ہی دو، بس اب اعجاز، تصدیقِ عقیدت کا — کب آؤ گے، کب آؤ گے، کہاں تک راستہ دیکھیں
سنا ہے، حق ہی حق پھیلا کے دم لو گے، جب آؤ گے — کب آؤ گے، کب آؤ گے، کہاں تک راستہ دیکھیں
فضا میں نور ہو گا، نور میں خوشبو محمدؐ کی — کب آؤ گے، کب آؤ گے، کہاں تک راستہ دیکھیں
سنا ہے خونِ ناحق رنگ لائے گا، جب آؤ گے — کب آؤ گے، کب آؤ گے، کہاں تک راستہ دیکھیں
تمنا ہے، تمہارے ساتھ، مولا، کربلا چلیے — کب آؤ گے، کب آؤ گے، کہاں تک راستہ دیکھیں
کہا تھا، کہہ رہے ہیں، دیکھیے کب تک کہے جائیں — کب آؤ گے، کب آؤ گے، کہاں تک راستہ دیکھیں
رضا کا یہ عریضہ، جا رہا ہے، دل کی موجوں میں — کب آؤ گے، کب آؤ گے، کہاں تک راستہ دیکھیں

منقبت [۱]

(در مدح حضرت عباسؑ علمبردار)

(نامکمل)[۲]

دل میں کتنی حسرتیں یہ سوچ ہی کر رہ گئیں — مدح کس کی ہے؟ مرے الفاظ اس قابل نہیں

۱۔ یہ منقبت ۷ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو معرض تخلیق میں آئی اور یدراللہ آبادی (کراچی) کے دولت کدے پر پڑھی گئی۔
۲۔ "نامکمل" کا لفظ آلِ رضا نے خود تحریر فرمایا ہے۔

اے عقیدت، مرحبا! اور اے، تصور آفریں ہو گا، کتنا یہ سماں، مولا علیؑ کے دلنشیں

——————(ق)——————

عاشقِ شبیرؑ دو آغوشِ مادر کے قریں زینبؑ و کلثومؑ و روحِ بنتِ ختم المرسلینؐ
جمع ہو جائیں تو پھر دل کی نظر فتی نہیں سروِ رعنائے وفا اور کربلائی سرزمیں
دونوں منصب کے تقاضے اور وہ صاحب نظر غلامِ سبطِ نبیؐ، ابنِ امیر المومنینؑ
خدمتِ شبیرؑ کی ہر دم وہ تمنّئے خلوص جس طرح سجدے میں جھکتے وقت، ساجد کی جبیں
سختیاں کیا ہیں؟ مرا عباسؑ میرے ساتھ ہے کس جری کو اپنی اس طاقت کا تھا، کتنا یقیں

منقبت

(در مدح حضرت امام حسین علیہ السلام)

کلامِ حق کو نویدِ بقا، مبارک ہو ولادتِ شہِ کرب و بلا مبارک ہو
پیامِ ختمِ رسلؐ رہ گیا، قیامت تک دلِ رسولؐ کو یہ آسرا، مبارک ہو
نبیؐ کے سائے میں، آلِ عبا کے جھرمٹ میں درودِ خاصِ آلِ عبا، مبارک ہو
جہاں میں پنجتنِ پاک کی ہوئی تکمیل یہ ابتدا سے ملی انتہا مبارک ہو
فضائے گلشنِ آغوشِ فاطمہؑ زہرا تجھے ترا یہ گلگوں قبا، مبارک ہو
یہ کس کا چاند ہے، اے نورِ اویس کی بہار یہ کس کی گود ہے، صلّی علا، مبارک ہو
یہ کس کے گھر میں، شہادت کا تاجدار آیا زوجِ منزلِ عصمت سرا، مبارک ہو
حبیبؐ حق کی زباں پہ ہے، لحمک لحمی کفیلِ امن و درِ مدعا، مبارک ہو
وہ نورِ عینؑ، وہ نانا کے دل کا چین حسینؑ گلے کا ہار، گلِ دل فزا، مبارک ہو
اسی کو گود میں لے کر مباہلہ ہو گا لبِ رسولؐ کو ابتاکا، مبارک ہو
اسی کو کاندھے پہ بٹھلا کے ہوں گی تبلیغیں فرازِ قبلہ کو قبلہ نما، مبارک ہو
حسینؑ جس سے، وہی پھر حسینؑ سے قائم خدا کے دین کو یہ سلسلہ، مبارک ہو
جنابِ حیدرؑ کرارا آپ کا یہ حسینؑ پلٹ ہی دے گا مخالف ہوا، مبارک ہو

یہ کیمیا بھی ملی، بو تراب کے گھر سے — مریضِ دہر کو خاکِ شفا، مبارک ہو
کسی کو ملتا ہے، ایسا بھی قوت بازو — مبارک، اے حسن مجتبیٰ، مبارک ہو
جہاں تک آپ کی منزل ہے، ناخدائی کی — وہیں سے خلق کو یہ ناخدا، مبارک ہو
ترے جہاد کو، اے سرفروشیِ اسلام — کمالِ جرأت و صبر و رضا، مبارک ہو
جو اپنے خون سے، حد بندیاں کرے روشن — رہِ نجات کو وہ رہنما، مبارک ہو
سرور و غم میں سموئی ہوئی، مبارک ہو — یہ فیضِ شاہِ شہیداں رضا، مبارک ہو

منقبت [۱]

(در مدح حضرت امام حسین علیہ السلام)

انسان ہے، تو دل کی نظر کا کمال دیکھ — غم کی بلندیوں میں، حسین کا جمال دیکھ
توفیقِ درد پاس نہیں ہے، تو کچھ نہیں — غم منزلت شناس نہیں ہے، تو کچھ نہیں
فطرت کو ادعائے بغاوت سے باز رکھ — انسانیت کو خوئے شقاوت سے باز رکھ
ہاں، رکھ قدم سنبھال کے، منزل کا واسطہ — توہینِ درد دل کی نہ کر، دل کا واسطہ
مظلوم، بے گناہوں کو، عزت سے پیار کر — ہمدردیوں کو مستحقوں پہ نثار کر
مظلوم وہ جو حق کے لیے ظلم سہہ گئے — دل سے کبھی تو سن کہ وہ کیا بات کہہ گئے
انسان! تیرا مقصدِ اعلیٰ حسین ہے — مسلم! ترے نبی کا نواسا حسین ہے
انسانیت کو ناز، یہ جوہر مجھے ملا — اسلام، مطمئن کہ یہ گوہر مجھے ملا
سکہ یہ چل رہا ہے، محمد کے نام کا — اسلام ہے حسین علیہ السلام کا
کیا ہیں حسین دیکھ، وہی آن بان سیکھ — جینا جو چاہتا ہے، تو مرنے کی شان سیکھ

۱۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا اس منقبت کا ایک نسخہ نہایت بوسیدہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوا ہے۔ اس نسخہ میں ۱۴ اشعار ہیں اور شعر نمبر ۱۲ یہ ہے:
درس خداشناس کو اپنا شعار کر ——— کردار جو حسین کا تھا اختیار کر

ہاں، سیکھ اور سکھ، اسی درس گاہ سے — قرآن پڑھ کے دیکھ، حسینی نگاہ سے
ایمانِ بے عمل پہ پشیماں ہو کے دیکھ — واللہ، پھر سے یوں بھی مسلماں ہو کے دیکھ
دکھلا، کہ حق بنا ہے مسلماں کے لیے — اسلام سازگار ہے انساں کے لیے

منقبت[۱]

(در مدح حضرت عباس علمبردار)

تھی کس کے ہاتھوں سے اس معرکہ کی تیاری — وفا کی شان ہے سقائی و علمداری
نفس نفس، دلِ عباسؑ وضع کرتا تھا — دلِ حسینؑ کی شایاں خلوص غم خواری
عجیب جوہرِ نازِ وفا سرشتی کو — عجب مقامِ شہادت کی تھی طلب گاری
عجیب تھا، یہ وفاؤں کا منفرد معیار — کہ جو وفا تھی وہ اپنی جگہ تھی معیاری
جو نہر چھین کے بھی، خشک ہونٹ تر نہ کیے — بلا کی پیاس نے پرکھی وفا کی خودداری
رضا وہ اپنے مبارک سفر کا منظر خاص — نظر جو دور سے آئی فضائے ضو باری
وہ کربلا، وہ زیارت کی ابتدائے لطیف — حضورِ روضۂ عباسؑ طرحِ زواری
وہاں سے اذنِ وساطت کا لے کے پروانہ — سوئے ضریحِ شہِ دیں، نیازِ درباری
زہے شرف کہ جہاں سے چلے، جہاں پہنچے — قدم قدم پہ وہ نازِ خجستہ رفتاری

منقبت[۲]

(در مدح حضرت علی علیہ السلام)

لب پر نبیؐ کے، حسبِ مشیت، علیؑ علیؑ — نامِ خدا، خدا کی امانت، علیؑ علیؑ
نورِ نگاہِ چشمِ نبوت، علیؑ علیؑ — شائستۂ مزاجِ رسالت، علیؑ علیؑ

۱۔ یہ منقبت ۶ ستمبر ۱۹۷۲ء کو معرضِ تخلیق میں آئی اور جناب بیدار الہ آبادی (مقیم کراچی) کے دولت کدے پر پڑھی گئی۔

۲۔ مطبوعہ:
سید کوثر حسین (مدیر) ماہنامہ "پیام عمل" لاہور، ستمبر ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۲۔

منبر نواز، فخرِ خطابت، علیؑ علیؑ — میداں نواز، مردِ شجاعت، علیؑ علیؑ
ایماں فروز، نورِ ہدایت، علیؑ علیؑ — دل کی ضیا، سراجِ امانت، علیؑ علیؑ
پائندہ اقتدارِ شریعت، علیؑ علیؑ — زیبندہ[۱] تاجدارِ ولایت، علیؑ علیؑ
تبلیغِ دینِ حق میں، محمدؐ کے ساتھ ساتھ — ہر جا مثالِ خدمت و عفت، علیؑ علیؑ
کعبہ کے دل کی بات ہے، کعبہ سے پوچھئے — کیوں کہہ رہی ہے جائے ولادت، علیؑ علیؑ
نورِ محمدیؐ کی ہیں جلوہ فروزیاں — آئینۂ دل، جلائے عقیدت، علیؑ علیؑ
دنیا نہ ہم سے خاک نشینوں کو چاہیے — ہم بوترابیوں کی ہے دولت، علیؑ علیؑ

منقبت[۲]

(در مدح حضرت علی علیہ السلام)

(نعرۂ مستانہ)

مجموعۂ صفات، علیمؑ، علیؑ علیؑ — مولائے کائنات، علیمؑ، علیؑ علیؑ
مسجودِ دو جہاں سے، وہ اس کا خلوصِ ربط — سجدہ ہی جس کی ذات، علیمؑ، علیؑ علیؑ
قرآن اس طرح سے بسا بات بات میں — جیسے ہو گھر کی بات علیمؑ، علیؑ علیؑ
ذاتِ علیؑ صفات، محمدؐ کی آن بان — نفسِ نبی صفات، علیمؑ، علیؑ علیؑ

۱۔ یہ شعر پیامِ عمل میں شامل نہیں ہے۔

۲۔ مطبوعہ:
ضمیر اختر نقوی (مرتب) مجلہ یادِ آلِ رضا، کراچی، بہاری منزل ۱۹۷۸ء صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷ مطبوعہ منقبت میں مطلع یہ درج ہے۔
حلالِ مشکلات، علیم، علیؑ علیؑ —— مولائے کائنات، علیم، علیؑ علیؑ
جبکہ دونوں مصرعے درج بالا منقبت میں مصرعہ ثانی کے طور پر شامل ہیں۔ اس کے علاوہ محض شعر نمبر ۳، ۶، ۱۱، ۱۲ شاملِ اشاعت ہیں۔

اسلام کا وقار، محمدؐ کا ہر قدم — اسلام کا ثبات علیمؔ، علیؑ علیؑ
کس کو پکارتی تھی، یہ اعلانِ خیبری — ختمِ رسلؐ کی ذات، علیمؔ، علیؑ علیؑ
پر کھی ہوئی ہے، کس کی یہ اہلبیت کی شان — حلالِ مشکلات، علیمؔ، علیؑ علیؑ
جچتی رہی ہے کس پہ شباہت رسولؐ کی — ہجرت کی ساری رات، علیمؔ، علیؑ علیؑ
کس نے عطا کیا ہے، خدا و نبیؐ کے بعد — سرمایۂ نجات، علیمؔ، علیؑ علیؑ
اونچی ہوئی ہے کس کے مذاقِ بلند سے — بھنی جویں کی بات، علیمؔ، علیؑ علیؑ
کس کی کفالتوں سے، شبِ ماہ بن گئی — بیکس گھروں کی رات، علیمؔ، علیؑ علیؑ [1]
مولاؑ، کبھی مجھے بھی، یہ اندازِ تجری — اک لمحۂ حیات، علیمؔ، علیؑ علیؑ
محتاج اس نگاہ کا سائل، ترا رضا — تو چشمِ التفات علیمؔ، علیؑ علیؑ

منقبت

(در مدح حضرت علی علیہ السلام)

گھٹی گھٹی سی تھی فضا، چلی چلی، ہوا چلی — علیؑ علیؑ علیؑ علیؑ ۰ علیؑ علیؑ علیؑ علیؑ
کھلے گی دل کی وہ کلی، بڑی تھی جو ملی دلی — علیؑ علیؑ علیؑ علیؑ ۰ علیؑ علیؑ علیؑ علیؑ
ہے مشکلوں میں کھل بلی، بچی ہے وہ چلا چلی — علیؑ علیؑ علیؑ علیؑ ۰ علیؑ علیؑ علیؑ علیؑ
کہا ہے اور بارہا، کہا علیؑ، بلا ٹلی — علیؑ علیؑ علیؑ علیؑ ۰ علیؑ علیؑ علیؑ علیؑ
رہا نہ کافروں میں دم، علیؑ کی تیغ جب چلی — علیؑ علیؑ علیؑ علیؑ ۰ علیؑ علیؑ علیؑ علیؑ
کسی کا شر ہو، رضا، پکار دو گلی گلی — علیؑ علیؑ علیؑ علیؑ ۰ علیؑ علیؑ علیؑ علیؑ

لہ اس شعر کا دوسرا مصرعہ مجلہ میاد آل رضا میں یوں طبع ہوا ہے۔
ع بیکس گھروں کی بات، علیمؔ، علیؑ علیؑ

منقبت [1]

(در مدح حضرت عباسؑ علمبردار)

ازل ہی سے ہوا مخصوص یہ اندازِ تابانی
حسینی نور ہو اور عالمِ عباسؑ نورانی

رہے عباسؑ یوں وابستہ سرکارِ حسینیؑ سے
کوئی سجدے میں رکھ دیتا ہے جیسے اپنی پیشانی

علَم دستِ بریدہ سے گرا تھا خاک پر لیکن
علَم کرتا رہے گا اپنے منصب کی نگہبانی

علَم دیکھو، تو یہ شانِ نشاں بھی غور سے دیکھو
جھلکتی ہے علَم میں کس علمداری کی تابانی

سرِ فرقِ وفا، طرہ بندھا ہے اس شہامت کا
حسینیتؑ کو وجہِ فخر تھی عباسؑ سلمانی

سلام اس جاں بلب اور شیر دل پیاسے کی غیرت پر
کہ چلو میں بھی آیا اور منہ تکتا رہا پانی

وہاں جا کر کوئی دیکھے، جہاں سے ہٹ گیا دریا
کہ مارے شرم کے اب پاس بھی بہتا نہیں پانی

منقبت [2]

(در مدح حضرت امام حسین علیہ السلام)

حسینیتؑ شرف، مجموعۂ اقدارِ انسانی
کرے گا حشر تک، ہر عصر میں، اسلام سلمانی

حسینیتؑ میں سرگرمِ عمل، آیاتِ قرآنی
دکھائیں گی ہمیشہ آفتابِ دیں کی تابانی

یہ روشن کر رہی تھی، شہؑ کی قربانی پہ قربانی
سیاہی ہی سیاہی کاٹتا ہے نورِ [3] ایمانی

۱۔ یہ منقبت ۲۶ ستمبر ۱۹۷۱ء کو معرضِ تخلیق میں آئی اور جناب بدر الہ آبادی (مقیم کراچی) کے دولت کدے پر ایک بزمِ مقاصدہ میں پڑھی گئی۔

۲۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ منقبت ایک مسودہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوئی ہے۔

۳۔ علیحدہ کاغذ پر یہ شعر یوں درج ہے:

یہ روشن کر رہی تھی، شہؑ کی قربانی پہ قربانی
سیاہی پر سیاہی کاٹتا ہے نورِ ایمانی

یہ دم کتنے عظیم انسان کے حصہ میں آیا تھا
کہ تلواروں کی دھاریں موڑ دے کردارِ انسانی

جہانِ ذکر میں بجتا ہے کس کے نام کا ڈنکا
جہانِ دل میں ہے، مانی ہوئی کس کی جہانبانی

زبانِ حق پہ یہ چرچا ہے کس کی ناخدائی کا
خدا کا نام یوں لیتے ہیں، جب کشتی ہو طوفانی

دکھاتا تھا یہ کس کا زیرِ خنجر آخری سجدہ
کہ دل سجدے میں ہوتا ہے تو یوں کھلتی ہے پیشانی

یزیدیت نے اپنے زعم میں جس کو مٹا ڈالا
اسی کی ٹھوکروں میں ہے، یزیدی تاجِ سلطانی

ملا اسلام کو وہ فیض، ایثارِ حسینؑ سے
کسی دشتِ بلا میں، جیسے پیاسے کو ملے پانی

بنی رکھی تھی اک شکلِ جہاد، آیاتِ قرآں میں
مگر لوگوں نے بعدِ کربلا، وہ شکل پہچانی

اور اس کے بعد، یہ ہے لازم و ملزوم کی صورت
حسینؑ اسلام، قربانی، حسینؑ اسلام، قربانی

منقبت[1]

(در مدح امام حسین علیہ السلام)

(طرحی[2])

ہیں کچھ اشعار، لیکن ذوقِ مدحت کی جو بن آئی
بنا سکتی ہے سورج، چند ذروں کی توانائی

نہ ہو آنکھوں میں، جب تک معرفت انگیز بینائی
حسینؑ منزلت سے ہو نہیں سکتی شناسائی

فضا، عصمت سرائے سیدہؑ کی جگمگا اٹھی
ہوئی ایک تیسری شعبان کو وہ جلوہ فرمائی

وہ آغوشِ مجاہد اور وہ انوار کی بارش
وہ اس آغوش کی زینت، وہ اس زینت کی زیبائی

وہ گھر، اور اس میں محبوب و محبت کی وہ معراجیں
الٰہی آیتِ بعثت، رسولؐ اللہ شیدائی

ہے یہ بھی منفرد اک تذکرہ شاہِ شہیداں کا
وہ فرشِ کربلائی، وہ حسینؑ مسند آرائی

۱۔ یہ طرحی منقبت ۲۳ ستمبر ۱۹۷۳ء کو معرضِ تخلیق میں آئی اور عزم جونپوری (مقیم کراچی) کے دولت کدے پر پڑھی گئی۔

۲۔ اس طرحی منقبت کا مصرعہ طرح آلِ رضا نے یہ لکھا ہے:
؂ "حسینؑ آئے پیمبرؐ کے گلستاں میں بہار آئی"

جنابِ ثانیِ زہراؑ، جنابِ سبطِ پیغمبرؐ　　کہیں دنیا نے دیکھے اور بھی ایسے بہن بھائی
عقیدت ہو اگر مقبول تو محسوس بھی ہو گا　　کہ سرکارِ امامت کی طرف سے، یہ صدا آئی
قریب آؤ، قریب آؤ، حسینیؑ رنگ اپناؤ　　ارے کب تک، یہ پیچھے دور کی رسمی شناسائی
جہاں پر دم لیا شبیرؑ نے، سجدے میں سر دیکر　　وہاں کی خاک کے ذروں میں ہے طرزِ جبیں سائی
رضاؔ، رہتا ہے جن کو واسطہ یادِ حسینیؑ سے　　انہیں کیوں ہو کسی عالم میں بھی، تکلیفِ تنہائی

منقبت

(در مدح حضرت امام مہدی علیہ السلام)

معتبر انتظار ہو تو سہی　　مستند اعتبار ہو تو سہی
بیکراں ہے، عطائے ایمانی　　کوئی امیدوار ہو تو سہی
آ کے ٹھہرائے دل، وہ جانِ قرار　　دل مگر بے قرار ہو تو سہی
پھر چمن میں بہار آ جائے　　اہتمامِ بہار ہو تو سہی
پیروی کا زباں پہ دعویٰ　　پیروی کا شعار ہو تو سہی
وقت کا امتحاں ہے، وقت کے ساتھ　　ہمتِ پائیدار ہو تو سہی
حق نما آئے، زعمِ باطل جائے　　حق پہ دارومدار ہو تو سہی
کس طرح آئے، یوں امامِ وقت　　وقت کا وہ وقار ہو تو سہی
دیدہ و دل کہاں ہیں فرشِ راہ　　انتظار، انتظار ہو تو سہی
آنے والا، ضرور آئے گا　　اعتبار، اعتبار ہو تو سہی
کیوں رضاؔ، تم اور ان سے عہدِ وفا!!　　عہد یہ استوار ہو تو سہی

منقبت

(در مدح حضرت علی علیہ السلام)

بنامِ محمدؐ بکارِ خدائی　　بدستِ علیؑ مہرِ مشکل کشائی

زمانے کے حصے میں، حاجت خدا سے ۔۔۔ یہ اللہ کے حصے میں، حاجت روائی
علیؑ ہو کے رہتا ہے، مولودِ کعبہ ۔۔۔ خدا نے یہ کعبہ کی منزل دکھائی
پیمبرؐ ہیں، اور خانہ زادِ خدا ہے ۔۔۔ وہ آغوش اور مصحفِ رونمائی
خدا کی مشیت نے، شکلِ علیؑ میں ۔۔۔ نبیؐ پیار کر لیں، وہ صورت بنائی
علیؑ سے نبیؐ تک، نبیؐ سے خدا تک ۔۔۔ تعارف، بتدریج، حدِ رسائی
صفاتِ علیؑ کی بلندیٔ منزل ۔۔۔ یہ کیا کم ہے، سب کی سمجھ میں نہ آئی
رہے کیوں نہ قائم، نشانِ امامت ۔۔۔ رسالت نے خود کی ہے پرچم کشائی
رضاؔ ہے درِ مرتضیٰؑ، بابِ جنت ۔۔۔ مگر ہو تو لے، تبرئیؑ جبہ سائی

منقبت

(در مدح امام حسین علیہ السلام)

آئے حسینؑ حق کی حفاظت کے واسطے ۔۔۔ آغوشِ سیدۃؑ ہے، شہادت کے واسطے
اللہ کے پیام کی خاطر، حیاتِ نو ۔۔۔ اللہ کا رسول، ضمانت کے واسطے
کعبے سے کہہ رہا ہے، یہ مولد حسینؑ کا ۔۔۔ ہم تم ہیں، لاجواب ولادت کے واسطے
جنتِ نبیؐ کی گود میں، نفسِ نبی کی جان ۔۔۔ ماں کی نگاہ، نازِ امانت کے واسطے
آغوش اور زینتِ آغوش میں وہ رہا ۔۔۔ محراب میں امام، اقامت کے واسطے
زہراؑ کا چاند، اپنے افق پر ہے جلوہ گر ۔۔۔ تطہیرِ دید، رویتِ آیت کے واسطے
قرآں مزاج، حسنِ سماعت، حسینؑ کا ۔۔۔ اور فاطمیؑ زبان، تلاوت کے واسطے
رتبہ تو، اب ردائے مصلیٰ کا دیکھیے ۔۔۔ زانو پہ کس کے، کس کی حفاظت کے واسطے
اعلان کر رہے ہیں، یہ بچے کے خال و خد ۔۔۔ ماں منتخب ہوئی ہے، سیادت کے واسطے
تصدیق کر رہی ہے، نواسے کی آن بان ۔۔۔ نانا چنا گیا ہے، رسالت کے واسطے
جھولے کے گرد، آب و ہوا ذوالفقار کی ۔۔۔ مولا علیؑ کا خون، شجاعت کے واسطے
چہرہ سجا ہوا ہے، اب و جد کی شان سے ۔۔۔ ماتھا دھلا ہوا ہے عبادت کے واسطے

نانا ہیں، ماں ہیں، باپ ہیں، بھائی ہیں، جلوہ گر
کیا اور چاہئے تھا، شباہت کے واسطے

ہمراہ ہیں علیؑ کے حسنؑ، دیکھئے حسینؑ
کیا کیا ہیں انتظام امامت کے واسطے

اللہ کی طرف سے یہ تحفہ ہے پانچواں
انسان کے علوئے شرافت کے واسطے

ہے کربلا نواز، تقاضائے تربیت
کیا ذمہ داریاں ہیں، ریاضت کے واسطے

دھومیں ہیں، صبر و شکر و جہاد و ثبات میں
چلتا ہے کون کون زیارت کے واسطے

کھلا دیا گیا تھا، شہیدوں کی بزم میں
ہم نے چنا، حسینؑ، صدارت کے واسطے

نامِ حسینؑ میں ہے، جو درکار ہو رضا
انسان کے کمال شرافت کے واسطے

منقبت [1]

(در مدح حضرت علی علیہ السلام)

محمدؐ کو نبی کی حیثیت سے جس قدر سمجھے
علیؑ کی منزلیں دیکھیں، مشیت کی نظر سمجھے

یہیں پر ہو گئیں، اپنی عقیدت کی حدیں قائم
رسولؐ اللہ کی باتوں کو بے حد معتبر سمجھے

بھٹکنا تھا نصیری کو، نظر نے دے دیا دھوکا
سمجھنا تھا ہمیں، اپنے علیؑ کو دیکھ کر سمجھے

ملے محبوبِ داور کو علیؑ، قرآن سے پہلے
محبت کیوں نہ دل سے کام لینے کا ہنر سمجھے

مچیں کعبہ میں دھومیں، آمدِ مولودِ کعبہ کی
فضائے انقلاب آثار کو دیوار و در سمجھے

بجا خیبر میں ڈنکا، فاتحِ خیبر کے آنے کا
علم لہرا اٹھا، صدقِ مخبرِ اہلِ خبر سمجھے

جمالِ لافتا، آئینہ من کنت مولا میں
سجا ایسا کہ دل والے، دلِ آئینہ گر سمجھے

۱: مطبوعہ:

(i) اے۔ ایچ۔ جعفری (مدیر) ماہنامہ "پیامِ عمل" لاہور، مئی ۱۹۶۳ء صفحہ ۳
رسالے میں مطبوعہ اس منقبت میں مقطع موجود نہیں ہے اور یہ شعر اضافی ہے۔

سمجھتے ہیں، خدا رکھے، سمجھ میں خوب آتا ہے
نبیؐ جو رشتۂ حسنِ اخوت خوب تر سمجھے

(ii) جواد الاصغر نقوی (مدیر) پندرہ روزہ "ارشاد" کراچی، یکم جنوری ۱۹۶۰ء صفحہ ۳

شبِ ہجرت کے بستر سے، غدیرِ خم کے منبر تک — سمجھنے کے لیے کیا کچھ نہیں، انساں اگر سمجھے
کہو، ایمان والو، کیا سمجھنا چاہیے ان کو — جسے والی و وارث فاطمہؑ زہرا کا گھر سمجھے
وہ ساجد، وہ کلیمِ طورِ سینائے جبیں سائی — نہ ہوں معبود سے باتیں، تو سجدہ دردِ سر سمجھے
علیؑ چشمِ رسالت میں، نبیؐ چشمِ امامت میں — وہی دیکھے، وہی جانے، جو آدابِ نظر سمجھے
علیؑ سمجھے ازل سے تا ابد، کارِ محمدؐ کو — یہی جیسے کہ روداد سفر کو ہم سفر سمجھے
خدا جانے کہاں جا کر، علیؑ کی منزلیں ٹھہریں — بلندی ہی بلندی کو کوئی کس سطح پہ سمجھے
رضاؔ سمجھو علیؑ کے حق میں یوں قولِ محمدؐ کو — کہ ہم جو خوب سمجھے، وہ وہیں، خوب تر سمجھے

منقبت

(در مدح حضرت علی علیہ السلام)

(مخمس)

سمجھتے ہوں گے اہلِ علم، اس کا مرتبہ کیا ہے — مع الحق، جس کی جانب ایک ادنیٰ سا اشارہ ہے
جسے خلقِ نبیؐ نے جو کہا، وہ اس کو زیبا ہے — جسے منبر نے پرکھا ہے، غدیرِ خم نے جانچا ہے
اسی کو ہم علیؑ کہتے ہیں، اور مولا سمجھتے ہیں

کیا ممتاز حق نے جس مجاہد کی وساطت سے — شجاعت کو عبادت سے، عبادت کو شجاعت سے
خدا شاہد، مزیّن کر دیا جس کی کرامت سے — عدالت کو سخاوت سے، سخاوت کو عدالت سے
اسی کو ہم علیؑ کہتے ہیں، اور مولا سمجھتے ہیں

منقبت [1]

(در مدح امام حسین علیہ السلام)

(طرحی) [2]

ذکرِ شبیرؑ میں جو لذت ہے — آنکھ کی آب، دل کی زینت ہے

۱۔ یہ طرحی منقبت ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو ... میں تخلیق میں آئی۔

۲۔ آلِ رضا نے طرح مصرعہ یہ درج کیا ہے۔

ع مدحِ سبطِ نبی عبادت ہے

حفظِ خالق میں کیوں نہ ہو یہ ذکر یہ بھی قرآن کی حفاظت ہے
دوستو، آؤ، مل کے مدح کریں "مدحِ سبطِ نبیؐ عبادت ہے"
قدرِ نعمت کی ہو، اگر توفیق یہ وظیفہ، عظیم نعمت ہے
دل سے اپنے، حسینؓ کی باتیں اپنا سرمایۂ حکایت ہے
ہیں حقیقت میں ہم، برائے حسینؓ اور یہ کتنی بڑی حقیقت ہے
بات یہ اور ہے کہ بن نہ پڑے ورنہ بنیاد، حسنِ خلقت ہے
اے مرے دل کی جان، دردِ حسینؓ تو ہو جس دل میں، اس کی زینت ہے
اور کارِ محمدیؐ کے لیے صرف زینت نہیں، ضرورت ہے
نازِ شانِ حدیثِ منیت کیا رسالت ہے، کیا امامت ہے
جس زمیں میں ہے، جذبِ خونِ حسینؓ اس میں تبلیغ کی امامت ہے
ہو جو پیشِ نظر، حسینؓ کا دل ہر نظر، اک نئی عبادت ہے
جدوجہدِ حسینؓ، زندہ باد نعرۂ حق یہ تا قیامت ہے
کتنی اسلام کے خزانے میں کس کی قربانیوں کی دولت ہے
کوئی مانے نہ مانے، اب اسلام یا حسینؓ! آپ کی بدولت ہے
لوگ جگ بیتی، ہم حدیثِ حسینؓ اپنی اپنی رضا، طبیعت ہے

(ق)[۱]

دوستو! دلفروز و حق آموز اک نیا تحفۂ سماعت ہے
صرف تخئیل ہے مگر کتنی نازپروردۂ عقیدت ہے
کہئے صلوٰۃ، سامعین کرام پھر وہ سنیے جو عرضِ خدمت ہے
ایک دن جیسے آ گیا یہ نظر بارگاہِ شہِ شہادت ہے
اور جیسے ادھر سے آئی صدا جس میں شفقت بھری ہدایت ہے

۱۔ قطعہ بند اشعار کی وضاحت آلِ رضا نے خود فرمائی ہے:

"نام لیتے ہو اور برائے نام — خیر، آؤ بھی، کچھ تو نسبت ہے
اور پھر جیسے ہم نے عہد کیا — "عفو، کیجئے، بڑی ندامت ہے"
کاش اک دن رضا یہی ہو جائے — جو تصور تھا، اب حقیقت ہے

منقبت[1]

(در مدح حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام)

مرحلہ حق کی نیابت کا بہت مشکل ہے — اہلیت اس کی، اسی میں ہے، جو اہلِ دل ہے
دل کا دمساز ہو، صاحب نظری کا بھی شرف — زیب صاحب نظری، پہ جگری کا بھی شرف
ہر قدم، رہروئ حق میں، فدا کاری ہے — فرش کانٹوں کا، رہِ حق کی طرحداری ہے
منزلیں طرزِ روش کی ہوں، ہم کانٹوں پہ — خوں سے تلووں کے بنیں، نقش قدم کانٹوں پہ
صاحبِ طرز کچھ ایسے ہی، جدھر سے گزرے — راستے خود یہ پکارے کہ ادھر سے گزرے
رنگ ہر چند زمانے کا بدل جاتا ہے — آج تک چشم بصیرت کو نظر آتا ہے
ہے رقم کوفہ کی گلیوں میں، حق آگہ کا نام — نائبِ سبطِ نبی، مسلم ذی جاہ کا نام
ذکر جب کیجئے، یہ لطف سوا ہوتا ہے — فرض یوں حق کی نیابت کا ادا ہوتا ہے
کام اس حق کی نیابت کا تھا، کتنا مشکل — پہلوئے مسلم جانباز میں بھی، واہ رے دل
دل وہ دل، جس پہ کہ صاحب نظری ناز کرے — وہ نظر، جس پہ دل پر جگری ناز کرے
آئے آندھی بھی تو لہرانے نہ دے (لو)[2] وہ چراغ — ذمہ داری امامت کے ہراول کا دماغ
پیکرِ حلم و شجاعت، شرف عقل جمیل — وہ فدا کار جو تھا جوہرِ تورِیثِ عقیل
نصرتِ دینِ خدا کی وہ للک غالب تھی — ہاشمی خون میں، خو بوئے ابوطالب، تھی
معتقد اتنا کہ مرغوبِ مزاجِ شبیر — معتبر اتنا کہ اقدامِ حسینی کا سفیر

ا۔ آل رضا کے ہاتھ سے لکھی یہ منقبت ایک بیاض میں دستیاب ہوئی ہے۔

۲۔ [illegible] دستیاب منقبت میں یہ لفظ موجود ہے۔

جس کا دل، سبطِ رسولِ دوسرا کے دلخواہ
جس کی آنکھوں میں تھی، اقدارِ حسینی کی نگاہ

جس کے کردار نے دکھلائے، بہ تشکیلِ نظام
ایک جا، مسلم و تسلیم و سلام و اسلام

جس کے ہاتھوں سے پڑی کوفہ میں اس کی بنیاد
کربلا میں جو ہوا شاہِ شہیداں کا جہاد

جس کے حصے کا تھا، پردیس میں تنہا جا کر
نصرتِ حضرتِ شبیرؑ کا پہلا منظر

بابِ نصرت کا وہ کھولا کہ رہے جس پہ نگاہ
خود ہی گویا، لبِ نصرت نے کہا، "بسم اللہ"

مل گیا وقتِ شہادت جسے بھرپور آرام
دور سے بھیج کے سرکارِ حسینی پہ سلام

اہلِ غیرت کے فریضے کا نشاں دے کے اٹھا
دارِ دنیا سے جو نصرت کی اذاں دے کے اٹھا

بامِ تبلیغ سے جو باغِ جناں تک پہنچا
اپنے منصب کی فضاؤں میں کہاں تک پہنچا

جس نے جنت میں بھی پیغام یہ پہنچایا ہے
شاہؑ دیں آتے ہیں، فی الحال سفیر آیا ہے[1]

منقبت[2]

(در مدح حضرت امام حسین علیہ السلام)

(طرحی)[3] (ناکمل)[4]

کس ذکر سے وابستہ، کس لطف کی محفل ہے
سب عقل کی باتیں ہیں، سب سلسلۂ دل ہے

ہم نے درِ ایماں سے، کس کا یہ پتہ پایا
اس شہرِ مقدس میں، اک بار گہِ دل ہے

آدابِ رسائی بھی، سمجھے وہ، جو یہ جانے
تخئیلِ تقرب ہی کس ناز کے قابل ہے

آنکھوں میں جو ہیں آنسو، غم کے بھی، خوشی کے بھی
تقریبِ مسرت میں، اک درد بھی شامل ہے

۱۔ کارڈ پر لکھی ہوئی منقبت پر یہ تاریخ رقم ہے:
"۔۔۔۔ ۲۳ جنوری ۱۹۶۷ء ۔۔۔۔"

۲۔ یہ طرحی منقبت ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو معرض تخلیق میں آئی۔

۳۔ آلِ رضا نے اس منقبت کا مصرعِ طرح یہ تحریر کیا ہے۔
ع شبیرؑ ہی جادہ ہے شبیرؑ ہی منزل ہے

۴۔ لفظ "ناکمل" آلِ رضا نے خود تحریر کیا ہے۔

معراجِ شہادت کا رستہ تہہ خنجر تک!
اللہ رے وہ جادہ، کیا رفعتِ منزل ہے

اے حسنِ عقیدت! امن، کیوں خوف ہو طوفاں کا؟
اے عزمِ حسینیؑ آ، ہر موج میں ساحل ہے

کہتا ہے رضاؔ اس سے، جو اہل ہو سننے کا
یہ درد وہ ہے دل میں، جس درد میں بھی دل ہے

منقبت [۱]

(در مدح حضرت علی علیہ السلام)

آمدِ مولودِ کعبہ، یوں خدا کے گھر میں ہے
میزباں کی ذمہ داری، قلبِ پیغمبرؐ میں ہے

یوں تو کتنے، حق نما، حق کے ولی پیدا ہوئے
کھل اٹھا نورِ محمدؐ، جب علیؑ پیدا ہوئے

کس نے بھیجا، کس کی خاطر، ایک افسانہ بنا
بچے کی منزل، خدا کے گھر، زچہ خانہ بنا

واہ رے جوشِ محبت، کیا کشش دکھلا گیا
واہ رے، آغوش، بچہ خود ہمک کر آ گیا

ایسے گلچیں کے لیے، ایسا ہی گلشن چاہیے
پھول ایسا ہو، تو پھر ایسا ہی دامن چاہیے

دینے والا، جب عطائے بیکراں پر آ گیا
پانے والا، خانۂ کعبہ میں، سب کچھ پا گیا

درسِ تاریخی میں، پر از زندگی تاریخ تھی
تیرھویں ماہِ رجب کی، اک نئی تاریخ تھی

ہاشمی، لختِ جگر، اسلام کا دل بن گیا
چودھویں کا چاند نکھرا، ماہِ کامل بن گیا

جگمگا اٹھیں فضائیں، روشنی ہر سو چلی
لکھ گیا، خطِ جلی میں، یا محمدؐ یا علیؑ

ایک سے دو ہو گئے، ایماں فزا وسعت ملی
جدوجہدِ احمدیؐ کو، حیدریؑ قوت ملی

ایک نے آئینہ ایماں مکمل کر دیا
دوسرے نے دیکھ کر آئینہ، صیقل کر دیا

ایک نے اک گھر بنایا، امنِ انساں کے لیے
دوسرے نے گھر سجایا، حسنِ ایماں کے لیے

اللہ اللہ، کیوں نہ ہوتا، روح اور قالب کا ساتھ
وہ محمدؐ اور علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کا ساتھ

جوششِ تبلیغِ حق کو، با اثر پہلو ملے
بت شکن جذبہ ملا، خیبر شکن بازو ملے

رہ گئی دنیائے دوں، بگڑی ہوئی شاہی لیے
بڑھ گیا دینِ خدا، زورِ یداللّٰہی لیے

۱؎ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا اس منقبت کا نسخہ ایک بوسیدہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوا ہے۔

مصطفیٰ کے نور کا ٹکڑا، علیؑ مرتضیٰ
ہم جلیسِ صاحبِ لولاک، شانِ کبریا

قوتِ بازوئے پیغمبرؐ، امامِ اولیں
ہے نبوت، مظہرِ اوصافِ ختم المرسلینؐ

زینتِ منبر علیؑ، سیف و قلم کا افتخار
سرورِ میدانِ شجاعت، عابدِ شب زندہ دار

مسند آرائے ولایت، نازشِ ام الکتاب
دست در دستِ نبیؐ، مَن کُنت مولا، کا جواب

ہر عمل اسلام ساز و ہر خیال ایماں اساس
وہ قمیصانہ تبحر، وہ فقیرانہ لباس

عمر کی ساری زندگی لیکن نہایت کام کی
پیکرِ قرآں، مجسم سادگی اسلام کی

بزم اسلامی قناعت کی سنواری، خوش رہے
زندگی نانِ جویں کھا کر گزاری، خوش رہے

مرضیِ حق کا نتیجہ ہو، تو مجبوری پہ فخر
پاک روزی کا وسیلہ ہو تو مزدوری پہ فخر

بے گناہی، رفعتِ عصمت مآبی ہو گئی
خاکساری، بڑھتے بڑھتے بوترابیؑ ہو گئی

چشم ہجرت میں ہے، اب تک شانِ خوابِ حیدریؑ
چھاؤں تلواروں کی، بوئے بسترِ پیغمبریؐ

افتخارِ زوجیت، بنتِ نبیؐ سے پوچھیے
باپ کیسا ہو حسینؑ ابن علیؑ سے پوچھیے

وہ معلم، جس کی تعلیموں سے شہرِ علم شاد
وہ مجاہد، یاد کرتے تھے جسے حق کے جہاد

جب بڑھے، اونچا ہوا، کچھ اور اسلامی علَم
جب کہا اللہ اکبر، فتح نے چومے قدم

حشر تک ہے دینِ حق اور دینِ حق کی یہ پکار
لافتیٰ الا علیؑ، لا سیف الا ذوالفقار

زندگی کچھ ایسی تخصیصِ عبادت کے لیے
مسجد و صوم و صلوٰۃ اک جا شہادت کے لیے

سر پہ ضربت اور وہ مولودِ کعبہ کی ادا
شکر ہے، میں ربِ کعبہ کی قسم فائز ہوا

تشنہ لب قاتل، رسن بستہ جو آیا سامنے
آبِ شیریں اس کو بخشا صاحبِ اکرام نے

شانِ ختمی مرتبت، دو معجزے کتنے جلی
ایک قرآں، دوسرا نفسِ نبیؐ یعنی علیؑ[۱]

۱۔ کاغذ پر درج منقبت میں آخری چار اشعار شامل نہیں ہیں تاہم روشنائی کے فرق سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آخری چاروں شعر بعد میں کہہ کر شامل کیے گئے ہیں۔

منقبت

(در مدح حضرت امام حسین علیہ السلام)

(ناکمل)[۱]

شبیرؑ کی ولادت، اسلام پروری ہے — غم کا ہے پیشِ خیمہ، لیکن بڑی خوشی ہے

آغوشِ فاطمہؑ میں، جو آیتِ جلی ہے — قرآن مصطفیٰؐ کی، تفسیرِ حیدری ہے

بچہ ہمک رہا ہے، نانا نبیؐ کی جانب — شانِ "حسینؑ منی" کیا زیب دے رہی ہے

اے کربلا کی منزل، آ اور دیکھ آ کر — یہ وہ قدم ہیں جن میں مقصد کی دلکشی ہے

اے زندگی کی رفعت، اے عظمتِ شہادت — لے یہ قدم کہ ان میں تیری ہمیشگی ہے

تیور بتا رہے ہیں، عزمِ حسینؑ والے — اک برقِ انقلابی، ہم میں تڑپ رہی ہے

۱۔ لفظ "ناکمل" آل رضا نے خود تحریر کیا ہے۔

سلام

سلام

دبک جو اٹھا یزیدی دھواں، تو کیا ہوتا؟
اگر حسینؑ نہ ہوتے وہاں، تو کیا ہوتا؟

یزید اور یہ جسارت کہ ڈھونگ تھا اسلام
نہ ٹوک دیتی حسینی زباں، تو کیا ہوتا؟

جہاں تھی کشتیِ اسلام، سخت طوفانی
وہاں، نہ کھلتا جو وہ بادباں، تو کیا ہوتا؟

جبینِ سجدۂ اسلام پہ بصد ظلمت
جو کربلا کا نہ ہوتا نشاں، تو کیا ہوتا؟

نماز پھر ہوئی قائم، زہے صدائے حسینؑ
نمازیوں کو ترستی اذاں، تو کیا ہوتا؟

بچا رہے تھے، اصولِ رسولؐ، آلِ رسولؐ
نہ ذبح ہوتا جو وہ خانداں، تو کیا ہوتا؟

علوئے ہمتِ شبیرؑ دیکھ کر، یہ بتاؤ
جو ہوتا اور بھی کچھ امتحاں، تو کیا ہوتا؟

دلوں میں اپنے ہے رونق، حسینؑ کے دم سے
یہاں نہ ہوتے جو یہ میہماں، تو کیا ہوتا؟

غمِ حسینؑ نے کتنے غموں سے دی ہے نجات
یہ غم نہ ہوتا اگر مہرباں، تو کیا ہوتا؟

جو چاہیے تھا وہ فیضِ عزا نصیب کہاں
جو سلسلہ ہے مگر، رائیگاں، تو کیا ہوتا؟

یہ خوش ترابیِ خاکِ شفا کا حسنِ مزاج!
یہی نہ ہوتا رضاؔ، حرزِ جاں، تو کیا ہوتا؟

سلام

کیا عہدِ عبودیت تھا رضاؔ اک حرف بھی پورا ہو نہ سکا
وہ اور کسی کا کیا ہو گا، جو اپنے خدا کا ہو نہ سکا

سربسرِ عبادت نذرِ خدا، دل بہرِ وفا، راضی بہ رضا
بے شانِ حسینی انساں سے، اس شان کا سجدہ ہو نہ سکا

شبیرؑ کا غم ہے، مصلحِ دل، یہ غم ہے تو پھر وہ آنسو کیا؟
جو دل کی ٹھنڈک بن نہ سکا، جو آنکھ کا تارا ہو نہ سکا

لینے کو بلائیں اپنے ہی سر، تھے چشم و چراغِ پیغمبرؐ
اسلام مٹے، انسان مٹے، اس گھر کو گوارا ہو نہ سکا

اس فتنۂ عداوت کوشی میں، دیکھا یہ نگاہِ حق بیں نے
مسلم نے جو چاہا، ہو کے رہا، منکر نے جو چاہا ہو نہ سکا

وہ دن ہے حسینی طلعت کا، جو حشر کے دن تک روشن ہے
وہ شب تھی یزیدی ظلمت کی، جس شب کا سویرا ہو نہ سکا

شبیرؑ میں ہے ایسی ہی کشش، ہم ہمیں تو کھلیں دل کھنچتا ہے
جو حر کی طرح سوچا سمجھا، پھر اور کسی کا ہو نہ سکا

اللہ کی وہی عزت کی قسم، عزت کی قضا جو حق ہی گئی
اللہ رے، محمدؐ کا کعبہ، تشہیر سے رسوا ہو نہ سکا

خطبوں میں علی کی بیٹی کے، شبیر بھی تھے، عباس بھی تھے
اس شان کا اسلامی لشکر، پھر معرکہ آرا ہو نہ سکا

مظلوم کے خونِ ناحق سے، مذہب کی حدیں قائم ہیں رضا
لوگوں نے تماشا کر دیکھا، اسلام تماشا ہو نہ سکا

سلام

میانِ حق و باطل، کربلا ہے، اور کیا ہو گا؟
مفصّل ہو چکا ہے، کیا دوبارہ فیصلہ ہو گا

ملا کر دیکھئے اپنا عمل کردارِ سرورؑ سے
بڑھے گی خود شناسی، کم یہ جتنا فاصلہ ہو گا

یہ تھا اعلانِ شبیریؑ، لبِ سجدہ گزاری سے
تہِ خنجر ہمارا آخری سجدہ ادا ہو گا

اٹھا لائے جواں بیٹے کا لاشہ، اف نہ کی شہؑ نے
یہ چھوڑا دوسروں پہ، دل کا عالم کیا ہوا ہو گا

زمینِ کربلا سے، یوں چلے وقفِ عزا قیدی
وہاں بھی کربلا ہو گی، جہاں یہ قافلہ ہو گا

سلام [1]

شرحِ غم، یوں بھی کبھی شغلِ عزا ہو جائے گا
منہ سے نکلے گا حسینؑ، اور مرثیہ ہو جائے گا

جی بھر آئے گا، چلے جیسے مدینے سے حسینؑ
اشک ٹپکیں گے، ورودِ کربلا ہو جائے گا

دل جو تڑپا، بندھ گئی نیت نمازِ عشق کی
دم جو نکلا، آخری سجدہ ادا ہو جائے گا

مل گیا پیاسے کو پانی، چھڑ گیا ذکرِ حسینؑ
موجِ کوثر کا یہیں سے سلسلہ ہو جائے گا

روح پرور ہے، یہ کیفِ لذتِ کام و دہن
اور باتیں کیا کریں، منہ بدمزہ ہو جائے گا

ناتمامی کی دوائی سر ہے اس ذکر پہ
جب مکرر تذکرہ ہو گا، نیا ہو جائے گا

عالمِ تخلیق میں یکتا تھی یہ وضعِ نماز
سر جدا ہو جائے گا، سجدہ ادا ہو جائے گا

ا۔ مطبوعہ

(i) سید کوثر حسین (مدیر) "پیامِ عمل" لاہور، فروری ۱۹۷۲ء صفحہ ۲۱

(ii) مصطفیٰ رضوی (مدیر) ہفت روزہ "سرفراز" لکھنؤ، ۱۷ ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲

(iii) مصطفیٰ رضوی (مدیر) ہفت روزہ "سرفراز" لکھنؤ (انتخابِ کلام) ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۳۵

بیعتِ فاسق سے کہتے تھے امانت دارِ حق ہم نہ کام آئے اگر، اسلام کیا ہو جائے گا[۱]

کہہ اٹھا خنجر حسینؑ، انتہا میری نہ ڈھونڈھ امتحاں! تو کیا ہے تیرا خاتمہ ہو جائے گا

اک نظر ان سوگواروں پر بھی، اے جدِ حسینؑ اک نظر میں ہم غریبوں کا بھلا ہو جائے گا

ہم کہاں اے دل، ہمارے کربلا والے کہاں ہاں اگر جنت ولا دیں سامنا ہو جائے گا

جان تجھی ہو جا، درِ شاہِ شہیداں پر رضا کچھ نہ کچھ وابستگی کا حق ادا ہو جائے گا

سلام[۲]

نظر اپنی ہے، دل اپنا ہے، دل کا سلسلہ اپنا حسینؑ اپنے، علیؑ اپنے، نبیؐ اپنے، خدا اپنا

زمانے سے تعاون بس، ہمیں اتنا ہی آتا ہے یہاں تک ساتھ اوروں کے، یہاں سے راستہ اپنا

نصیریت زدہ ہو کر، علیؑ کو دیکھتی کیا ہیں وہ آنکھیں جن سے پہچانا نہیں جاتا خدا اپنا

نہایت بے تکلف مجلسیں ہیں، ہم غریبوں کی بلایا شاہِ دیںؑ کو، اور بچھایا بوریا اپنا

خدا شاہد، خلوصِ دل کی لہریں ہیں ان اشکوں میں خدا رکھے، بڑا دلکش ہے، سامانِ عزا اپنا

[۳] حسینیؑ قافلہ دکھلائی دیتا ہے جہاں اکثر اسی عالم میں رہتا ہے، دلِ درد آشنا اپنا

کہیں ملتا ہے، اے دنیا، مزاج ان سوگواروں کا جنہیں محسوس ہوتا ہے، وقارِ کربلا اپنا

چلا آتا تھا جھگڑا حق و باطل کا زمانے سے عدالت نے سنایا، کربلا میں فیصلہ اپنا

بچا کر جاں بلب اسلام کو، جانِ پیمبرؐ نے اٹھا کر تیر کی زد پر کلیجہ رکھ دیا اپنا

رہو حق کوش میں، فضلِ خدا، نجمِ پیمبرؐ سے رضا، ہے ارتباطِ آل و قرآں رہنما اپنا

۱۔ یہ شعر پیامِ عمل والے سلام میں موجود نہیں ہے۔

۲۔ مطبوعہ:
جعفر علی میر (مدیر) پندرہ روزہ "شہید" لاہور ۵ مئی ۱۹۶۵ء صفحہ ۹

۳۔ اس مطبوعہ سلام میں شعر نمبر ۶، ۷ شامل نہیں ہیں۔

سلام [۱]

دل سوزِ محبت سے جل جانے کا کیا کہنا — شمعِ غمِ سرورؑ کے پروانے کا کیا کہنا
جو تم ہو وہی ہم بھی، جو ہم ہیں وہی تم بھی — یوں دل غمِ سرورؑ میں مل جانے کا کیا کہنا
دل کچھ بھی نہ تھا، لیکن، ہے حبِ علیؑ دل میں — اب اس بھلے کوثر کے پیمانے کا کیا کہنا
موت آئے بلانے کو، میں سوئے نجف جاؤں — اس آنے کا کیا کہنا، اس جانے کا کیا کہنا
ہونٹوں پہ حسینؑ آقا، بالیں پہ علیؑ مولا — ایسے میں، خدا رکھے، مر جانے کا کیا کہنا
اب قصدِ عزاداری، کیا پوچھتا ہے، ناصح — گھٹنا تو نہیں ممکن، بڑھ جانے کا کیا کہنا
اظہارِ عطش اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا — بچے کا زباں سوکھی، دکھلانے کا کیا کہنا
اسلام رہے زندہ، قاتل رہے شرمندہ — اس دل سے گلا اپنا کٹوانے کا کیا کہنا
جو ہاتھ رضا آئے، اللہ سے ملوائے — تسبیح امامت کے ہر دانے کا کیا کہنا

سلام

خدا کو دیکھنا ممکن نہ تھا، نورِ خدا دیکھا — محمدؐ ہی محمدؐ کا خدائی سلسلہ دیکھا
اسی گھر کے علاوہ، اے مزاجِ نصِّ قرآنی — کہیں اپنے کو یوں از ابتدا تا انتہا دیکھا؟
گلہ کیا، ایک کو دو دیکھنے والی نگاہوں کا — محمدؐ کو اگر آلِ محمدؐ سے جدا دیکھا
مسلمانو، محمدؐ اپنی امت کس کو سمجھیں گے — اگر مفہوم ہی اسلام کا بدلا ہوا دیکھا
صعودی منزلوں میں، جا بجا، ایسے مقام آئے — جہاں رک کر، محمدؐ نے، علیؑ کا راستہ دیکھا
جسے گھیرے ہوئی تھیں خون کے پیاسوں کی تلواریں — علیؑ نے سو کے اس بستر پہ کیا معلوم کیا دیکھا
حسینؑ ابنِ علیؑ تو جزوِ تکمیلِ رسالت ہیں — اسی انداز سے ان کو نہ جب دیکھا تو کیا دیکھا
جو سمجھے ہی نہ تھے، صلحِ حسنؑ کا معرکہ کیا ہے — سمجھ میں ان کی آیا، جب، محاذِ کربلا دیکھا
وہاں، شبیرؑ نے قربانیاں بھی تیز تر کر دیں — جہاں کرب و بلا کو سخت تر صبر آزما دیکھا
ذرا سوچو تو، شاہِ دیں نے، وقتِ رخصتِ آخر — جسے جلتا تھا اس خیمے میں، ہر نسبت سے کیا دیکھا
جسے بھی ناز اپنی مسندِ شاہی پہ ہو، اس نے — درِ آلِ محمدؐ پہ رضا کا بوریا دیکھا؟

۱۔ آلِ رضا نے اس سلام کے آغاز میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ یہ ان کا سب سے پہلا سلام ہے جو ۱۹۳۹ء میں معرضِ تخلیق میں آیا۔

سلام

نام یوں بازوئے شبیرؑ کا لب پر آیا | جیسے سقائے سکینہؑ کا علم لہرایا
ہے کڑی دھوپ زمانے کی، چلو مجلس میں | لطف دے گا اسی دیوار کا ٹھنڈا سایا
صرف ہوتا ہی رہا آلِ محمدؐ کا لہو | تھا عجب کام، لگا جس میں عجب سرمایا
سوگواری کی وہ تنظیم، کہاں اور کس وقت | ایک لاشا جو گیا، دوسرا لاشا آیا
چشم پر آب میں، موتی ہی ڈھلا کرتے ہیں | ہم نے سرکارِ حسینؑ سے، یہ منصب پایا
دے دیا ہم کو رضاؔ، مشغلہ ذکرِ حسینؑ | پالنے والے نے کتنا یہ کرم فرمایا

سلام

یوں کربلا میں ایک مسلمان آ گیا | کچھ سورتیں لیے ہوئے قرآن آ گیا
مومن ہی صرف آئے نہ تھے اس جلال میں | معلوم ہو رہا تھا کہ ایمان آ گیا
آیت بنا وہ حسنِ عمل کے نزول کی | دل میں مجاہدوں کے جو ارمان آ گیا

(ق)

کوہِ ثبات تھے قدمِ نوحِ احمدی | مذہب لرز اٹھا تھا کہ طوفان[1] آ گیا
یوں آ گئے حسینؑ ہتھیلی پہ سر لیے | اسلام جی اٹھا کہ نگہبان آ گیا
انسانیت پکاری یہ نازِ حسینیت | کس منزلِ بلند پہ انسان آ گیا
جان و دلِ رضا ہے، عقیدت کی یہ کشش | دل کی طرح حسینؑ پہ ایمان آ گیا

سلام[2]

آتے جاتے مجلسوں میں اک زمانہ ہو گیا | لگ گیا جی، مرنے جینے کا ٹھکانہ ہو گیا

۱۔ آلِ رضا نے شعر نمبر ۳،۵ کو ملا کر قطعہ بند اشعار کی صورت میں ظاہر کیا ہے۔
۲۔ مطبوعہ:
سید اشتیاق حسین (مدیر) ماہنامہ "الامیر" کراچی، مارچ اپریل ۲۰۰۰ء صفحہ ۲۷۔

حاشیہ قرآن کی تمثیل کاری کے لیے[۱] جو محمدؐ تھے، محمدؐ کا گھرانا ہو گیا
اے حسینؑ، کربلا، اے کربلا والے حسینؑ کتنا تازہ واقعہ، کتنا زمانا ہو گیا
راہِ حق میں لٹنے والے، لٹ گئے اس شان سے کارنامے جمع ہو کر، اک خزانہ ہو گیا
اب تو جو چاہو، کہو، اس ظاہری اسلام کو واقعہ یہ ہے، حقیقت کا فسانہ ہو گیا
کتنے مذہب ہیں، مگر اللہ رے کردارِ حسینؑ اس جگہ تو اہلِ دل کا اک ٹھکانہ ہو گیا
کیا سوالِ آب تھا اور کیا جوابِ تیر تھا باپ کے ہاتھوں پہ جب بچہ نشانہ ہو گیا
یاد آئے گی ہمیشہ وہ شہادت کی ادا ختم جب معصومیت پہ مسکرانا ہو گیا
تھی اذانِ صبحِ آزادی، اسیروں کی پکار شام والو، کیا تمہارا قید خانہ ہو گیا
جب رضا ذاتِ محمدؐ سے شناسائی ہوئی کچھ خدا سے بھی تعارف غائبانہ ہو گیا

سلام[۲]

کیا کچھ نہیں ہے، ذاتِ محمدؐ خدا کے بعد کیا کچھ علیؑ نہیں ہیں، مگر مصطفیٰؐ کے بعد
یارب ہمیں تو اس کا سمجھنا محال ہے شک، اور ترے وجود پہ، اور کربلا کے بعد[۳]
مولا علیؑ امام تھے ان متّقین کے جو وقفِ مصطفیٰؐ ہی رہے، مصطفیٰؐ کے بعد
ممکن نہیں کہ حدِ امامت تک، اے یقین بدلے کوئی اصولِ رسولِؐ خدا کے بعد
عزمِ حسینؑ کہتا تھا، زعمِ یزید سے پوچھیں گے ہم مزاج ترا کربلا کے بعد
پانی بہا، یزید کا دامن نہ دُھل سکا کیا خونِ اجتناب ہوا، اس خطا کے بعد[۴]

۱۔ الالمیر میں یہ مصرعہ یوں درج ہے ۔ معنیٔ قرآں کی ہر تمثیل کاری کے لیے

۲۔ مطبوعہ:

(i) سید کوثر حسین (مدیر) ماہنامہ "پیامِ عمل" لاہور، مارچ اپریل ۱۹۷۳ء (اربعین نمبر) صفحہ ۳۰

(ii) نجم میر ضمیٰ (مرتب) مجلّہ حیات جاوداں، کراچی، حلقۂ احباب، س۔ن صفحہ ۸۳

۳۔ آل رضا کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اس سلام کے تین اشعار دستیاب ہوئے ہیں تاہم یہ مصرعہ یوں درج ہے۔ ع انکار تیری ذات سے اور کربلا کے بعد

۴۔ یہ شعر "پیامِ عمل" والے سلام میں موجود نہیں ہے۔

آلِ نبیؐ کا صبر پہ اللہ رے اختیار — مجبور ہو کے رہ گئے ظالم جفا کے بعد[۱]
کچھ غم زدوں کے اشکِ مسلسل کا تھا سوال — دنیا میں کیا خوشی ہے کوئی کربلا کے بعد
چھوڑا تھا کیا کسی کے لیے اس شعار میں — عباسؑ حق شناس نے اپنی وفا کے بعد
ہوتا ہے دل اداس ابھی سے جو سوچئے — وہ موسمِ خزاں جو ہے فصلِ عزا کے بعد
عباسؑ بھی حسینؑ بھی ہیں بنتِ فاطمہؑ — دیکھا یہ کربلا نے شہِ کربلا کے بعد
اے صاحبانِ رشک و حسد جاؤ خوش رہو — تم بھی رضا کو یاد کرو گے رضا کے بعد

سلام[۲]

درودِ وقت ہو اور نو بہ نو یہ سوغاتیں — کہے ہی جائے زمانہ حسینؑ کی باتیں
یہ ہم عزائی پرکیف اور یہ اہلِ عزا — یہ مجلسوں کی کشش اور یہ ملاقاتیں
خدا ہے کوئی اور ایسا خدا کہ ربِ حسینؑ — وہ کربلا وہ حسینؑ اور وہ مناجاتیں
کسی میں بھی شبِ عاشور کی جھلک ہے کہیں؟ — عبادتوں میں تو گزری ہیں اور بھی راتیں
غمِ حسینؑ میں ہر وقت اشک برسیں گے — نہ ہونے پائیں گی بے فصل کی یہ برساتیں
ارے وہ فخر و محبت ڈھلی ہوئی جن میں — لبِ رسولؐ پہ اپنے حسینؑ کی باتیں
زمانہ گزرا اسیری میں سوگواروں کو — وہ بے کسی کے دنوں کی ڈراؤنی راتیں
خیالِ اصغرؑ بے شیر میں جو دل امنڈے — طرح طرح نہ کریں رشک کیوں مداراتیں
دلِ رباب سے پوچھے کوئی جو کی ہوں گی — اجاڑ جھولے سے ماں کی نگاہ نے باتیں

۱۔ اس شعر کے بعد آلِ رضا نے درجِ ذیل شعر کو کاٹ دیا ہے:

دیتا ہے دل صدا یہ درِ اہلبیت پر
کیا چاہیے فقیر کو اس مدعا کے بعد

۲۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا یہ سلام ایک بوسیدہ کاغذ سے نقل کیا جا رہا ہے۔ دوسرا متن موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کو اصلی متن کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

سلام ؎۱

جم گیا جس جا، ترا نقشِ کفِ پا یا حسینؑ — بچھ گیا دل کی نمازوں کا مصلا، یا حسینؑ

درد بن کر دل میں آیا، کیف بن کر چھا گیا — غم طراز و غم نواز و غم سراپا، یا حسینؑ

ہم نے دل پر ہاتھ رکھا اور گویا سن لیا — اپنے ہی دل کی زبانی، "وا حسینا" "یا حسینؑ" ؎۲

سوگواروں کی ہم آہنگی، بڑی پُر کیف ہے — آئی ماتم کی صدا اور دل پکارا، یا حسینؑ ؎۳

اہلِ ماتم، یہ سمجھ لو، کس کے ماتم دار ہو — بن نہ جائے اہلِ دنیا کا تماشا، یا حسینؑ

اک جہانِ عزمِ راسخ، ایک دنیائے عمل — یوں تو کہنے کو ہے دو لفظوں کا فقرہ، یا حسینؑ

اب تو دل یہ چاہتا ہے، واسطے سے آپ کے — کوئی دنیا میں نہ رہنے پائے پیاسا، یا حسینؑ

اہلِ استبداد، اس پر خار کھاتے ہی رہے — کیوں بنا ہے بے سہاروں کا سہارا، یا حسینؑ

اور کس نے اس طرح سے، شکر کا سجدہ کیا — سامنے رکھ کر جواں بیٹے کا لاشہ، یا حسینؑ

وہ بھرا دربار، وہ پیغام پہنچانے کی شان — بے ردا اہلِ حرم، چہروں پہ لکھا، یا حسینؑ

ماورائے سجدہ، خنجر بھی، گلوئے خشک بھی — اور سجدہ کی فضا میں یا خدا تھا یا حسینؑ

ذکرِ شہ نے، ہم کو یہ تہذیبِ غم بخشی رضا — سابقہ غم سے پڑا اور منہ سے نکلا یا حسینؑ

سلام ؎۴

؎۵

دل کی زینت دردِ حسینیؑ، سر کی زینت پائے حسینؑ — آنکھ کی زینت خاص آنسو، لب کی زینت ہائے حسینؑ

مذہب و ملت کے جھگڑے کیا، مرکزِ حق جب ایک رہا — جیسے ہر انساں کے دل میں، قدرِ شہادت، جائے حسینؑ

آج بھی گویا بات ہے کل کی، صدیوں سے عالم ہے یہی — وقت کو دیکھو جھوم کے آیا، چوم کے گزرا پائے حسینؑ

درسِ حسینیؑ اللہ اللہ، کیوں نہ سمجھ میں آ جائے — اپنے خدا کی جس عظمت کو، سرود کر سمجھائے حسینؑ

۱۔ مطبوعہ:

اے۔ اے۔ زیدی (مدیر) ماہنامہ "پیامِ عمل" لاہور اپریل ۱۹۷۰ء صفحہ ۱۱

۲، ۳۔ یہ اشعار مطبوعہ سلام میں موجود نہیں ہیں۔

۴۔ یہ سلام سب سے پہلے جشنِ یادگارِ حسینیؑ لکھنؤ میں پڑھا گیا۔

۵۔ مطبوعہ:

رضی الدین حیدر (مرتب) یادگارِ عزا (بیاضِ یادگارِ حسینیؑ) الٰہ آباد اسرار کریمی پریس س۔ن۔ صفحہ ۳

دل سے عزاداروں کے پوچھو، غم کی لذت، غم پہ ناز
سب کو دعوت، ہر دم چرچا، گھر میں ہمارے آئے حسینؑ

شبیہِ تشنہ لب کی قسم ہے، بہتے دریا، سچ کہتا
اکثر تجھ کو دیکھا ہو گا، اشک کبھی بھر لائے حسینؑ

اپنے اپنے منصب و سن کے کیسے نمائندے نکلے
کربلا کے تپتے بن میں چھانٹ کے جن کو لائے حسینؑ

جتنا کرنا چاہا شہؑ نے، کر پاتے تو کیا ہوتا
ممکن عالم میں نہ تھا، جتنا کئے پائے حسینؑ

خون سے دو معصوموں کے تھی، مہرِ شہادت کی تکمیل
سب کے آخر، اپنے سے پہلے، اصغرؑ، تم کو لائے حسینؑ

علم فرشتے پاتے ہوں گے، دیکھو شانِ عبادت کی
تاجِ شہادت پہنا دینا، سجدے میں جب جائے حسینؑ

شام و کوفہ، منزل منزل، سر تھا نیزے پر ہمراہ
زینبؑ کا کیا ساتھ دیا تھا، زینبؑ کے ہاں جائے حسینؑ

خود ہے امانت کا یہ تقاضا، شہؑ کے امانت داروں سے
جو کچھ شانِ حسینیت بھی جس دم لب پر آئے حسینؑ

حق کی حمایت، دل کی طاقت، صبر و شجاعت، استغنا
سب کچھ اس کو مل جاتا ہے، جس کو رضا مل جائے حسینؑ

سلام

حسنِ عمل سے خیلِ حسینی میں آ تو لیں
اپنا کہے تو جاتے ہیں، اپنا بنا تو لیں

باتیں حسینؑ سے، کبھی باتیں حسینؑ کی
اپنی ملی جلی یہ کہانی، سنا تو لیں

جو دیدنی ہے، اس کے لیے چاہیے نگاہ
نادیدنی سے پہلے نظر کو ہٹا تو لیں

کیا دشمنانِ آلِ نبیؐ کی ہیں کوششیں
خونِ حسینؑ کا ہے یہ دھبہ چھڑا تو لیں

دنیا ہے اور حسینؑ کا معیارِ امتحاں
سب مل کے اس پہاڑ کو اب بھی اٹھا تو لیں

تن تن کے یوں حبیبؑ سنورتے تھے بہرِ جنگ
پیری کو چلتے چلتے جوانی بنا تو لیں

خیمے میں لے کے جاتا ہے، اکبرؑ کی لاش کو
آخر پدر کے ہاتھ ہیں، میت اٹھا تو لیں

اصغرؑ سمجھ گئے کہ یہ ہدیہ ہوا قبول
جاتے ہیں تیر کھانے، ذرا مسکرا تو لیں

خیمے جلانے والو، نکلتی ہیں بیبیاں
چادر نہیں ہے، بالوں سے منہ کو چھپا تو لیں

جنت حسینیوں کو ملے گی رضا یونہی
جو مانگتے نہیں ہیں، وہ اپنا صلہ تو لیں

۱۔ یہ شعر بیاض (۲) کے کنارے پر رقم ہے۔ کچی پنسل سے لکھا گیا یہ شعر بعد میں کہہ کر اس سلام میں شامل کیا گیا ہے۔

سلام

ہیں انقلاب پہ سر، انقلاب دیکھتے ہیں
حباب ٹوٹ رہے ہیں، حباب دیکھتے ہیں

جو خواب میں بھی رخِ بوتراب دیکھتے ہیں
زمیں ہو سونے کی، وہ آفتاب دیکھتے ہیں

یہ کس کی نیند عبادت بنی، شبِ ہجرت
یہ کون ہے، جو فلک فرش خواب دیکھتے ہیں

ہے پھر یہ جہل فریبی، چھپا جو علم کا باب
سمجھ کے پڑھ نہیں سکتے، کتاب دیکھتے ہیں

حسینؑ کی صفِ ماتم پہ دیدہ زیب بنے
ہم اپنے اشکوں کو کیا باریاب دیکھتے ہیں

غمِ حسینؑ کی تجدید ہے، ہر آنسو میں
نئے افق پہ نیا آفتاب دیکھتے ہیں

نبیؐ کے سامنے آلِ نبیؐ ہیں اور امت
[۱] نہ پوچھیے، جو رسالت مآبؐ دیکھتے ہیں

پدر کی گود میں ہے، میتِ شبیرِ رسولؐ
جگر کا زخم رسالت مآبؐ دیکھتے ہیں

خدا کا نام لے جاؤ، ذاکرانِ حسینؑ
حسینؑ اپنی غرض کامیاب دیکھتے ہیں

ہمارے اشکِ عزا کھل اٹھے رضا جیسے
دھلی ہوئی، کوئی فردِ حساب دیکھتے ہیں

سلام[۲]

کوئی جھڑک کے ہٹا دے، ہمیں مجال نہیں
طلب ہے حق کی، فقیروں کا یہ سوال نہیں

غمِ حسینؑ ہمیشہ ہے، ہر گھڑی کے لیے
ہماری بزم میں تفریقِ ماہ و سال نہیں

کہیں گے ہم تو یونہی، بے دھڑک، حسینؑ حسینؑ
یہ اپنے دل کی صدا ہے، فقط خیال نہیں

وہاں تو معنیٔ قرآں بدل ہی جائیں گے
نبیؐ کے بعد جہاں بھی نبیؐ کی آل نہیں

۱۔ یہ شعر آلِ رضا نے پہلے پانچ نمبر شعر کے بعد لکھا مگر بعد میں کاٹ کر اس جگہ شامل کیا۔

۲۔ مطبوعہ

(i) محمد صدیق (مدیر) ہفت روزہ "رضاکار" لاہور، ۱۸ اپریل ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۳

(ii) سید افضل کاظمی (مدیر) ہفت روزہ "اسد" لاہور، ۲ مئی ۱۹۹۸ء صفحہ ۳۹

تڑپ اٹھو، کوئی پیاسا جو مانگ لے پانی — کہ رد کرے کوئی انساں، یہ وہ سوال نہیں
ولائے آلِ نبیؐ میں ہے اپنے کام سے کام — کسی کی چھیڑ ہمیں وجہ اشتعال نہیں
وہ کارنامۂ شبیرؑ، اس کے وہ ٹکڑے — جدا، نہ مل کے، کسی کی کوئی مثال نہیں
غمِ حسینؑ نے ہم کو دیا جلوئے دماغ — یہ غم وہ ہے کہ سبک ساریٔ ملال نہیں ۱؎
رضا ضرور امامت کا دور ہے قائم — یہاں یقین کا عالم ہے، احتمال نہیں

سلام ٭

ریاضِ غم، فضائے گوہر افشاں دیکھتے جاؤ — عقیدت میں، محبت کا چراغاں دیکھتے جاؤ
ٹپکتے ہیں جو آنسو ہم انہیں موتی سمجھتے ہیں — فضائے دل کا فیضِ ابرِ نیساں، دیکھتے جاؤ
یونہی یہ سلسلہ ٹھہرا، محمدؐ سے محمدؐ تک — جہاں دیکھو، شعارِ حق کو یکساں دیکھتے جاؤ
عجب کیا جو کہا ہے، دوپہر نے اپنے لمحوں سے — ٹھہر جاؤ، غدیرِ خم کا میداں دیکھتے جاؤ
یہی جیسے لکھا ہے دشمنانِ حق کی قسمت میں — چھپاؤ کارناموں کو، نمایاں دیکھتے جاؤ
حسینیؑ تذکرہ ہے، حشر تک تفسیرِ قرآں کی — سنے جاؤ، نظامِ آل و قرآں دیکھتے جاؤ
علیؑ پر، سبّ و شتم اور منبرِ مسجد سے برسوں تک — سلامانو! سیاست کا یہ طوفاں دیکھتے جاؤ
زمینِ کربلا سے، عرشِ کردگارِ محمدؐ تک — حسینیؑ شان کی، معراجِ انساں دیکھتے جاؤ
سرِ عرشِ علیٰ پہنچا، تہِ تیغِ جفا سجدہ — عروجِ موقفِ شاہِ شہیداں، دیکھتے جاؤ
مدینے سے چلے صبر و ستم اور شام تک پہنچے — بشر کی ہر دو جانب، حدِ امکاں دیکھتے جاؤ

۱؎ یہ شعر بیاض (۲) کے اس سلام والے صفحہ پر نئے انداز سے لکھا ہوا ہے تاہم روشنائی کے فرق سے واضح ہوتا ہے کہ یہ بعد میں کہہ کر سلام میں شامل کیا گیا ہے۔ مطبوعہ سلام (اسد۔ رضا کار) میں یہ شعر شامل نہیں ہے۔

٭ بحوالہ:

(i) جواد الاصغر (مدیر) پندرہ روزہ "ارشاد" کراچی (خامس آلِ عبا نمبر) یکم جون ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۶

(ii) سید افتخار حسین (مدیر) پندرہ روزہ "ارشاد" کراچی یکم فروری ۱۹۷۳ء صفحہ ۷

بچا لے جائیں گے کچھ بھوکے پیاسے کشتیِ دیں کو — فرشتو، تم الگ سے زورِ طوفاں دیکھتے جاؤ
رضا ہے کس بلا کی غفلتوں کا نام یہ عالم — کہ نیند آتی رہے، خوابِ پریشاں دیکھتے جاؤ

سلام

ہے برِ منبر، ثنائے آل، کرّوفر کے ساتھ — مدح خوانی ہو رہی ہے، صاحبِ منبر کے ساتھ
ماجرا دنیا پہ ہے، صبحِ شبِ ہجرت کھلا — کس کی گہری نیند، وابستہ تھی کس بستر کے ساتھ
مردِ مومن نے پھٹے کپڑوں میں جب ٹھکرا دیا — رہ گئی دنیا ٹھٹھک کر، اپنے مال و زر کے ساتھ
سوگواری کی الگ تہذیب ہونا چاہیے — ہو عمل میں سروری بھی، ماتمِ سرورؑ کے ساتھ
دیتی تھی امت کو، اپنے ہی نبیؐ کا واسطہ — وہ شباہت، مٹ رہی تھی جو علی اکبرؑ کے ساتھ
فرضِ تبلیغِ شہادت، بے کفن بھائی کا سوگ — تھا اسیری میں یہ سامانِ سفر، خواہر کے ساتھ
ہر قدم پر امتحانِ ضبط بڑھتا تھا، مگر — دور تک سرورؑ چلے آئے، علیؑ اکبر کے ساتھ
ہے یہی جنت کا رستہ، دو قدم چل تو رضا — ہاتھ میں قرآن لے کر، آلِ پیغمبرؐ کے ساتھ

سلام[۱]

مسلماں بن رہے ہیں، کفر سامانی نہیں جاتی — وہی مذہب ہے، لیکن، شکل پہچانی نہیں جاتی
ولا عترت کی، کیا شائستۂ قرآں بناتی ہے — کہ ملتے سن کے بھی تہذیبِ قرآنی نہیں جاتی
خدا کے بعد ذاتِ مصطفیؐ پھر وہ جسے کہہ دیں — یہ ہے گویا ہماری بات، جو مانی نہیں جاتی
نہ سمجھیں لوگ آلِ مصطفیؐ کو، ہم خفا کیوں ہوں — وہاں تک عام سطحِ عقلِ انسانی نہیں جاتی

۱۔ مطبوعہ:

(i) جواد الاصغر (مدیر) پندروزہ "ارشاد" کراچی، (سید الشہدا نمبر) ۱۶ جنوری ۱۹۷۶ء صفحہ ۳

(ii) محمد صدیق (مدیر) ہفت روزہ "رضاکار" لاہور (سید الشہدا نمبر) ۱۸ اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۱

رضاکار کے مطبوعہ سلام میں درج بالا سلام کے شعر نمبر ۳، ۴، ۹، ۱۰، ۱۲، ۱۳ شامل نہیں ہیں۔

یزیدی دامنوں کو دھونے والے، کچھ کہیں، لیکن
پریشانی تو کہتی ہے، پشیمانی نہیں جاتی

جو ہم اہلِ عزا، اس بزم میں خاموش بھی بیٹھیں
نگاہوں کی مسلسل مرثیہ خوانی نہیں جاتی

معاذ اللہ، مجلس اور دل کی تنگ دامانی
کبھی خالی، سبیلِ اشک افشانی نہیں جاتی

کہیں ڈانڈے حق و باطل کے ملتے ہیں تو ملتے ہوں
ادھر سے ہو کے اپنی راہ ایمانی نہیں جاتی

وہاں ہے منزلِ یکتائی ایثارِ شبیریؑ
جہاں تک دوسری تنظیم قربانی نہیں جاتی [۱]

شکایت منکرِ سجدہ کو جتنی بھی رہے، کم ہے
کہ خاکِ کربلا کی سجدہ سامانی نہیں جاتی

شہادت نے یہ کہہ کر لے لیا آغوشِ سرورؑ سے
چلو، اصغرؑ، تمہاری بات اب مانی نہیں جاتی

اسی فقرہ میں کتنے ہو شبیہ، زینبؑ نے کہہ ڈالے
ارے بھیا، تمہاری شکل پہچانی نہیں جاتی

رضا پھیرے کئے جاؤ، درِ آلِ محمدؐ کے
کہیں کی خاک اس انداز سے چھانی نہیں جاتی [۲]

سلام

کیا معرفت ہے، مرتبہ دانی حسینؑ کی
قرآں کی آیتیں ہیں، کہانی حسینؑ کی

پیاسوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کے پانی پلایئے
ہے ولو خولہ، تحفہ وحانی حسینؑ کی

قرآن سن چکا تھا، زمانہ، رسولؐ سے
تجدید ہو رہی تھی زبانی حسینؑ کی

اپنا علم نشانیِ عباسؑ نامدار
عباسؑ نامدار، نشانی حسینؑ کی

اے کیفِ غم، سنی لبِ دریا، صدائے آب
ہوتی ہو جیسے مرثیہ خوانی حسینؑ کی

مولا نے اس مقامِ عبادت میں سر دیا
سجدہ بنا ہوا ہے نشانی حسینؑ کی

آثارِ زندگی نظر آتے ہیں کچھ رضا
ویرانی جا رہی ہے کہانی حسینؑ کی

۱۔ رضاکار کے مطبوعہ سلام میں یہ شعر یوں درج ہے

جہاں پر کربلا والوں نے ہر دن جو کے حد بندی
وہاں تک دوسری تنظیم قربانی نہیں جاتی

۲۔ رضاکار کے مطبوعہ سلام میں مقطع یہ ہے

گھر ڈھلتے ہیں گل کھلتے ہیں آنکھیں لطف لیتی ہیں
رضا خالی یہ اپنی اشک افشانی نہیں جاتی

سلام [۱]

شیشۂ دل کی جلا، شہ کی بدولت ہو گئی
اشک یوں نکلے کہ تہذیبِ طبیعت ہو گئی

ذکرِ شہ یوں ہو کہ تبلیغِ حقیقت ہو گئی
یہ بھی سمجھے جائیے کتنی ہدایت ہو گئی

آنکھوں ہی آنکھوں میں جاری، رسمِ الفت ہو گئی
اک صفِ ماتم پہ کتنوں سے محبت ہو گئی

اللہ اللہ، خانۂ آلِ محمدؐ کی فضا
گھر نہ جانے کیا ہے، جب دہلیز جنت ہو گئی

راہِ حق میں یوں اٹھے شاہِ شہیداں کے قدم
ہر قدم پر باعمل شرحِ شریعت ہو گئی

نام کے اسلام اور اسلام میں کتنا ہے فرق
کربلا سے شام تک کتنی وضاحت ہو گئی

منزلِ عشقِ شہ وہیں اور آگے ہے، مگر
کم سے کم حسنِ عقیدت سے محبت ہو گئی

فدیۂ اسلام بن کر کیا کھلی شانِ حسینؑ
ناز کیوں نہ اس کو ہو، جس کی حفاظت ہو گئی

کیوں نہ اس سجدے پہ خاکِ کربلا کو ناز ہو
ختم جس پر طرزِ تکمیلِ عبادت ہو گئی

ساتھ کے اہلِ مجالس اٹھتے جاتے ہیں رضا
دیکھتے ہی دیکھتے کیا چیز رخصت ہو گئی

سلام [۲]

حسینؑ صف سے کیا تنویرِ خونِ ہاشمی نکلی
کبھی شکلِ نبیؐ نکلی، کبھی شکلِ علیؑ نکلی

دعائیں دے زمانہ، امتزاجِ بوترابی کو
درِ خیبر شکن، بازو بجویں، کتنی قوی نکلی

یقیں محکم ہے، آلِ مصطفیٰؐ کی ناخدائی کا
یہ وہ کشتی نہیں ہے جو کبھی ڈوبی، کبھی نکلی

بڑے جلوے دکھائے تابشِ خونِ محمدؐ نے
سیاہی جس جگہ چھائی، وہیں سے روشنی نکلی

کیا وہ معرکہ سر، ہمتِ شاہِ شہیداں نے
مصیبت عارضی نکلی، قیادت دائمی نکلی

افق پہ کربلا کے، ناصرانِ شاہ یوں چمکے
کہ ہر دم اک نئی طرزِ حسینؑ ابنِ علیؑ نکلی

۱۔ مطبوعہ:
نعیم میرٹھی (مرتب) "مجلۂ حیاتِ جاوداں" کراچی، حلقۂ ادب س۔ن۔ صفحہ ۹۲

۲۔ مطبوعہ:
(i) سید علی رضوی (مرتب) "حسینؑ پر سلام" کراچی، میر انیس اکیڈمی ۱۹۸۶ء صفحہ ۲۰۱
(ii) سید وحید الحسن ہاشمی (مدیر) ماہنامہ پیام عمل لاہور، اپریل ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۳

(ق)

جہاں تک انفرادی عمرِ فانی کھینچ لائے تھے
وہیں سے اجتماعی زندگی کی زندگی نکلی

مسلمانوں نے ہم شکلِ نبیؐ کو یوں کیا گھائل
دلِ اسلام سے اب تک نہ برچھی کی انی نکلی

پدر کی گود میں تشریف لایا، تیر کھانے کو
وہ چھوٹے سے مجاہد کی دعا کتنی بڑی نکلی[1]

چھڑائی جا رہی ہے، باپ کے لاشے سے وہ بچی
ابھی، جلتے ہوئے خیمے سے جو سہمی ہوئی نکلی

رضا، کچھ داغِ ماتم لے کے ہم بھی کربلا پہنچے
ارے، ان تلملاتے پھولوں میں کتنی تازگی نکلی

سلام[2]

پیاسوں کے لئے قہر تھی، دریا کی روانی
بچوں کو جو تڑپاتا تھا، بہتا ہوا پانی

تھی کتنی وہ دلدوز، جگر سوز کہانی
بے شیر نے کہہ دی جو شہادت کی زبانی

پیغام تھا، تیر سے شعبہ کی زبانی
جب وقت سمجھتا تھا کہ مل جائے گا پانی

مولا، تری مجلس کی عطاؤں کے تصدق
دے دے مجھے، بے ساختگی اشک فشانی

پہچان کے کیفیت سرکارِ دو عالم
شبیرؑ شناسی ہے بڑی مرتبہ دانی

کس کس کی نظر پڑتی تھی اکبرؑ پہ، یہ کہہ کر
اے نسلِ علیؑ، اپنے پیمبرؐ کی جوانی

اک روز دمِ عصر، وہ آندھی وہ اندھیرا
برپا تھی عناصر کی، عجب مرثیہ خوانی

شہ جیسے، زمانے سے، یہی کہہ کے گئے تھے
باقی جو ہے، سنتا، مری زینبؑ کی زبانی

بہتا ہوا وہ خون، وہ قربیہ دمِ خیمہ
وہ دوشِ پدر، اور وہ زخمی کی جوانی

وہ کرب و بلا اور وہ بچوں میں تلاطم
پانی، ارے پانی، ارے پانی، ارے پانی

سلام

حسینی فوج بھی کس شان کی معلوم ہوتی تھی
جو مرتا تھا، اسی کی زندگی معلوم ہوتی تھی

۱۔ یہ شعر بیاضِ عمل میں موجود نہیں ہے۔

۲۔ یہ سلام ۶ا مارچ ۱۹۷۵ء کو کہا گیا۔

پڑھا قرآن میں سب نے مگر کردار سے کس کے — شہادت جاودانی زندگی معلوم ہوتی تھی

نہ پوچھو خاک و خوں میں لوٹنے والوں کی کج دھج کو — جنہیں اپنے لئے جنت بھی معلوم ہوتی تھی

اٹھائی اس طرح تلوار مجبوری کے عالم میں — کہ وہ بھی ایک شانِ بندگی معلوم ہوتی تھی

بڑھے جب وقتِ آخر شاہ تنہا ایک لشکر تھے — علمبردار کی تسکین کی معلوم ہوتی تھی

شبیہِ مصطفیٰؐ کی یاد جب آتی تھی گھر بھر کو — تو اک اک سانس برچھی کی انی معلوم ہوتی تھی

علی اصغرؑ کا جانا پھر نہ آنا ماں نے دیکھا تھا — مگر جھولے میں اک تصویر سی معلوم ہوتی تھی

فضا خود سوگ لے بیٹھی جلے غربت میں جب خیمے — غم آلودہ دھوئیں میں روشنی معلوم ہوتی تھی

مسلسل اس طرح اہلِ حرم تبلیغ کرتے تھے — شہادت سلسلے کی اک کڑی معلوم ہوتی تھی

رضا جب اذن مل جاتا تھا انصارِ حسینؑ کو — تو پھر وہ دھوپ ٹھنڈی چاندنی معلوم ہوتی تھی

سلام[۱]

شانِ محمدیؐ جو نبوت کو مل گئی — معراج آدمی کی شرافت کو مل گئی

خالق نے کس رسولؐ کو محبوب کہہ دیا — کیا منزلِ بلند محبت کو مل گئی

اللہ رے شانِ قوتِ بازوئے مصطفیٰؐ — جیسے خدا کی تیغ شجاعت کو مل گئی

قرآنِ کل پہ کلِ عمل اہلِ بیت تھے — اس گھر میں آ کے راہِ ہدایت کو مل گئی

پھولی پھلی ہے قربتِ آلِ رسولؐ میں — اپنی جگہ جو لفظ مودت کو مل گئی

ذلت کی موت اور گوارا کریں حسینؑ — عزت وہ دیکھئے جو شہادت کو مل گئی

سجدے میں سر کو نذر دیا ہے حسینؑ نے — دولت بہت بڑی یہ عبادت کو مل گئی

بستی بسی ہوئی ہے رکوع و سجود کی — رونق عجیب وادیٔ غربت کو مل گئی

ہم نے پڑھی نماز مزارِ حسینؑ پر — واللہ کیا نماز زیارت کو مل گئی

تسکینِ قلب دہرِ پرآشوب میں رضا — کھوئی جو عقل نے تو عقیدت کو مل گئی

۱۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا اس سلام کا ایک نسخہ بھی حاصل ہوا ہے۔ اس میں درج ذیل شعر بھی موجود ہے۔

سائل کو ڈھونڈتا تھا درِ آلِ مصطفیٰ ---- ڈیوڑھی عجیب فقر و سخاوت کو مل گئی

سلام

پیغام بن کے، قدرتِ اسلام ساز کے ۔۔۔ آئے تھے کربلا میں مجاہد حجاز کے
ہیں تذکرے، شہادتِ انساں نواز کے ۔۔۔ یہ بھی عبادتیں ہیں، علاوہ نماز کے
اے میری زندگی کے سہارے، غمِ حسینؑ ۔۔۔ قرباں تری ہر کششِ دلنواز کے
آنکھوں میں روز روز ہیں، اشکوں کے ساتھ ساتھ ۔۔۔ جلوے نئے نئے، غمِ جدت طراز کے
انسانیت کے نام پہ، بزمِ حسینؑ میں ۔۔۔ موتی لٹائے جاتے ہیں سوز و گداز کے
قرآن دے کے، دامنِ آلِ عبا دیا ۔۔۔ احسان ہیں یہ ہادیؐ امت نواز کے
اپنے کو دیکھا شہؑ نے، اکبرؑ شبیہ میں ۔۔۔ آئینے سامنے تھے خود آئینہ ساز کے
یک رنگیٔ عمل تھی یہ انصارِ شاہ میں ۔۔۔ تا حشر تفرقے نہ پڑیں امتیاز کے
یارب ترا حسینؑ، ترا دشتِ کربلا ۔۔۔ اللہ رے ناز، اف رے تقاضے نیاز کے
سجدہ جھلک رہا تھا، قیام و قعود میں ۔۔۔ ارکان اور ہی تھے، حسینی نماز کے
سجدے کا لطف آتا ہے، خاکِ حسینؑ پر ۔۔۔ سجدے میں سارے لطف ہیں پوری نماز کے
بارہؑ امام، چاردہ۱۴ معصوم دے دیئے ۔۔۔ کیا کیا ہیں رخ رضا کرم کارساز کے

سلام[1]

وہ پیاس، جس میں کہ پانی حسینؑ پا نہ سکے ۔۔۔ اب ایک آگ ہے، دنیا جسے بجھا نہ سکے
یہ کس کے غم کو ملی دائمی فراوانی ۔۔۔ کبھی حدودِ زمانہ میں جو سما نہ سکے
ہمارے دل سے، تو وہ خوں ہو گیا پانی ۔۔۔ غمِ حسینؑ میں آنسو، جسے بہا نہ سکے
خدا کا قول ہے، دہرا رہا ہے ذکرِ حسینؑ ۔۔۔ وہ زندگی ہے شہادت کہ موت آ نہ سکے
وہ نور، نور تھے، آلِ رسولؐ کے جلوے ۔۔۔ چھپانے والے، چھپانے کی تاب لا نہ سکے
ہوا بلند وہ تارا، رسولؐ کے گھر سے ۔۔۔ نظر اٹھا کے زمانہ، نظر ہٹا نہ سکے[2]

۱۔ مطبوعہ:
محمد صدیق (مدیر) ہفت روزہ "رضاکار" لاہور ۲۳ اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ ۱۹

۲۔ مطبوعہ سلام میں یہ شعر شامل نہیں ہے۔

نبیؐ کا خون، بہر حال رنگ لاتا ہے — حسینؑ وہ ہیں کہ جلدی سمجھ میں آ نہ سکے
وہ شیر خوار بھی معیارِ کربلا کا نہیں — جو تیر کھا کے، شہادت پہ مسکرا نہ سکے
فدا تھے سجدۂ آخر کی سرفرازی پہ — حسینؑ سر کو جھکائے رہے، اٹھا نہ سکے
رضاؔ یہ مشغلۂ ماتمِ شبیرِ جفا — وہ سوگ ہے کہ طبیعت بھی بڑھا نہ سکے

سلام

رضاؔ نثار، تہہِ تیغ سر جھکانے کے — حسینؑ لکھ گیا ماتھے پہ، ہر زمانے کے
وہ جوش و شوق شہادت، وہ تشنہ لب بچے — وہ ضد وفا کی، وہ انداز مسکرانے کے
علیؑ کے شیر، کٹائے ہیں تو نے یوں شانے — ہوئے بلند طریقے، علَم اٹھانے کے
حسینیوں نے وہ بڑھ بڑھ کے، امتحان دیئے — کہ ٹوٹ ٹوٹ گئے زور آزمانے کے
نبیؐ کے حسنِ شباہت کا کھل رہا تھا چمن — خزاں کب آئی کہ دن تھے بہار آنے کے
غمِ حسینؑ پہ اب تک تو کر سکے نہ اثر — تغیرات، بدلتے ہوئے زمانے کے
تھی جن سے خاک نشیں بیبیوں کے سوگ کی لاج — ارے، وہ خیمے تھے قابل جلائے جانے کے
نہ جس زمانے کو پاسِ حسینؑ سے ہو غرض — تو وہ زمانہ ہمارا نہ ہم زمانے کے [1]
کسی کے در پہ رضاؔ، لطف کیا ہے سجدوں کا — جبیں پہ نقش نہ جب تک ہوں آستانے کے

سلام

وقت پر سب انتظامِ امتحاں ہونے لگے — آ گئے اصغرؑ، علی اکبرؑ جواں ہونے لگے
واقعے ہاں، ہاں، وہی دشتِ بلا کے واقعے — ہم سے دیوانے جہاں بیٹھے، بیاں ہونے لگے
جانتے ہوں گے رسولؐ اللہ ہی قدرِ حسینؑ — اس سے پوچھو، جس کی محنت رائیگاں ہونے لگے

ا۔ یہ شعر بیاض (۲) میں سلام والے صفحے کے ایک جانب ترچھے رخ سے درج ہے۔ روشنائی کے فرق سے یہ بات واضح ہے کہ یہ شعر بعد میں کہہ کر اس سلام میں شامل کیا گیا ہے۔

کھل اٹھے اسلام کے مٹتے ہوئے نقش و نگار … جو نہاں ہونے لگے تھے، پھر عیاں ہونے لگے
آیتیں قرآن کی دل میں اتر تی ہی گئیں … واقعاتِ کربلا جب سے بیاں ہونے لگے
منکرو، سنتے ہو ہر جانب صدائے یا حسینؑ … یہ تو ہے مظلوم کا ماتم، جہاں ہونے لگے
صبحِ عاشورہ، نہ پوچھو عالمِ قربِ نماز … سامنے شکلِ نبیؐ ہو اور اذاں ہونے لگے
ایک ہے اسلام میں دنیا و دیں کا ضابطہ … کچھ نہ ہاتھ آیا رضا، جسے جہاں ہونے لگے

سلام

مصطفیٰؐ تک ہم کو سبطِ مصطفیٰؐ لے جائیں گے … پھر خدا تک، دونوں مل جل کر بڑھا لے جائیں گے
ماتمی ہیں اپنی آنکھیں، اپنا سینہ، اپنے ہاتھ … ہم جہاں جائیں گے، یہ بزمِ عزا لے جائیں گے
کس کی بزمِ غم میں آبیٹھے ہیں اس دعوے کے ساتھ … ہم یہاں سے نور، ہر غم کی دوا لے جائیں گے
تر ہوئیں مجلس میں آنکھیں، ہم نے خوش ہو کر کہا … تم سلامت، ہم تمہیں اب کربلا لے جائیں گے
منہ جو فقِ اسلام کا دیکھا تو بول اٹھے حسینؑ … تو نہ گھبرا، مر کے ہم تجھ کو بچا لے جائیں گے
تابہ اصغرؑ کتنی تھی دنیا کی ہر شکلِ جفا … رن میں سرور جو کے بچے کو کیا لے جائیں گے؟
کتنا تھا عزمِ پدر، ہاں اے جواں بیٹے کی لاش … کانپتے ہیں ہاتھ، لیکن ہم اٹھا لے جائیں گے
غیرتِ دل، پوچھتی تھی، عابدِ بیمار سے … آپ کتنی دور تک، یہ قافلہ لے جائیں گے
راہِ حق آئی نظر، جن کے وسیلے سے رضا … رہنما ہیں، راہ پر اپنی لگا لے جائیں گے

سلام [۱]

مناتے ہیں مسلمانوں کو یہ کافر جفا والے … بہت یاد آئے ہم کو اس بلا میں کربلا والے

---

[۱] کراچی تشریف لانے کے بعد آپ رضا نے پہلی مرتبہ یہ سلام پڑھا۔ اس سلام کی تحریرے مکمل بیاض (۲) میں انہوں نے اس کی صراحت کر دی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے

"______ نوزائیدہ پاکستان میں تقسیمِ برصغیر کے پہلے بھی تحت اللفظ مرثیہ خوانی کا رواج نہیں تھا۔ میں نے اس کا آغاز کراچی میں مذکورہ بالا رباعیوں، سلام اور اپنے پہلے مرثیہ "کلکِ حق کی ہے تحریر دلِ فطرت میں" سے کیا جو ۱۹۳۹ء میں نبوتی اور لکھنؤ سے کیا تھا۔

"پاکستان میں پہلا عشرہ محرم ۱۹۴۷ء ______"

دلوں پہ تا قیامت حکمراں ہیں، کربلا والے
فنا کو اس طرح سے فتح کرتے ہیں بقا والے

کوئی سمجھے، نہ سمجھے، ہم تو سمجھے اور سمجھیں گے
علیؑ والے، نبیؐ والے، نبیؐ والے، خدا والے

یہاں بھی ہیں یزیدی مشغلے، آخر کہاں جائیں
خدایا، تیرے بندے، خاص آلِ عبا والے

زمانے کے طبیبوں کو مبارک ان کی تدبیریں
ہمارے پاس بھی نسخے ہیں کچھ، خاکِ شفا والے

بڑے صابر، بڑے سالوت گزرے ہیں زمانے میں
یہ سب اپنی جگہ، لیکن ہمارے کربلا والے!

اشارہ گلشنِ جنت کا تھا شیلو شہیداں سے
ادھر آ، اے مرے خونیں کفن، گلگوں قبا والے

عجب کیا، ہو تقاضہ، مجلسِ ارضِ خراساں میں
کسی کو یاد ہیں اشعار کچھ، آلِ رضا والے

سلام

باؤ عزا ہے، چشمِ عزادار کے لئے
در روضۂ حسینؑ کا، زوار کے لئے

اے ہنسنے والو، ہم ہیں برائے غمِ حسینؑ
کانٹے چنے ہیں، اس گلِ بے خار کے لئے

مجلس کریں گے ہم، کوئی شادی ہو یا غمی
ہر فصل ہے عزا کی، عزادار کے لئے

ہر معرکہ جلوۂ نبیؐ کا، یہ سر کریں
تخصیص تھی یہ حیدرؑ کرار کے لئے

کیوں اے خدا کی تیغ، ہوئی کتنی سازگار
تکبیرِ حیدری، تری جھنکار کے لئے

اسلام، تو نے دیکھی ہے، دورِ یزید میں؟
تیمارداریاں تھیں جو بیمار کے لئے

ہاں، ماتمی جلوس میں اکثر نظر پڑا
بچہ تڑپ رہا ہے علمدار کے لئے

اے گوشہ گیر امام، شہیدوں کے بادشاہ
بے چین وقت تھا، ترے انکار کے لئے

کہتا رہا، حسینؑ کا بہتا ہوا لہو
بہتا ہے خون، خوبیٔ کردار کے لئے

صبر و رضا و عزم و شجاعت اچھل پڑے
چھانٹے گئے حسینؑ جو معیار کے لئے

تکلیف اس کی، آنکھ اداسوں کو پھر نہ ہو
باقی تھا یہ حسینؑ کی تلوار کے لئے

کرنا پڑے سوال، تو غیرت کو کیا کرے
حاجت بھی کربِ نزع ہے، خوددار کے لئے

تخلیقِ کائنات ہے، سب کے لئے رضا
رحمت نبی ہے خاص گنہگار کے لئے

سلام [1]

[2] ثباتِ کیف، کہاں تھا، کسی خوشی کے لئے
غمِ حسینؑ ملا، ہم کو زندگی کے لئے

تڑپ تڑپ کے جو آتا ہے لب پہ نامِ حسینؑ
یہ بے قراریٔ ایماں ہے، تازگی کے لئے

یہ چند اشک تو، اے دوستو، نہیں کافی
حسینیت کی حق آموز تشنگی کے لئے

عجیب نعمتیں ہیں، اس دلِ بوترابی میں
کہ ہم نے لی ہے، فقیری، درِ علیؑ کے لئے

مباہلہ کی رسالت، حسینؑ درِ آغوش
خود اپنی وضع نئی تھی پیمبری کے لئے

تلاشِ اصول کی، ماحولِ بے اصولی میں
ٹٹولے نہ اندھیرے کو، روشنی کے لئے

حسینؑ ایسے تھے معروف، روزِ عاشورہ
کہ جیسے آئے ہیں دنیا میں آج ہی کے لئے

حسینؑ نے وہ شہادت کی منزلیں طے کیں
[3] مثال بن گئی تہذیبِ زندگی کے لئے

ہیں کتنی باتیں کہ ہر ایک کی صفت ہے یہی
خصوصیت یہ نئی تھی حسینؑ ہی کے لئے

وہاں نظر میں ہزاروں چراغ جلتے ہیں
حسینیت ہو جہاں دل کی روشنی کے لئے

تھا ایک پیکرِ سجدہ، رضا بشکلِ حسینؑ
یہ اہتمام بھی ہوتا ہے بندگی کے لئے

سلام

حسینؑ، کرب و بلا میں یہ اختتام آئے
بلا میں جیسے زباں پر، خدا کا نام آئے

حسینیت ہے اسی نازِ حق شناس کا نام
خدا نے کام لیا اور حسینؑ کام آئے

۱۔ مطبوعہ:
فضل نقوی (مدیر) ہفت روزہ "نگارو" لکھنؤ، ۲۸ مارچ ۱۹۶۹ء، صفحہ ۳۔ اس رسالہ میں شعر نمبر ۸، ۹، ۱۰ شامل نہیں ہیں۔

۲۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے ایک کاغذ پر لکھا ہوا اس سلام کا ایک نسخہ اور دستیاب ہوا ہے جس میں شعر نمبر ۳، ۴، ۷، ۸ موجود نہیں ہیں۔

۳۔ بیاض (۳) میں سلام والے صفحہ پر شعر نمبر ۸، ۹، ۱۰ ایک کنارے پر لکھے ہوئے ہیں۔ روشنائی کے فرق سے یہ بات واضح ہے کہ انھیں بعد میں شامل کیا گیا ہے۔

حسینؑ جان سے کیونکر نہ دیں، جواب سلام
قدم قدم پہ جو اسلام کا سلام آئے

چلے فرات سے پیاسے، تڑپ اٹھیں موجیں
لہو میں ڈوب کے، کوثر پہ تشنہ کام آئے

مرا خیال علمدار کے قدم چومے
کسی زبان پہ جب بھی، وفا کا نام آئے[۱]

رضا غموں میں سنبھالا ہے ڈوبتے دل کو
ہمارے کربلا والے، بہت ہی کام آئے

سلام[۲]

[۳]
کیا فقط آنسو ہی، بہرِ ذکرِ سرور رہ گئے
خون کے قطرے، ابھی، اے دیدۂ تر، رہ گئے

ہاں، چھڑی ذکرِ شہیداں کے نوشتوں پہ چلی
پھر بھی جب دیکھا گیا، دفتر کے دفتر، رہ گئے

کم سے کم، انسانیت میں کچھ کمی تو ہو گئی
جب نظر میں نیک و بد دونوں برابر رہ گئے

وہ درخشاں اپنا ماضی اور یہ حالِ سقیم
بن کے قصے، واقعاتِ بدر و خیبر رہ گئے

اے مسلمانو! جہاں پہنچا، نہ ذکرِ اہلِ بیتؑ
سلطنت کی تم نے برسوں، پھر بھی مٹ کر رہ گئے

تھے حسینؑ ابنِ علیؑ، رستہ دکھانے کو، مگر
اکی منزل تھی، کہ بالآخر بستر[۴] رہ گئے

خون میں اپنے نہا کر یوں چلے مردانِ حق
نقش پائے خونچکاں، بن کر دلوں پہ رہ گئے

اوجِ انسانی پہ معراجِ حسینیت کھلی
لیکے جب اپنا سا منہ، شمشیر و خنجر رہ گئے

کب پڑی تبلیغِ حق کی ذمہ داری، جب حرم
خانماں برباد، بلوہ میں، کھلے سر رہ گئے

اصغرِ ناداں کی وہ معصومیت، وہ بے بسی
تیر کھا کر باپ کو دیکھا، ہمک کر رہ گئے

۱۔ ابتداً یہ مصرع یوں تھا:
زباں پہ جب بھی کسی کی، وفا کا نام آئے
بعد میں آلِ رضا نے اسے تبدیل کر دیا

۲۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا یہ سلام ایک احمقی (؟) بوسیدہ کاغذ پر دستیاب ہوا ہے۔

۳۔ یہ سلام ۲۹ نومبر ۱۹۳۶ء مطابق ۳ محرم الحرام کو کہا گیا۔

جوشِ قربانی نہ پوچھو، شاہِ دیں کا وقتِ عصر — پھر یہ حسرت ہے، نہ اکبرؑ ہیں نہ اصغرؑ رہ گئے[1]

سلام

دیکھتے ہی رہیے، یوں مولا کا جلوہ دیکھیے — ہم اور اس قابل؟ مگر دل کی تمنا دیکھیے
عاجزانہ کتنی رہتی ہے، یہ چشمِ معرفت — یا علیؑ! اک فردِ انسانی میں کیا کیا دیکھیے
جس عقیدت کو، امامِ منتظر کا ہے یقیں — ہے اسی کا یہ تقاضا بھی کہ رستہ دیکھیے
کتنی روشن ہے معیت آل و قرآں کی، مگر — دیکھنے کا جب سلیقہ ہی نہ ہو، کیا دیکھیے؟
دل گدازی جانِ مجلس، دل فروزی شانِ ذکر — اس فضا میں دل کی شمعوں کا اجالا دیکھیے
وہ پیمبرؐ کی شباہت میں ڈھلا حسنِ شباب — جس نے بھیجا رن میں، اس ماں کا کلیجہ دیکھیے
دیکھنا جب ہو، تصور میں حسینیؑ شانِ شکر — دوش پر کڑیل جواں بیٹے کا لاشہ دیکھیے
جس پہ نازاں حشر تک اب ہے عبادت کی جبیں — زیرِ خنجر جلتی ریتی پر وہ سجدہ دیکھیے
احترامِ فرض اور بے والی و وارث حرم — اس گھڑی ان اہلِ ہمت کا سہارا دیکھیے
کثرتِ جلوہ میں تھی، یہ حسرتِ نظارہ بھی — کربلا پہنچا دیا قسمت نے، کیا کیا دیکھیے
بچ بچ مسلکِ آلِ محمدؐ سے رضا — اب یہ عالم ہے کہ مذہب کا تماشا دیکھیے

سلام

کربلا دیکھی، نگاہوں کا مقدر دیکھیے — کربلا سمجھی، دماغِ ہوش پرور دیکھیے
عرش آرا یوں ہوا کرتا ہے سجدہ خاک پر — زیرِ خنجر، اہتمامِ سجدہ و سر دیکھیے

---

[1] اس سلام کے مجموعی طور پر تو گیارہ اشعار ہیں تاہم آل رضا نے درج ذیل دو اشعار اپنے ہاتھ سے کاٹ دیے ہیں۔

منزلِ قربِ الٰہی، سخت بھی، دلکش بھی ہے
شوق سے لاکھوں چلے رستے میں اکثر رہ گئے
کربلا، بعدِ شہادت کے مدارج بھی تو دیکھ
تن ہوئے پامال، نیزوں کے لیے، سر رہ گئے

رفعتوں پر اپنی نازاں ہیں غدیری منزلیں — کون ہے اور کس لئے، بالائے منبر دیکھئے [1]
مکتبِ قرآن و سنت کا ہے درسِ آخری — جی لگا کر سیرتِ آلِ پیمبرؐ دیکھئے
تھا مسلمانوں کا یہ تحفہ بنے آلِ رسولؐ — زخم دل کے ساتھ تصویرِ پیمبرؐ دیکھئے
نعرہٴ زخمِ یزیدی تھا کہ بدلہ لے لیا — یہ ہیں ناموسِ نبیؐ ان کو کھلے سر دیکھئے
کربلا کے نام پر، دل نے جو کھینچا ہے رضا — ہر گھڑی، ہر پل، یہ نقشہ، زندگی بھر دیکھئے

سلام [2]

بے تکلف ذکرِ شاہِ کربلا ہوتا رہے — دل اسی انداز سے درد آشنا ہوتا رہے
ہم نے اپنی مجلسوں کا نام رکھا، کربلا — جس کا جی چاہے، شریکِ کربلا ہوتا رہے
نام لیوا جس کے بنتے ہیں، انھیں کے نام پر — کم سے کم اعلانِ مسلک بے ریا ہوتا رہے
کارنامہ آل کا، قائم رہے گا حشر تک — سامنے قرآن رکھ کر فیصلہ ہوتا رہے
جذبہٴ نصرت میں یوں سرشار تھا ہر جاں نثار — زندگی ملتی رہے، ناصر فدا ہوتا رہے
یوں صفت والے، بڑھاتے ہیں صفت کی وسعتیں — نام لو عباسؑ کا، ذکرِ وفا ہوتا رہے
یوں عبادت سے شہادت کا ملا تھا سلسلہ — سر جدا ہوتا رہے، سجدہ ادا ہوتا رہے
دست بستہ عرض ہے، اے حسینِ کردارِ حسینؑ — کم شناسائی ہے، لیکن سامنا ہوتا رہے
دم نکلنے میں ابھی کچھ دیر ہے شاید رضا — اور اتنی دیر ذکرِ کربلا ہوتا رہے

۱۔ یہ شعر "عید غدیر" نامی نظم میں بھی شامل ہے۔

۲۔ مطبوعہ:
(i) جواد الاصغر (مدیر) پندرہ روزہ "ارشاد" کراچی ("آلِ عبا نمبر") ۱۶ مئی ۱۹۶۳ء صفحہ ۷
(ii) شبیر حسین لاکھانی (مدیر) "الکوثر" (رسالہ حبیب پبلک سکول کراچی) ۱۹۷۹ء صفحہ ۹۶

سلام [1]

مجلسیں ہوتی رہیں، آنسو نکلتے ہی رہے
سیپیاں بنتی رہیں، موتی یہ اچھلتے ہی رہے

سینہ کوبی پر رہے نازاں، عزاداروں کے ہاتھ
روکنے والے کفِ افسوس ملتے ہی رہے

سلسلہ ٹوٹا، نہ ٹوٹے گا، عزائے شاہ کا
تذکرے ہوتے رہے، لوگوں کو کھلتے ہی رہے [2]

آندھیاں اپنے اندھیروں کی ہواؤں میں رہیں
شمع جلتی ہی رہی، جھونکے وہ چلتے ہی رہے

زد میں طوفانوں کے آئے، سوگوارانِ حسینؑ
کشتیاں ڈوبا ہی کیں، ساحل نکلتے ہی رہے

وہ سمجھتے ہی نہیں، تہذیبِ گلگشتِ چمن
اپنے پیروں سے جو پھولوں کو مسلتے ہی رہے

کون ناواقف رہا، کیا چیز ہیں، اہلِ نفاق
آستینوں میں مگر یہ سانپ پلتے ہی رہے

آج بھی توبہ نہ کی، اچھا، چلو، کل بھی تو ہے
آجکل پر یہ ارادے روز ٹلتے ہی رہے

صبر والوں نے نہ چھوڑی، وضعداری صبر کی
ظلم والے، ظلم کی شکلیں بدلتے ہی رہے

پاؤں میں تھیں بیڑیاں، چھالوں میں نوکیں خار کی [3]
عابدِؑ بیمار، اپنی راہ چلتے ہی رہے

تیر نے جب تک نہ دیدی قرض کی آسودگی
کروٹیں اس وقت تک اصغرؑ بدلتے ہی رہے

لب پہ "آ" آ کر رضا، نامِ علیؑ نے کی مدد
ٹھوکریں کھائیں، مگر ہم سنبھلتے ہی رہے

سلام

ہماری زندگی اک سلسلۂ مقصد میں مسلسل ہے
غمِ سبطِ نبیؐ کے روز و شب ہیں، آج ہے کل ہے

١۔ مطبوعہ۔
محمد صدیق (مدیر) ہفت روزہ "رضاکار" لاہور یکم جنوری ۱۹۷۷ء صفحہ ۲۰

٢۔ مطبوعہ سلام میں یہ مصرعہ اس طرح درج ہے۔
ع ذکر یہ ہوتے رہے، لوگوں کو کھلتے ہی رہے

٣۔ مطبوعہ سلام میں یہ مصرعہ یوں درج ہے۔
ع پاؤں میں تھیں بیڑیاں، چھالوں میں نوکیں خار کی

ادب سے چوم کر نقشِ کفِ پائے حسینؑ کو / یہ دیکھو، خاک کے ذروں میں کتنی روشنی حل ہے
خدا لگتی کہو، اور دیکھ لو، دنیا کی کیفیت / کہ جیسے آ گئے عباسؑ اور میداں میں ہلچل ہے
یہ معروف ہے اپنے "آج" پر اترانے والوں سے / خبر اس کی بھی ہے کوئی، جو حضرت، آپ کا کل ہے
کسی مفلوج کی چتیاں معلوم ہوتی ہیں / شعارِ زندگی طوفاں، شعورِ زندگی شل ہے
ارے دنیا! ترا کام اس سے ہٹ کر کیوں نہیں چلتا؟ / کہیں تفضیل کمتر ہے، کہیں تحقیرِ افضل ہے
مودت اور برأت بھی تعصب سے بری دیکھیئے / جہاں حق کار فرما ہو، وہاں باطل معطل ہے
یہ کہتا تھا شہیدوں کا خوشی سے جاں بحق ہونا / کہ مرنے سے نہ ڈر کر، حشر تک جینے کی اٹکل ہے
نہم کی شام تک شاید یہ حالت ہو دلِ شہ کی / افق پر چاند ہے لیکن ابھی مطلع پہ بادل ہے
نظر میں معرکے ہی معرکے ہیں کربلا والے / ثبوتِ حق یہاں مجمل نہیں، بے حد مفصل ہے
"حسینؑ اور کربلا" دل سے کہو، اور دیر تک سوچو / یہ دو الفاظ کا اک مرثیہ کتنا مکمل ہے
اسیرانِ ستم، دل میں یہ نقشہ لے کے جاتے ہیں / کہ بے گور و کفن لاشے ہیں اور پر ہول مقتل ہے
خداوندا! نہ دیکھیں پھر کبھی یہ باپ کی آنکھیں / کلیجہ تھا جہاں بیٹے کا، اب برچھی کا بھی پھل ہے
رضا ہے بالکل کتنی یہ اتفاق گراں گوشی / کہ سنتے ہی نہیں گویا اسے جو بات مہمل ہے

سلام [۱]

یہ خوش نصیبوں سے میرا کوئی پیام کہے / جسے حسینؑ ملیں، وہ مرا سلام [۲] کہے

(ق)

سلام کس کا پہنچتا ہے، اے زہے قسمت / حسینؑ کون ہیں اس درد کا سلام کہے
کہے جو مرثیہ گو، واقعاتِ مظلومی / نظر میں رکھ کے شجاعت کا احترام کہے
وہ کربلا وہ ریاضت وفا پرستوں کی / جہاں یہ ہو کہ، عبادت ہے، جو امام کہے

۱۔ مطبوعہ:
میر نجف علی (مدیر) ماہنامہ "قیام" کراچی، جلد ۳ شمارہ ۱۱، ۱۲، صفحہ ۱۸
۲۔ آلِ رضا نے شعر نمبر ۲، ۳ کو قطعہ بند قرار دیا ہے۔

چلی ہے ایسی کہانی، حسینؑ کے غم کی / زبانِ خاص سے بڑھ کر، زبانِ عام کے
خدا کرے کہ ہمارے دلوں کی کیفیت / ہمارے ذکر حسینیؑ کا اہتمام کے
زباں کو پھیرنا ہونٹوں پہ، اک کہانی ہے / جب اس طرح کوئی معصوم تشنہ کام کے
ہمارے دل کی لپک ہے رضا کہ ہر انسان / کہے حسینؑ، وہ چاہے برائے نام کے

سلام

مسکن حسینؑ کا، دلِ درد آشنا میں ہے / وہ دردِ کربلا ہے کہ دلِ کربلا میں ہے
صحت کے ساتھ لطفِ عبادت نہ پوچھئے / سجدہ کا احترام بھی خاکِ شفا میں ہے
یوں چل پڑے حسینؑ مزارِ رسولؐ سے / اب جو قدم اٹھے، وہ رہِ کربلا میں ہے
ہر عصر یہ کہے گا کہ عباسؑ میں ہے صبر / اس وقت تک، جو معنیِ لفظِ وفا میں ہے
کس ناز سے رہا تھا، زباں پر یہ چند روز / کیا موت کا ہے خوف، رضا کربلا میں ہے

سلام

اٹھا اٹھا کے علمؑ، دردِ دل سناتا ہے / علمؑ علم جو علمدار کا فسانہ ہے
علمؑ اٹھا کے ذرا اس کا بھی خیال رہے / علمؑ ٹٹول رہا ہے، یہ کس کا شانہ ہے
کہا یہ بھائی سے، عباسؑ کی وفاؤں نے / جو ہے ادائے غلامی، وہ عاشقانہ ہے
وہ پھر حسینؑ نے ٹوٹی ہوئی کمر باندھی / جوان بیٹے کا لاشہ ابھی اٹھانا ہے
پدر کی گود سہی، ماں کا دل تڑپ اٹھا / بلا کی پیاس میں بچے کو رن میں جانا ہے
غمِ حسینؑ میں دل خون ہو گیا کہ نہیں / ہمیں تو اشکوں کی رنگت کو آزمانا ہے
حسینؑ، زینتِ آغوش و دوشِ پیغمبرؐ / ہیں جب تک اپنے محمدؐ وہی زمانہ ہے
شباہتوں کو بھی کس شان کی ملی معراج / محمدؐ اور مکرر، عجب گھرانا ہے
یہ دردِ غمِ حسینؑ، اپنا کچھ کمال نہیں / کمال، ان کے سب احسان بھول جانا ہے
درِ حسینؑ پہ دھونی رمائے بیٹھے ہیں / خدا کا شکر، ہمارا بھی اک ٹھکانہ ہے

بھٹک کے راہ بھی، اس دھن میں جاری ہے رضا	رہِ حسینؑ سے رستہ، کہیں ملاتا ہے

سلام

حسینؑ اپنے ہیں اور یہ نام اپنے لب پہ آتا ہے	بہانہ ہی سہی، لیکن محبت کا بہانہ ہے
جو دنیا دیکھتی ہے مجلسوں میں ہم غریبوں کو	وہیں تو ہم نظر آئے، جہاں اپنا ٹھکانہ ہے
حسینیؑ معرکوں کی تازگی ہے، وقت کے دل میں	زمانے بھر کی باتوں کے لئے، جاتا زمانہ ہے
وہ دیکھو کربلا ہے، منکرو کیا کیا چھپاؤ گے	نہ تم کو دور جانا ہے، نہ ہم کو دور جانا ہے
مناظر یوں بدلتا ہے کہ جیسے آنِ واحد میں	ابھی کوئی زمانہ تھا، ابھی کوئی زمانہ ہے
تقاضا کر رہا ہے، تذکرہ شاہِ شہیداں کا	ابھرنے کے لئے، اس بحرِ غم میں ڈوب جانا ہے
بیانِ درد میں، توفیقِ تصنعِ بیاں بھی ہو	حسینؑ ابنِ علیؑ کا واقعہ، کوئی فسانہ ہے؟
لگا دو آگ لیکن، دور سے یہ سیر بھی دیکھو	لپٹ جائے گا وہ شعلوں سے، جس کا آشیانہ ہے
نبی میں جو اڑا دیتا ہے، شہؑ کی تشنہ کامی کو	وہ پیاسا ہو، تو اس کو بھی ہمیں پانی پلانا ہے
جواں بھائی کے غم نے، توڑ ڈالی ہو کمر جس کی	جواں بیٹے کا لاشہ، اس کو غربت میں اٹھانا ہے
حرم قبلِ شہادت، کربلا میں، کتنے مضطر تھے	مگر دشوار تر، اب کربلا سے ہٹ کے جانا ہے
کہا ہو گا، شہِ تشنہ دہن نے، اپنے بچے سے	علیؑ اصغرؑ! چلو، پیاسوں کی ہمت آزمانا ہے
ہمیں دھونی رمائی تھی، ہمیں دھونی رمائیں گے	درِ آلِ محمدؐ پہ رضا دھونی رمانا ہے

سلام

یہ ہیں وہ اشک، جن کی راہ تک پرنور رہتی ہے	یہ ہے وہ غم کہ جس سے غم کی تلخی دور رہتی ہے
بنا لیتا ہے اپنے کوثر و تسنیم کی موجیں	وہ دل، جس میں ولائے پنجتنؑ بھرپور رہتی ہے
سنبھل کر دیکھنا، مولا علیؑ کی منزلِ عالی	فرازِ طور ہی کے پاس، برقِ طور رہتی ہے
سمجھتا ہے یہ تسلیم و رضا کا جوہرِ قاتل	شجاعت کی ادائے تیغؑ کب مجبور رہتی ہے
درخشاں کس جگہ جلوے نہیں، آلِ محمدؐ کے	مگر وہ آنکھ کیا دیکھے، جو خود بے نور رہتی ہے
سجا رکھا ہے میں نے اپنے مولا کا عزاخانہ	خدا رکھے، مری دنیائے دل معمور رہتی ہے

یہی تو اک ادائے خاص ہے، جذبِ صداقت کی
حقیقت اپنے پردوں میں بہت مستور رہتی ہے

بہت ہے یہ رہِ حق کی مسلسل ہمت افزائی
کہ منزل، ہر قدم پر، اک قدم کم دور رہتی ہے

جلایا جائے کعبہ یا کہ خیمہ آلِ احمدؐ کا
یہ سوزش، پھر مثالِ سوزشِ ناسور رہتی ہے

جو بھائی، عمر بھر، بھائی کو کہتا ہی رہے آقا
تو اس کی قبر بھی فرطِ ادب سے دور رہتی ہے

رضا ہوتا نہیں ہے حق ادا، ذکرِ شہیداں کا
جو دل کچھ کام دیتا ہے، زباں معذور رہتی ہے

سلام[1]

جان ہے تیری[2] عطا، جان کے بھاری ہے
مر مٹوں تجھ پہ یہ جینے ہی کی تیاری ہے

میرا خون، اور چمن بند بیاباں میں ترے
تیری ہی بندہ نوازی کی یہ گلکاری ہے

میں فدا تجھ پہ، تصدق مرے دل کے ٹکڑے
تو سلامت کہ تجھے میری طلبگاری ہے

کیوں نہ شاداب رہیں تیرے کھلائے ہوئے پھول
دمبدم، شکر میں، زخموں سے لہو جاری ہے

خونِ دل ملتے ہیں چہرے پہ نکھرنے کے لئے
عاشقوں میں بھی عجب، شانِ طرحداری ہے

وضع سجدہ کی بناتا ہے مجھے سر دیگر
اب رسومات اٹھا دو کہ مری باری ہے

سر ہے نیزہ پہ کہ یوں تیری طرف آتا ہوں
منزلوں، نازِ حضوری کی ضیا باری ہے

جان نثاری کا صلہ، مرضیِ جاناں کا مزہ
منزلِ عشق بھی، کیا منزلِ خودداری[3] ہے

امتحاں تیری محبت کا لیا، خوب کیا
یہ سمجھتے تھے کہ ہٹ جائے گا، آزاری ہے

۱۔ اس سلام سے قبل آلِ رضا کا یہ وضاحتی بیان رقم ہے۔
"______ امام کا چہلم ہو چکا تھا مگر ایامِ عزا ابھی ختم نہیں ہوئے تھے جو احباب صرف اربعین تک مشاعروں سے احتراز کرتے ہیں ان کے اہتمام سے ایک مشاعرہ منعقد ہوا اور مجھ پر بے حد اصرار کہ میں اپنی پرانی وضع ترک کر دوں۔ میرے صریحی انکار پر ان حضرات نے کہہ دیا کہ تم کچھ پڑھو ضرور، چاہے سلام پڑھو میں نے حسبِ ذیل غزل پڑھی مشاعرے کی طرح ہی میں کہہ کر ______"

۲۔ "ی" کا حرف سہواً رہ گیا ہو گا۔

۳۔ آلِ رضا نے ابتدائی آٹھ اشعار کے بارے میں وضاحت کر دی ہے۔ یہ امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ہیں۔

پابجولاں بھی ہوں، ناموسِ محبت کا بھی پاس کھینچ لے جاؤں گا، زنجیر ذرا بھاری ہے[1]
ہم تو اس جادوِ تسلیم پہ مرتے ہیں رضاؔ جس گلی کا ہو ادھر رخ وہ گلی پیاری ہے

سلام[2]

شہادت، زندگی ہی زندگی ہے جہاں دیکھو، حسینؑ ابنِ علیؑ ہے
یہاں بھی وا حسینا ہے وہاں بھی کہانی اک مسلسل ہو رہی ہے
حسینؑ عبدیت میں، کیا بتائیں کہاں تک انتہائے بندگی ہے
جہاں پر ہو حسینؑ ابنِ علیؑ ختم وہاں سے پھر حسینؑ ابنِ علیؑ ہے
لبِ ایماں پہ قائم ہے، وہی بات جو اک دن کربلا میں ہو چکی ہے
کہا ہم نے حسینؑ اور اشک بھر آئے ہمارے درد کی عادت یہی ہے
جہاں کے چاند تاروں میں بھی مجلس ہمارے دل میں وہ دنیا بسی ہے
رسالت ختم ہو کر بھی ہے جاری رسالتؐ کو امامتؑ مل گئی ہے
ذرا دردِ دوائی سے تو پوچھو علیؑ اصغر کی کتنی زندگی ہے
چلا جھولے سے بچہ، ان کی جانب لئے جاتے ہیں شہؑ، ماں دیکھتی ہے
ابھی تو خون ہے، دل میں رضا کے ارے، اشکو، تمہاری کیا کمی ہے؟

۱۔ شعر نمبر ۹، ۱۰ کے بارے میں انھوں نے وضاحت کر دی ہے کہ یہ امام زین العابدین کے بارے میں ہیں۔

۲۔ مطبوعہ:
ماہنامہ "پیامِ عمل" لاہور، مارچ اپریل ۱۹۷۳ء (اربعین نمبر) صفحہ ۱۲

سلام [1]

کربلا والے نہیں، کرب و بلا آج بھی ہے
مرنا آتا ہو، تو جینے کا مزا آج بھی ہے

عشق جانِ پیمبرؐ نے سجائے سجدے
کربلا، کعبۂ تسلیم و رضا آج بھی ہے

روحِ تعلیم حسینؑ نے بتائے انسان
جو ملا تھا کو، وہی حسنِ عطا آج بھی ہے

حق پہ جینے کے لئے، صدق پہ مرنے کے لئے
سامنے زندگیؑ آلِ عباؑ، آج بھی ہے

مشکلیں ہم نے بڑھا لیں کہ مسلماں نہ رہے
ورنہ اسلام بڑا عقدہ کشا آج بھی ہے

زندگی وہ ہے جسے موت بھی چھو نہ سکے
کون لیتا ہے، شہادت کا صلہ آج بھی ہے

کچھ تو آثار ہدایت کے نظر آتے ہیں
کم نہیں یہ بھی کہ قدرِ شہدا آج بھی ہے

اتنا پرزور اٹھا، شاہِ شہیداں کا قدم
رہ گیا بن کے جو نقشِ کفِ پا آج بھی ہے

لے گئے جتنی بلندی پہ شہادت کو حسینؑ
وہی معراجِ شہادت، بخدا آج بھی ہے

کچھ تعلق ہے رضاؔ، آلِ محمدؐ سے ہمیں
لوگ جلتے ہیں تو کیا، کل جو ہوا، آج بھی ہے

---

[1] مطبوعہ:
صادق علی عرفانی، ہفت روزہ "شیعہ" لاہور (اربعین نمبر) یکم مئی ۱۹۶۹ء صفحہ ۳

نوحه

نوحہ

عصر کا محشر، خاک پہ سرور، کوتل گھوڑا، زین پہ خون
زینب مضطر، اور یہ منظر، کوتل گھوڑا، زین پہ خون

خون کی رنگت اپنی کمائی، درد بہ لب، مجروح فرس
غم کے مرقعے، اجڑے در پر، کوتل گھوڑا، زین پہ خون

ارض و سما میں شاہ کا ماتم، وقت کا نوحہ "ہائے حسین"
کلی آنگن میں، بچے ششدر، کوتل گھوڑا، زین پہ خون

ٹوٹے دلوں کا جن کے سارا رن سے پلٹ کر آ نہ سکا
وہ بیچارے، دیکھیں کیونکر، کوتل گھوڑا، زین پہ خون

فتح کے باجے، شام کا لشکر، نیزے پر مظلوم کا سر
خیمے میں ماتم، خیمے کے باہر، کوتل گھوڑا، زین پہ خون

غزل

غزل

اس کرب سے احساس چھڑایا نہیں جاتا
یہ ہوش ہے، اب ہوش میں آیا نہیں

بے ربط ہے ترکیب جو احساس و بیاں کی
اب درد کا انداز بتایا نہیں

جاتے ہوئے بادل کا بھی سایا ہے، کوئی دوست
یوں دھوپ کے ماروں کو تپایا نہیں

اے دل! جو ترے خونِ تمنا میں بھرے ہیں
ان ہاتھوں سے، دامن بھی چھڑایا نہیں

مجبور کا دل، اور اب آنسوں کی لپک میں!
شعلوں میں نشیمن ہے، بچایا نہیں

انسان کو یہ لاج نہ آنا تھی، نہ آئی
بھٹکا ہوا انسان، ستایا نہیں

پھولوں میں بکس جانے کی ہو لاکھ قباحت
کانٹوں سے تو محفل کو سجایا نہیں

ان ہجر کی گھڑیوں پہ عجب وقت پڑا ہے
وہ وقتِ وداعی، جو بھلایا نہیں

بے ساختہ اک پھول سے آئی تھی نہ خوشبو
اس لطف سے ہر پھول کھلایا نہیں

کچھ اور ہی ہوتا ہے، ان آنکھوں کا تبسم
جس وقت، حیا سے بھی چھپایا نہیں

دل والو! یہی آن ہے آبادیِ دل کی
یہ شہر جو اجڑا تو بسایا نہیں

ہم کو بھی سمجھنے دو، سمجھ لینے کی خاطر
ان کے یہاں اب کوئی بلایا نہیں

کچھ سوچ لیا، سوچ کے خوش ہو لیے، اور اب
مٹی میں گھروندا یہ ملایا نہیں

کہتی ہیں یہ آپس میں، محبت، کی نگاہیں
احسان جو ہو بھی تو جتایا نہیں

برسات سے روٹھی ہوئی، ساون کی گھٹائیں!
یوں وقت کو بے کیف بنایا نہیں

اے ہم نفسو! آؤ کہ اب ہم سے اکیلے
جشن اپنی تباہی کا منایا نہیں

رات اتنی گئی ہے کہ وہ کیا آئیں گے، لیکن
اب گھر کے چراغوں کو بجھایا نہیں

یہ کشمکشِ زیست! رضا دیکھتے جاؤ
اور مر کے بھی اس بزم سے جایا نہیں

غزل[۱]

خلوصِ دل کا، نہ ڈھونڈے کہیں پتہ ملتا
مجھے بدل کے، زمانے کو اور کیا

۱۔ مطبوعہ:
شبیہ الحسن، آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی، لاہور، سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۸۱

ہجومِ جلوہ میں، کیا رخ کی اک جھلک، لیکن
مری نگاہ کو اتنا ہی راستہ ملا

تری گلی کے ہیں پھیرے، اسی تجسس میں
جبیں نواز کوئی تیرا نقشِ پا ملا[1]

نہ سوچنے کا سلیقہ، نہ چاہنے کا شعور
یہ فکر ہے، کہیں ذوقِ طلب پڑا ملا

رہیں نہ دل کی امنگیں، حواس باقی ہے
یہ قافلہ بھی، اسی قافلے سے جا ملا

مزاجِ اہلِ وفا کی ہے یہ بڑی توہین
کہ دل دکھا ہے تو اس کا معاوضہ ملا

بتوں میں اب جو خدائی نہ بٹ گئی ہوتی
رضا، کہیں تو کوئی بندۂ خدا ملا

غزل[2]

نہ جانے، وعدۂ فردا کا حشر کیا ہو گا
نہ دیکھنے کی سکت ہے، نہ سامنا ہو گا

میانِ اہلِ محبت، گمان ہوتا ہے
یہی جنون ہمیں بھی کبھی ہوا ہو گا

یہ دل کا حال، جو ہم ان سے کہہ کے بیٹھے ہیں
بیان ہو نہیں سکتا ہے، کیا کہا ہو گا؟

اسی کے بل پہ، زمانے سے ہم جھگڑ بیٹھے
ہمارے حق میں، تمہارا جو فیصلہ ہو گا

چٹک اٹھا ہے قفس میں، جو آبلہ دل کا
مرے چمن میں، کوئی پھول کھل رہا ہو گا

چمن اداس تھا کتنا کہ ہم اسیر ہوئے
جلا جو ہو گا نشیمن، تو کیا ہوا ہو گا؟[3]

کبھی کسی کی غزل میں تھی، آپ ہی کی چبھن
کوئی رضا تھا، کبھی آپ نے سنا ہو گا

۱۔ کتاب "آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی" میں یہ مصرعہ یوں درج ہوا ہے:
ع جبیں نواز ترا کوئی نقشِ پا ملتا

۲۔ مطبوعہ:
شبیہ الحسن "آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی" لاہور، سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء صفحہ ۱۸۰

۳۔ درج بالا کتاب میں مطبوعہ غزل کا یہ مصرعہ یوں درج ہوا ہے۔
ع جلا جو ہو گا نشیمن تو اور کیا ہو گا

غزل [۱]

اے شعورِ زندگی، آخر تجھے یہ کیا ہوا؟ — اجنبی کیوں بن رہا ہے، جانا پہچانا ہوا
آپ نے مرجھائے پھولوں کا کیا کچھ تذکرہ — اور مجھ کو پرسشِ احوال کا دھوکا ہوا
ایسے لمحے زندگی میں آ ہی جاتے ہیں کہ لوگ — فرض کر لیتے ہیں، گویا وقت ہے ٹھہرا ہوا
توڑنے کو توڑ ڈالا، رشتۂ جذبات و شوق — دفعتاً محسوس لیکن دل میں اک جھٹکا ہوا
اب نظر آتا ہے اپنا گلشنِ فصلِ شباب — دور سے مہکا ہوا اور خواب سا دیکھا ہوا [۲]
جتنی روداد محبت کہہ سکوں سن لیں حضور — یہ نہ پوچھیں، کیا ہوا، پھر کیا ہوا، پھر کیا ہوا
وہ رضا جس کو غزل گوئی سے تھا کچھ واسطہ — واقعہ تھا اک زمانے میں، اب افسانہ ہوا

غزل

دل میں کھٹکے ہوئے، جب ان کو رضا دیکھا تھا — کیا کہیں، دوست، وہ احساس کا منظر کیا تھا
اپنے بارے میں، ترا حسنِ بیاں کیا کہنا — ہم نے تو اس سے بھی کچھ بڑھ کے سمجھ رکھا تھا

غزل

کلیجے پہ چھری پھیری، ہوا کیا؟ — نگاہیں پھیر لو اب، دیکھنا کیا؟
یہ عالم ہے محبت کا، وفا کیا؟ — زمانے میں خدایا، پھر رہا کیا؟
یہ الجھن رہ گئی، باتیں ہوئیں ختم — کہا کیا میں نے اور اس نے سنا کیا؟

۱۔ مطبوعہ:
(۱) شبیہ الحسن، کل رضا کا فن غزل گوئی، لاہور، سفینۂ پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء صفحہ ۱۷۹
(۲) فضل نقوی (ایڈیٹر) ہفت وار نظارہ، لکھنؤ ۸ ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۹ء صفحہ ۱

۲۔ یہ شعر ہفت وار نظارہ لکھنؤ میں اس طرح درج ہے:
اب نظر آتا ہے اپنا گلشنِ عہدِ شباب —— دور سے مہکا ہوا اور خواب سے دیکھا ہوا

بس اتنا ہی سمجھ کر رہ گیا ہوں | محبت کیا نہیں ہے؟ ماسوا کیا؟
تمہیں کتنے سروں کی ہے ضرورت | مزاجِ سرفروشاں پوچھنا کیا؟
شکایت کا سلیقہ ہی نہیں ہے | مجھے سرکار سے ہو گا گلہ کیا؟
یہ حسرت باغباں کی دیکھتا ہوں | جلائے کیا؟ نشیمن میں رہا کیا؟
محبت بھی کبھی اے بندہ پرور | عداوت ہی عداوت میں مزا کیا؟
محبت سے بھی اکتاتا ہے کوئی؟ | رضاؔ جلدی میں تم نے کہہ دیا کیا؟

غزل

اب ان کے سامنے یہی دستور ہو گیا | کچھ کہنے ہی چلا ہوں کہ مجبور ہو گیا
اس زخم کا علاج کرے گا زمانہ کیا | جو اہلِ دل کے قلب کا ناسور ہو گیا
یہ زندگی کی منزلِ دشوار الاماں | عہدِ شباب مجھ سے بہت دور ہو گیا
کٹ کر گرا وہ سلسلۂ کائنات سے | جو اپنے ہی وجود میں محصور ہو گیا
حسنِ غرور اس کا مرے دل سے پوچھئے | میرے بقدرِ شوق جو مغرور ہو گیا
اس حادثہ میں کتنا بڑا انقلاب ہے | جو پاس سے اٹھا تھا بہت دور ہو گیا
اب اختیارِ عرض تمنا دیا مجھے | جب یہ سمجھ لیا ہے کہ مجبور ہو گیا
کوشش تھی دل کی بات زباں زد نہ ہو مگر | شہرت نصیب درد تھا مشہور ہو گیا
تسکینِ دل کی خانہ خرابی نہ پوچھئے | مرہم بنا تو زخم بدستور ہو گیا
آنکھیں ہیں لو لگائے ہوئے ایک شان سے | جلوہ کبھی قریب کبھی دور ہو گیا
اس آسماں کو دیکھ رہا ہوں رضاؔ جہاں | اک چودھویں کا چاند تھا بے نور ہو گیا

غزل

ہم ہیں اور اپنی وہ تمنائیں | نہ گیا جن کا سلسلہ نہ گیا
جیسے کہتے ہوں اب مرے اشعار | ہمیں اچھی طرح کہا نہ گیا
ان کی آواز میں سنا تھا "رضاؔ" | اور پھر ہم سے کچھ سنا نہ گیا

غزل

کہہ کے جب دیکھی، فہم ہستی کے سمجھانے کی بات
ہنسنے والوں کے تصرف میں تھی، دیوانے کی بات

ہائے رے شعلہ نوائی اف رے لہرانے کا رنگ
کیا زبانِ شمع پر بجتی ہے، پروانے کی بات

طعنہ پڑتا ہے محفل میں ہمارے نام پر
بیٹھ کر اپنوں میں، کیوں کرتے ہو بیگانے کی بات

اس طرح احسان آنے کا جتانا خوب ہے
بیٹھتے ہی چھیڑ دی، اٹھ کر چلے جانے کی بات

میں ہوں مجبورِ محبت، مجھ پہ کیوں ہنستے ہیں لوگ
مجھ سے کیوں پوچھو جو ہے اوروں کو سمجھانے کی بات

کب، کہاں، کیوں اور کیونکر، کتنے بے جا ہیں سوال
عشق کا معیار کیا؟ سب ہے دل آ جانے کی بات

اس ادا پر، ناز کرتی ہے مری دیوانگی
کہہ کے دیوانہ، جو سن لیتے ہو دیوانے کی بات

ایسے عالم میں رضا، ہم باز آئے ہوش سے
کوئی مستانہ نہیں ہے، ہوش میں آنے کی بات

غزل

ناز پروردہ نشیمن کو
باغ ہی میں قفس، کھلا ہے بہت

آندھیوں کا دباؤ، کیا کم ہے
پھول، دل کا، ملا دلا ہے بہت

کوئی غم، ایک غم نہیں ہوتا
حلقہ حلقہ یہ سلسلہ ہے بہت

آپ بیتی ہو یا کہ جگ بیتی
قصہ، دردِ دل چلا ہے بہت

جان جاتی ہے آشیانے پر
اور کمبخت یہ جلا ہے بہت

آس دلوا کے، پھر کرو مایوس
ہم کو بھی اس کا حوصلہ ہے بہت

غزل[1]

اسی انجمن، اسی ڈھارس میں بسر ہو شاید
شبِ غم ہے کوئی اس کی بھی سحر ہو شاید

۱۔ مطبوعہ:

(i) شبیہ الحسن، آل رضا کا فن غزل گوئی، لاہور، سفینۂ ادب پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء صفحہ ۱۸۹

(ii) انکسار الحسن رضوی (مدیر) ماہنامہ جدید ادب، لاہور، مئی ۱۹۸۹ء صفحہ ۳۲

وہ کشش اور یہ خوددار نگاہی اپنی
دیکھیے، رہنے میں، توہینِ نظر ہو شاید

ان کی محفل سے ہم اس طرح بھی رخصت ہو آئے
اب ملاقات سرِ راہگزر ہو شاید

بے رخی میں، یہ توجہ کی اچٹتی سی نگاہ
جو چھپائے نہیں چھپتی وہ خبر ہو شاید

جب یہ طے ہو، کوئی دنیا میں ہمارا نہ رہا
پھر کہیں جھوٹی امیدوں سے مفر ہو شاید

جان پہچان کے بھی، اب وہ روادار نہیں
بھول جانے کا یہ اندازِ ہنر ہو[1] شاید

جس طرح پہلے پہل آپ نظر آئے تھے
پھر اب ایسی نہ طرحدار سحر ہو شاید

سائلانہ جو نظر اٹھ کے، جھک جاتی ہے
منہ سے الفاظ نکل جانے کا ڈر ہو شاید

پوچھتے ہو کوئی ارمان سلامت ہے ابھی؟[2]
غالباً" کوئی نہیں، اور اگر ہو شاید؟

آؤ، کچھ دیر اندھیرے سے، یونہی جی بہلے
رنگ پھیکا ہے چراغوں کا، سحر ہو شاید

بے اثر لاکھ محبت ہو، یہ رہتا ہے گماں
آج اثر، آج اثر، آج اثر، ہو شاید

مجھ سے کہتی ہیں زمانے کی نگاہیں یہ رضا
تم ہو چپ، سے تم اہلِ نظر ہو شاید

غزل

تھے درد سے، نہ کوششِ درماں سے ہوشیار
اب کیا ہوں، اپنے حالِ پریشاں سے ہوشیار

سانسوں کا ہے یہ حال، کہ جیسے کوئی کے
تلوار مل رہی ہے، رگِ جاں سے ہوشیار

پہلو بدل رہی ہیں، گلون مزاجیاں
زندانیو! مزاجِ نگہباں سے ہوشیار

کرتا ہے اور آمدِ طوفاں سے متصل
ہر دم یہ اضطراب کہ طوفاں سے ہوشیار

کتنے فریب کھا کے، ہمیں ماننا پڑا
انسان رہ سکے گا نہ انساں سے ہوشیار

۱۔ درج بالا کتاب اور رسالہ میں یہ شعر یوں طبع ہوا ہے

جان پہچان کے اب بھی وہ روادار نہیں
بھول جانے کا یہ اندازِ نظر ہو شاید

۲۔ یہ مصرعہ "آلِ رضا کل فنِ غزل گوئی" میں اس طرح رقم ہے:

پوچھتے ہو کوئی ارمان سلامت بھی رہا

حسنِ کرم کے شوق میں، یہ بھول ہی گئے
رہتا تھا ہم کو تنگیِ داماں سے ہوشیار

اپنے لہو سے تیرے گلستاں کو سینچ کر
ہم تو چلے، اب اپنے گلستان سے ہوشیار

فصلِ بہار آئی ہے، یہ پوچھتی ہوئی
تھا کون کون اپنے گریباں سے ہوشیار

داخل ہو جس کے داؤں میں، اک یہ بھی رسمِ رضا
اس پر رہا نگاہِ پشیماں سے ہوشیار

غزل ۱؎

محبت ناشناسوں میں محبت کی فغاں کب تک
نہ جانے کن کے دل سے کام لیتی ہے زباں اب تک

فسانہ دردِ دل کا آپ ایسے کیوں سنے جائیں
مگر دیکھیں کہ ہم ایسے ہیں مصروفِ بیاں کب تک

گلوں کی چلتی پھرتی چھاؤں میں کیا چمن سے بیٹھیں
نگاہوں میں یونہی کھٹکا کرے گا آشیاں کب تک

وہی جس کو ہمیں اب بھول جانا چاہیے شاید
اسی کی یاد آخر دل میں لے گی چٹکیاں کب تک

کھلے کچھ پیکرِ امید یا یہ وہم مٹ جائے
نظر آئیں گی دھندلی دھندلی سی پرچھائیاں کب تک

تمہارے نام پر کس کس طرح نہ دل کو سمجھایا
مگر یہ اہتمامِ خود فریبی، مہرباں کب تک

رضا کب سے یہی فریاد ہے باغِ تمنا کی
مجھے لوٹے چلا جائے گا، میرا باغباں کب تک ۲؎

غزل

دماغِ باغباں سے، خود نہ اٹھے گا دھواں کب تک
جلا ہی کرے گا، بے کسوں کے آشیاں کب تک

کہاں تک پابجولاں، دست بستہ آئے جائیں گے
یونہی کھڑکا کریں گی عاجزانہ بیڑیاں کب تک

۱؎ اس غزل کا اصل متن حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ لہٰذا مطبوعہ متن ہی کو اصل کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔
مطبوعہ:
(۱) رفیق خاور (مدیر) ماہنامہ "ماہِ نو" کراچی، مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۴۴
(۲) کشور ناہید (مدیر) ماہنامہ "ماہِ نو" لاہور ("انتخاب") اگست ۱۹۸۷ء صفحہ ۴۶۷

۲؎ اس غزل کا مطلع اور آخری تین اشعار نقلِ رضا کے مجموعہ کلام، غزل مسلسل (صفحہ ۸۳) میں بھی شامل ہیں۔

تمناؤں سے فرصت ہے، غموں سے بھی فراغت ہے
مگر اک موجِ بے ہوشی کی یہ سب خوبیاں کب تک

غلط فہمی، کبھی تو دور ہوتی ہے، محبت میں
برائے بدگمانی ہی رہو گے بدگماں کب تک

کہاں تک ان کو چھیڑا جائے، اے احساسِ خودداری
تقاضا درمیاں کب تک، تمنا رائیگاں کب تک

مسافر تھک گیا، دن ڈھل گیا، اب شام ہوتی ہے
نظر آئے گا اس عالم، میں رستے کا نشاں کب تک

دیارِ غیر میں یہ پوچھنا ہی پڑ گیا آخر
بلا کر، بے وطن کو، رہنے دیتے ہیں، یہاں کب تک

قفس کے منتظم نے "کس محبت" سے یہ پوچھا ہے
اسیرو، بھول جاؤ گے فضائے آشیاں کب تک

رضا کا خاتمہ بالخیر ہو جانا، مبارک ہو
چراغاں آپ کے گھر میں رہے گا مہرباں کب تک

غزل

غرورِ حسن کی رسمیں، ادا ہو جائیں گی کب تک؟
ادھر دیکھو، یونہی دیکھا کرے تجھ کو کوئی کب تک؟

بجھا دے یا بڑھا دے لو کوئی ان خستہ حالوں کی
چراغوں میں رہے گی، پھیکی پھیکی روشنی کب تک؟

وہاں تو ایک سانچہ ڈھل چکا ہے، کج ادائی کا
کسی تصویر سے کوئی یہ پوچھے، بے رخی کب تک؟

کبھی سنجیدگیِ ہم جلیسی کو بھی زحمت دو
اڑاؤ گے، مرے دردِ محبت کی ہنسی کب تک؟

مزاجِ دہر کا رنگِ تلون، کیا سمجھنے دے؟
ابھی جو آدمی ہے رہ سکے گا آدمی کب تک؟

ترا کیا حرج ہے، صیاد، دم بھر پھڑ پھڑا لیں گے
یہ غیرت آ گئی ہے، بے حسی ہی بے حسی کب تک؟

کہاں تک ہم نہ اکتائیں گے، دردِ دل سنانے سے؟
کئے جاؤ گے تم آخر، سنی کی ان سنی کب تک؟

نہ جانے کیا سمجھ رکھا تھا ان سے ربطِ الفت کو
نہ سمجھے، چلتی پھرتی چھاؤں میں ہمسائیگی کب تک؟

جوانی تھی، تو یہ بھی کھیل تھا، شمعِ تمنا سے
کہ جلتے ہی جو لہرائی، وہ لہرا کر جلی کب تک؟

پیامِ گل، بیادِ بوئے گل، پہروں یہ باتیں ہیں
فضائے دل، رہی عطر فروشی میں بسی کب تک؟

گنہ گارِ محبت ہوں، سزا وارِ محبت کر
تجھے اپنی طرف بھی دیکھنا ہے، برہمی کب تک؟

یہ دردِ دل ہے، اس میں بے تحاشا ٹیس اٹھتی ہے
حقیقت کو چھپائے جائے گی جھوٹی ہنسی کب تک؟

یہ وقت آیا، یہ وقت آیا، یہ وقت آیا
یونہی آتی رہے گی ان کے آنے کی گھڑی کب تک؟

پھواروں میں بہاریں تھیں بہاروں میں پھواریں تھیں
رضا وہ تم کے باتوں کی برکھا رت رہی کب تک؟

غزل

گھر غریبوں کے جلا کر، نہ تماشا دیکھو — جل بجھیں گے خس و خاشاک، جلیں گے کب تک؟
حسن میں، حسنِ سماعت کی بھی لہر آتی ہے — ہم پکاریں گے، جواب آپ نہ دیں گے کب تک؟
غیر بن کر، جو محبت کی سزا دیتے ہو — تازیانے، یہ سرِ بزم لگیں گے کب تک؟
ڈھیر کشتوں کے لگاتے ہیں، میاں، کیا کہنا! — یہ تو بتلاؤ کہ بے چارے اٹھیں گے کب تک؟
مار ڈالے گا، ہمیں اپنی بہاروں کا خمار — انتقام، اپنے ہی جذبات سے لیں گے کب تک؟

غزل

ناصحو! رکھا ہے کیا، اپنے اس افسانے کا نام — ہوش اڑا دینے کی باتیں، اور سمجھانے کا نام
کارِ قربانیِ جنونِ عشق کی، یہ بھی تو ہے — ان کے دروازے پہ لکھ دو، ان کے دیوانے کا نام
شمع کی لو، کو کبھی مدھم نہ ہونا چاہیے — اہلِ دل کی بزم میں، روشن ہے پروانے کا نام
اے مرے ماحولِ برگشتہ! تجھے میں کیا کہوں؟ — کوئی ہے دنیا میں، دنیا ہی بدل جانے کا نام
ہنس کے میرے ذکر پہ، بن کر یہ کہنا، اور کون؟ — اف رے دیوانے کی باتیں، کیا ہے دیوانے کا نام
دھوپ میں بٹھلا دیا لا کر، فریبی چھاؤں نے — خیر، اے دل، اب نہ لیں گے تجھ کو بہلانے کا نام
چھٹ گئے اتنے اب ہم اپنے چمن سے اے قفس! — اجنبی بن کر سنیں؟ فصلِ بہار آنے کا نام
کب میں کہتا ہوں؟ "مجھے اپنا سمجھتے ہو" مگر — اس تکلف سے، کوئی لیتا ہے بیگانے کا نام
سن رہا ہوں اب رضا، اپنی غزل پہ یہ غزل — مے پرائی ہو چکی، چلتا ہے مے خانے کا نام

غزل[۱]

تقاضائے وفا ہے نا معلوم — آپ کیا چاہتے ہیں، کیا معلوم؟
آپ کی مہربانیاں، توبہ — ابتداء ختم، انتہا معلوم

۱۔ مطبوعہ:
(۱) شبیہ الحسن: آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی، لاہور، سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء صفحہ ۱۸۲
(۲) فضل نقوی (ایڈیٹر) ہفت وار نظارہ، لکھنؤ، ۲۱ نومبر ۱۹۸۹ء صفحہ ۱

مجرم، لطف اتنی عنقا ہے! جانیے، خیر ہو گیا معلوم
پیار کرتا ہوں، دل کے ٹکڑوں کو کس قدر، خود غرض ہوں، کیا معلوم
میں کہوں دردِ دل، اور آپ کہیں یہ تو پہلے ہی ہم کو تھا معلوم[۱]
آخری شمع جھلملاتی ہے اور نمودِ سحر! خدا معلوم
ہے بھیانک سراب کا دھوکا ہو رہا تھا جو خوشنما معلوم
جب چھٹی وہ گلی، حواس تھے گم کس نے، کیا کیا کہا، خدا معلوم
نیند میں اٹھ کے، جیسے کوئی چلے جا رہا ہوں، کدھر، یہ کیا معلوم

غزل

دنیائے حسن و عشق، غزل خواں ہے اور ہم نغمے ہیں، جیسے اور یہ عنواں ہے اور ہم
ملتی نہیں ہے نبض، نظامِ حیات کی خونِ رواں، خلافِ رگِ جاں ہے اور ہم
دیکھا تھا یوں شباب کو، ہم نے، بھی خواب میں جیسے کوئی بہار کا طوفاں ہے اور ہم
زخمی ہیں، اپنے ہاتھوں سے آنکھیں ملی ہوئی گرد و غبارِ عمرِ گریزاں ہے اور ہم
لائے ہیں اپنے ساتھ، نگاہِ قفس زدہ دھندلی سی اک فضائے گلستاں ہے اور ہم
اب دل کے ساتھ، رت کے تقاضے بدل گئے بھولی سی داستانِ بہاراں ہے اور ہم
کھلتے نہیں ہیں لب، کہ ایمان ہی کی بات پرسانِ حال دشمنِ ایماں ہے اور ہم
خود داریِ مزاج کی تسکین ہو گئی حد نظر تک اپنا بیاباں ہے اور ہم
کشتی پہ اعتبار بھی، کتنا گناہ تھا ہر موج موج خندۂ طوفاں ہے اور ہم
باقی ابھی ہے ہوشِ نظر، تم کہاں چلے مجموعۂ حواسِ پریشاں ہے اور ہم
کیا جانیے، کہاں سے ہیں پھولوں کی بارشیں ہاتھوں میں ایک گوشۂ داماں ہے اور ہم
احساسِ حسن دوست ہے خود پیکرِ جمال کتنی حسین فکر کا ساماں ہے اور ہم

۱۔ یہ شعر ہفت روزہ "نظارہ" لکھنؤ میں طبع نہیں ہوا۔

رفتارِ وقت کا بھی گزر، اس جگہ نہیں — اب تو یہاں تصورِ جاناں ہے اور ہم
مہمان بن کے ہم بھی کہاں آ گئے رضا — ہر میزبان بے سر و ساماں ہے اور ہم

غزل

ہے اِذن، دیدِ منتظرِ طرزِ دید بھی — کس حسنِ احتیاط، میں ادھر دیکھتے ہیں ہم
ذوقِ ادب سے، دیکھ کے، حسنِ قبول کو — حسنِ قبولیت کی نظر دیکھتے ہیں ہم
اللہ رے ذوقِ دید و لحاظِ وقارِ حسن — جن کو نظر بچا کے ادھر دیکھتے ہیں ہم
ہر وقت اپنی چشمِ تصور ہے اور تم — دن رات، اپنے شمس و قمر دیکھتے ہیں ہم

غزل[1]

چلتی پھرتی چھاؤں تھی، جو زندگی سمجھے تھے ہم — یہ سمجھنا ہی غلط ہے، کچھ کبھی سمجھے تھے ہم
دیر تک دنیائے دل میں زلزلے آتے رہے — اک ذرا ان کی توجہ میں کمی سمجھے تھے ہم
جیسے ہمت ہی بڑھائی جا رہی ہو، شوق کی — سادگی اپنی تھی، اور ان کی خوشی سمجھے تھے ہم
وہ اندھیرے کا سفر، اور یہ مسلسل حیرتیں — اس جگہ کیا شے تھی، جس کو روشنی سمجھے تھے ہم
وہ جو محفل میں کن انکھیوں سے ہمیں دیکھا کیے — واہ رے بیگانگی، کچھ اور ہی سمجھے تھے ہم

غزل

اور بزمِ دل کا ایسا، جذبِ یکجائی کہاں — اور، یوں ملتا ہے، سودائی سے سودائی کہاں
ان کی محفل سے اٹھے، گویا کہ دنیا سے اٹھے — کیا ہوا ہم کو، طبیعت آج گھبرائی کہاں
آ ہی جاتے ہیں ملاقاتوں میں، ایسے بھی مقام — بھول جاتا ہوں، یہاں ان سے شناسائی کہاں
جن کو ہم اپنا سمجھتے تھے، وہ کتنے غیر ہیں — ہائے دل کمبخت، لے آیا یہ سودائی کہاں

۱۔ مطبوعہ:
شبیہ الحسن "آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی"، لاہور، سفینہ، جوبلی ایڈیشن، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۹۲

میں سناتا دردِ دل، اور آپ سنتے اس طرح
دونوں مل کر دیکھئے، کس کو ہنسی آئی کہاں

فرش کی حد تک رضا تم تو نہ تھے اس بزم میں
اور اس کے بعد پھر اپنی جگہ پائی کہاں

غزل

مری آنکھ میں ستمگر، میں نظر بچا رہا ہوں
نہ رہا جہاں نشیمن، وہ چمن بسا رہا ہوں

مرے شعر جن کی خاطر، وہ یہاں نہیں تو اے دل
یہ میں کس سے ہوں مخاطب، یہ میں کیا سنا رہا ہوں

یہ سماں بھی دیدنی ہے مرے عزم کے عمل کا
مجھے دیکھتی ہے منزل، میں قدم اٹھا رہا ہوں

ہے غضب کا بارِ خاطر، جو ہے شور راستے میں
مری منزلِ خموشی، ترے پاس آ رہا ہوں

مرے سامنے تماشا، مجھے یاد آپ بیتی
یہ پہاڑ سر پہ رکھ کر میں نظر اٹھا رہا ہوں

یہ مری سیاہ راتیں، کبھی جگمگا اٹھی ہیں
وہی، جب یہ میں نے سوچا تجھے یاد آ رہا ہوں

ابھی اور لے گی بدلے، یہ جو خندہ زن ہے دنیا
کہ ملا ولا ہے دامن، جو بچا کے جا رہا ہوں

نہ میں دوستی میں پرفن، نہ میں دشمنی کے قابل
نہ فریب دے رہا ہوں نہ فریب کھا رہا ہوں

مرے نازِ جستجو پہ جو تجھے ہنسی نہ آئی
میں تجھی سے کیوں نہ کہہ دوں میں تجھی کو پا رہا ہوں

ہے رضا یہ کون عالم، جو نہ آ سکا سمجھ میں
میں قفس سے آ رہا ہوں کہ قفس میں جا رہا ہوں

غزل[۱]

کھل رہی ہوں گی زمانے کو ہماری باتیں
دل ہی دل ڈھونڈتی ہیں، درد میں ڈوبی باتیں

بات کاٹے ہی چلا جاتا ہے، دنیا کا مذاق
اور ہم ہیں کہ ہوئے جائیں انہیں کی باتیں

واقعہ اب نہ رہے، شغلِ تخیل ہی سہی
وضع تو ساز ہیں، ہر وقت پرانی باتیں

دوستو، رسمِ تصنع کو زیادہ نہ بڑھاؤ
گتھیاں ڈالیں نہ، دکھلاؤ میں الجھی باتیں

۱۔ مطبوعہ:
شبیہ الحسن 'آل رضا کا فن غزل گوئی' لاہور، سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء صفحہ ۱۹۱

بال و پر والوں میں ہوتی ہیں عجب لحن کے ساتھ
پھولوں میں تاروں کی، تقریبِ سحر کی باتیں

یہ سمجھ کر کہ اسے دیکھ رہا ہے کوئی
حسن کے ایک تبسم میں ہیں کتنی باتیں

کون جانے کہ وہ تھا یا کہ یہ ہے دورِ جنوں
اب ہنسی آتی ہے، سنتا ہوں جو اپنی باتیں

تم نہ تھے پاس مگر کتنے رخوں سے کی ہیں
رات بھر چاند ستاروں سے، تمہاری باتیں

جتنے منہ، اتنی ہی باتوں کا تماشا دیکھا
ل سب کے انکارِ محبت ہیں، ہماری باتیں

اور جو چاہے رضاؔ، رنگِ غزل میں کہہ لو
مایۂ ناز غزل تو ہیں، دل کی باتیں

غزل

شوقِ منزل کو اگر ذوقِ بداماں کر دیں
یوں چلیں، جادۂ منزل کو درخشاں کر دیں

کم نہیں حبس ہوا سے کہ چلیں گلشن میں
وہ ہوائیں جو شگوفوں کو پریشاں کر دیں

ان سے وابستہ خیالوں سے سجائی محفل
چاہتی ہے کہ وہی آ کے چراغاں کر دیں

ہم بہرحال دعا گو ہیں مگر بندہ نواز
آپ کو اپنی خطائیں نہ پشیماں کر دیں

اب کوئی اس کو سمجھے کیوں کہ ہمارے نزدیک
وضع داری ہے کہ پھر چاک گریباں کر دیں

واہ رے، جدتِ ترکیبِ تمنا کا مذاق
آپ اس فکر میں رہتے ہیں کہ حیراں کر دیں

غزل

اب یہی دستور ٹھہرا ہے تو کیوں شکوہ کریں
وہ نگاہیں روز بدلے جائیں، ہم دیکھا کریں

ہم کلامی کا شرف دے کر، مرے ذرہ نواز
دل سے سن بھی لیں، جو دل کا تذکرہ چھیڑا کریں

لیجئے، طے ہو گیا، ان کو بھلا سکتے نہیں
دل کو بہلاتے رہے اب تک، مگر اب کیا کریں

رات کے چہرے پہ وہ پچھلے پہر کی چاندنی
دھوپ میں بیٹھے ہوئے، کب تک یہی سوچا کریں

ل یہ شعر "آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی" میں شامل نہیں ہے۔

غزل

یوں ہوش آج مٹایا گیا دیوانوں میں
دھجیاں بھی نہ رہیں چاک گریبانوں میں

اس کی تصویریں تجو[1]، کفر کے ایوانوں میں
یہ جو اسلام سا رائج ہے، مسلمانوں میں

چار چاند اور لگیں، آپ کے احسانوں میں
آ گئے آپ، تو جان آ گئی بے جانوں میں

خیر مقدم ہے یہ کس رت کا، خدا خیر کرے
کتنے ادھڑے ہوئے ٹانکے ہیں گریبانوں میں

مہرباں، آپ کا یہ طرزِ تبسم کا نکھار
اور الجھائے گا، مجھ کو، مرے ارمانوں میں

راستہ سمجھے گا کیا، نیند میں چلنے والا
واہ رے ہوش کی رفتار یہ دیوانوں میں

کیا مرے دردِ محبت کی حقیقت ہے یہی
اس کو تقسیم کیا جائے اب افسانوں میں

ہم نے دیکھے ہیں، بڑے غیض و غضب کے عالم
کشتیاں اڑتی ہیں، بپھرے ہوئے طوفانوں میں

آہ! بے چارے غریبوں کے دلوں کی بے زباں
حال، بے تیل چراغوں کا، یہ خانوں میں

ہم تو زنداں کو بھی، گھر اپنا سمجھ لیتے ہیں
کوئی ہمدرد جو ملتا ہے نگہبانوں میں

کاش ہم کو نہ میسر یہ سلیقہ ہوتا
جانور کتنے نظر آتے ہیں انسانوں میں

ساتھ پھرتے ہیں غریب الوطنی کے سائے
اپنی گنتی ہے، نہ اپنوں میں، نہ بیگانوں میں

ہوش والوں میں رضا دردِ سری رہتی ہے
جی بہلتا ہے، محبت، ترے دیوانوں میں

غزل[2]

موت آنا تو کوئی بات نہیں
الجھنوں سے مگر نجات نہیں

تم کے جاؤ، میں نے جاؤں
خیر، جانے دو، کوئی بات نہیں

آ گئے، جگمگا اٹھا، مرا گھر
جتنی باقی ہے، اب وہ رات نہیں

باغ ہی، جب سے، بن گیا ہے قفس
آشیاں کی سی کوئی بات نہیں

کون پوچھے گا، ہم غریبوں کو
آپ کی چشم التفات نہیں

ا۔ ''تجو'' بمعنی سجاؤ۔

۲۔ مطبوعہ:
شبیہ الحسن 'آل رضا کا فن غزل گوئی' لاہور، سفینہ پبلی کیشنز ۱۹۸۹ء صفحہ ۱۸۶

حسن کا جزو ہے کہ قدر کرو[1] یہ الگ سوچنے کی بات نہیں
جس کے تاروں میں چاند سورج تھے[2] میرے حصے کی اب وہ رات نہیں
دردِ دل تم سے کہہ رہا ہے رضا یہ تو ہنسنے کی کوئی بات نہیں

غزل

دوستو! اس میں کوئی حرج تمہارا تو نہیں
نہ ملیں دل سے، یہ دستور ہمارا تو نہیں
لاگ ہے دل کی، زبانوں پہ اڑی پھرتی ہے
میں نے جا کر سرِ بازار پکارا تو نہیں
اس نے کس پیار سے، یوں ترکِ محبت کو کہا
"پی بھی لو" زہر بہرحال گوارا تو نہیں
میں تو ہوں اپنی محبت کی کھٹک کا مجرم
تم نے اس پھانس کو، رہ رہ کے ابھارا تو نہیں
آپ کے در پہ ٹھکانہ کوئی دل کا مل جائے
مر کے اٹھتا ہے، یہ دو دن کا گزارا تو نہیں
کوئی آواز بھی تم سے نہیں کہتی ہے
دیکھو آؤ، کوئی دکھ درد کا مارا تو نہیں
میں جسے آفتِ جاں، آفتِ جاں کہتا ہوں
وہی آفت میرے جینے کا سہارا تو نہیں
بات وہ کر بھی چکے، ہم یہ سمجھتے ہی رہے
سادگی میں کوئی شوخی کا اشارا تو نہیں
پہلے منجدھار سے کشتی تو سلامت رکھئے
پھر یہ دیکھیں کہ بہت دور کنارا تو نہیں
جب نکلتا ہوں ادھر سے، تو بڑی دور تلک
کان بجتے ہیں کہیں اس نے پکارا تو نہیں
صاحبِ طرز ہیں کیوں؟ چاکِ گریباں والے
اس میں کچھ اہلِ تماشا کا اجارہ تو نہیں
حسنِ فطرت کا یہی ناز رضا کیا کم ہے
مجھ کو انسان نے پوجا ہے، سنوارا تو نہیں

غزل

اور طوفانِ حوادث کا کوئی غم تو نہیں
دیکھتا ہوں کہ مزاج آپ کا برہم تو نہیں

۱۔ یہ مصرعہ "آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی" میں اس طرح رقم ہے۔
ع حسن کا جزو ہیں کہ قدر کرو

۲۔ یہ مصرعہ "آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی" میں اس طرح درج ہے:
ع جس کے تارے بھی چاند سورج تھے

ان سے ہوتی ہیں نگاہوں کی زباں میں باتیں
رکھ رکھاؤ یہ محبت کا کوئی کم تو نہیں

کہتے جاتے ہیں مرے پاس سے اٹھنے والے
نا کسی بے خبری' ہوش کا عالم تو نہیں

عطر بیزی ہے کہ دیوانہ کیے دیتی ہے
کہیں نزدیک وہ خوشبوئے مجسم تو نہیں

خوش انھیں دیکھ کے ہم نے یہ "مزاحاً" پوچھا
دیکھئے! آپ کی محفل میں کہیں ہم تو نہیں

دردِ دل ان کو سنانے میں یہ رہتا ہے لحاظ
بے مروت ہیں جو آنکھیں' وہ کہیں نم تو نہیں

ان سے اک دن یہ رضا "تذکرۃً" کہہ دیکھو
آپ کے پاس مرے زخم کا مرہم تو نہیں

غزل

خفگی ان کی طرف' حدِ طلب ہے کہ نہیں
کم نگاہی کے جوابات' غضب ہے کہ نہیں

بے رخی سارے زمانے کی' نہ جانچی نہ کھلی
اک حسیں سے ہے[۱] گلہ کوئی عجب ہے کہ نہیں

عشق بے چارہ بھلا کس سے اجازت مانگے
حسن دیکھے تو کوئی اذن طلب ہے کہ نہیں

مار ڈالے جو' اسے جان کے قاتل نہ کہیں
اے محبت' یہ ترا پاس ادب ہے کہ نہیں

لاگ کو دل کی لگی آگ ہوا دیتی ہے
شمعِ سوزاں پہ پروانہ طلب ہے کہ نہیں

لب جو آتے ہیں زمانے میں خوشی کے لیے
ان میں شادابیٔ ہنگام طرب ہے کہ نہیں

ہم نے موزونیتِ شوق کو یوں جانچا (ہے)[۲]
شعر جیسے کوئی شایانِ ادب' ہے کہ نہیں

ہوش آغازِ محبت میں ہے مشکل ہی رضا
خیر' جب تھا کہ نہ تھا' خیر سے اب ہے کہ نہیں

غزل [۳]

ابھی یہ کوفت کہ شایانِ غم' زباں ہی نہیں
ابھی یہ حال کہ غم قابلِ بیاں ہی نہیں

۱۔ "ہے" کا لفظ سوا رہ گیا ہے۔

۲۔ "ہے" کا لفظ سوا رہ گیا ہے۔

۳۔ مطبوعہ!

(i) شبیہ الحسن' آلِ رضا کا فن غزل گوئی' لاہور' سفینہ ادبی کیشنز' ۱۹۸۹ء صفحہ ۱۸۷

(ii) محمد شریف (مدیر) ماہنامہ تہذیب الاخلاق' لاہور' ستمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۶

نہ ہو عطائے محبت تو پھر کسے ہو نصیب
وہ وقت جس کا کوئی صرف، رائیگاں ہی نہیں

سلا گئے تھے، ہمیں بادباں شکن جھونکے
کھلی ہے آنکھ تو کشتی میں بادباں ہی نہیں

کہو، جو ہم کو دیے جا رہے ہو بے سمجھے
یہ زخم اپنی طبیعت پہ اب گراں ہی نہیں

اسی میں، جیت رہی ہے وفا پرستوں کی
لگے نہ جان کی بازی، تو امتحاں ہی نہیں

خراب رنگیِ زمانہ نہ ہو گی عظمتِ دل
زمیں کی گرد جہاں ہو، وہ آسماں ہی نہیں

زبانِ دل میں جو باتوں کا کچھ شعور آیا
تو اب وہاں ہوں جہاں کوئی ہم زباں ہی نہیں[1]

چہل پہل تھی جوانی کی، اب[2] ہے جو بھی تو کیا
کہ زندگی کے لیے وہ بلائے جاں ہی نہیں

چھپا کے ہم سے چمن بندیوں کے منصوبے
چمن میں جیسے ہمارا تو آشیاں ہی نہیں

یہ کہہ کہ بجھ گئے کتنے، فضا[3] شناس چراغ
ہوائے بزم، ہماری مزاج داں ہی نہیں

رضا یہ دل کی شرافت، یونہی نہ مٹ جائے[4]
کہ اس غریب کا اب کوئی قدر داں ہی نہیں

غزل

بندۂ حسن بھی ہوں، حسن کا احسان بھی ہوں
ساز و ساماں نہ سہی بے سر و ساماں بھی نہیں

ذکر، جذباتِ دل آویز کا چھیڑوں کیوں کر
حال یہ ہے، کہ دل آویزیِ عنواں بھی نہیں

شہر میں تیرے، نہ ٹھہریں گے ترے دیوانے
کیا ترے شہر کے نزدیک، بیاباں بھی نہیں

باغیِ وضعِ عقیدت ہیں، نہ چھیڑو ان کو
جیسے کافر تھے، ابھی ویسے مسلماں بھی نہیں

چھاؤں آنے نہیں دیتا ہے، تن آسانی کی
تیری دیوار کا سایہ، جو گریزاں بھی نہیں

خواب دیکھا تھا کبھی، اے چمنستانِ خیال
گل بھی افراط سے ہیں، تنگیِ داماں بھی نہیں

۱۔ تہذیب الاخلاق میں یہ شعر یوں درج ہے۔
زبانِ دل میں تکلم کا جب شعور آیا ------ وہاں ہوں قید جہاں کوئی ہمزباں ہی نہیں

۲۔ تہذیب الاخلاق میں یہاں "اب" کے بجائے "پھر" درج ہے۔

۳۔ تہذیب الاخلاق میں یہاں "فضا" کے بجائے "قضا" درج ہے۔

۴۔ تہذیب الاخلاق میں یہ مصرعہ یوں درج ہے۔
"رضا یہ دل کی شرافت بہت ستائی ہوئی"

دیکھ سوچوں، پہ ہواؤں کے تھپیڑوں کا دباؤ
ناخدا! تجھ کو تو اندازۂ طوفاں بھی نہیں

جس پہ لکھے تھے، کچھ افسانۂ دل کے ٹکڑے
اب مرے پاس، وہ اوراقِ پریشاں بھی نہیں

معذرت، حسن کی سرکار میں، کس منہ سے رضا
اے گنہ گارِ محبت، جو پشیماں بھی نہیں

غزل [۱]

نمودِ خود فریبی کی نئی راہیں نکلتی ہیں
امیدیں ٹوٹنے سے پہلے، جب شکلیں بدلتی ہیں

دیارِ دوست سمجھا تھا جسے، اس کی فضاؤں میں
جہاں شمعیں جلاتا ہوں، ہوائیں تیز چلتی ہیں

جوانی لاکھ دیوانی سہی، یہ بھی تو دیکھا ہے
امنگیں اپنی رو میں، ٹھوکریں کھا کر سنبھلتی ہیں

تڑپتا ہوں مگر اک ربط ہے سوزِ محبت سے
دہکتی آگ پر کیفیتیں پہلو بدلتی ہیں

تماشا یہ بھی ہوتا ہے چمن میں وضع داری کا
نشیمن جن پہ جلتے ہیں، وہ شاخیں ساتھ جلتی ہیں

زمانے میں سدا آباد کوچے، ہیں محبت کے
خدا رکھے یہ گلیاں ہر جگہ دن رات چلتی ہیں

غزل

فرض جب کر لیا، وہ آتے ہیں
در و دیوار جگمگاتے ہیں

ان سے، کیوں آسرا لگاتے ہیں
تجربے کر کے بھول جاتے ہیں

کتنی خوشبوئیں، ل کے اک خوشبو
کس مزے سے وہ یاد آتے ہیں

ہم وہ بچے ہیں، کتنے شوق کے ساتھ
آپ جو کچھ ہمیں بتاتے ہیں

جن ستاروں کے مل پہ جیتے تھے
دیکھیے، اور کیا دکھاتے ہیں

ہم سے کوئی نہ حالِ دل پوچھے
خیر اس بات کی مناتے ہیں

جن چراغوں سے رات کتنی تھی
اب وہ رہ رہ کے جھلملاتے ہیں

۱۔ مطبوعہ:
شبیہ الحسن 'آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی' لاہور، سفینۂ جدید پبلشرز ۱۹۸۹ء صفحہ ۱۸۵

دھوپ کتنی ہے سر پہ آئے گی — اب تو سائے سے اٹھ کے جاتے
ان کے ایسے کسی مخاطب کو — پھروں ہم درد دل سناتے
سامنے ان کے، ہم بھی کیا کیا کچھ — ان کی خاطر سے بھول جاتے

غزل

ہم سے دیوانوں کو ہوتا ہے محبت کا مرض — ہاں یہی ہو گا، یہی آپ جو فرماتے
دل میں وہ آگ لگی ہے کہ قفس کے باہر — مجھ کو جلتے ہوئے تنکے ہی نظر آتے

غزل

زخم، یہ کتنی نفاست سے سیے جاتے ہیں — ڈھلنے پاتے نہیں آنسو تو، پیے جاتے
یہ بھی دیکھا ہے کہ اک موجِ تبسم سے بھی — کتنے طوفانوں کے رخ، پھیر دیے جاتے
سرحدِ ہوش تو، اب ختم ہوئی، وہ نہ ملے — میرے جذبات، کہاں مجھ کو لیے جاتے
زندگانی کا یہ بے طور طریقہ کوئی — ہم سے مرتے نہیں بنتا تو جیے جاتے
دردِ دل کہنے کی، ویسے تو کوئی حد ہی نہیں — کچھ مقامات مگر چھوڑ دیے جاتے
کچھ اسی وضع کے، ہوتے ہیں، خوشی کے لمحے — کم ٹھہرتے ہیں، بہت یاد کیے جاتے
جو محبت پہ مٹے جاتے ہیں ان سے یارو — انتقامات محبت کے لیے جاتے
دوستانِ سرِ ساحل کو، کس ارمان کے ساتھ — ڈوبتے وقت ہم آواز دیے جاتے
بے وفاؤں سے محبت کا بھی کیا کیا گلہ — بے وفاؤں سے، محبت بھی کیے جاتے
آپ مل دل کے انہیں پھینک ہی دیتے ہوں گے — وہ دیے پھول، جو پھر چھین لیے جاتے ہیں
ہم دیوانوں نے لکھ رکھا ہے، دروازوں پہ — اس جگہ چاک گریباں کے سیے جاتے ہیں
احتمالِ حدتِ خورشید کا لینے کے لیے — دھوپ میں، بند قبا کھول دیے جاتے ہیں
جو رفقہ چھوڑ گئے ہم کو، اسی کی خاطر — ہم انہیں یاد، بہت یاد کیے جاتے ہیں

غزل [۱]

سانس کی جی داری پہ نازاں، کس عالم میں رہتے ہیں
موت سے ان بن رکھنے والے کیا کیا صدمے سہتے ہیں

ہم یہ کہیں گے، وہ یہ کہیں گے، دل سے کتنی بار کہا
پھر بھی جگہ ہے اس کی خالی، دیکھیے وہ کیا کہتے ہیں

غزل

[۲] لے جب تم، اسے ہم نازشِ حاصل سمجھتے ہیں
یہ وہ ماضی ہے، جس کو حال و مستقبل سمجھتے ہیں

یہ دنیا، جو نشاطِ زندگی پر منحصر ٹھہری
ہم اس میں، واقعاتِ درد بھی شامل سمجھتے ہیں

زمانے کے حوادث پھر ہمیں کو آزما دیکھیں
خدا جانے یہ کس پہلو میں کیسا دل سمجھتے ہیں

اندھیرے میں لیے پھرتے ہیں یوں طوفاں زدہ کشتی
کہ دریا ہی نکلتا ہے، جہاں ساحل سمجھتے ہیں

چلو، اچھا ہوا، حالت بدلتے خود نہیں دیکھی
تری محفل کو ہم اب تک وہی محفل سمجھتے ہیں

پڑے ہیں پھول کچھ مسلے ہوئے گزرے زمانے کے
انہیں کو آج تک ہم یادگارِ دل سمجھتے ہیں

پسینہ خشک ہو گا، سایۂ دیوار میں ان کے [۳]
یہی اپنے سفر کی آخری منزل سمجھتے ہیں

ستم پر آپ کے مجھ کو تو ہے آسان ہنس دینا
ذرا سا مسکرانا آپ کیوں مشکل سمجھتے ہیں

مزے لیتے ہیں پہروں، آپ کی طرزِ سماعت کے
جب اپنے شعر کو ہم آپ کے قابل سمجھتے ہیں

ہمیں دھن ہے کہ ان کے در پہ بیٹھیں اور دعائیں دیں
رضا دیکھیں تو وہ کب تک ہمیں سائل سمجھتے ہیں

۱۔ مطبوعہ:
شبیہ الحسن، آل رضا کا فنِ غزل گوئی، لاہور، سفینۂ ادب پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۸۳

۲۔ یہ مصرعہ "آل رضا کا فنِ غزل گوئی" میں اس طرح درج ہے۔
ع لے جب تم اسے ہم نازشِ کامل سمجھتے ہیں

۳۔ یہ مصرعہ "آل رضا کا فنِ غزل گوئی" میں اس طرح رقم ہے:
ع پسینہ خشک ہو گا سایۂ دیوار میں ان کی

غزل

عقل نے کتنی ٹھوکریں کھائیں اب یہ سمجھے کہ ہم سمجھتے ہیں
حسن میں انفرادیت ہے بہت اور اسے لوگ کم سمجھتے ہیں
قصہ خوانی نہیں ہے ذکرِ حبیب اس نزاکت کو ہم سمجھتے ہیں

غزل

وہ غیروں میں شامل ہوئے جا رہے ہیں — محبت کے بدلے لئے جا رہے ہیں
یہ عمرِ رواں کا سفر ہے مسلسل — مسافر برابر چلے جا رہے ہیں
زوال آ چلا، رونقِ انجمن پہ — چراغوں کے تنکے ڈھلے جا رہے ہیں
انہیں اپنی محفل مبارک کہ ہم خود — نگاہیں بچا کر اٹھے جا رہے ہیں
چمن نے جو سمجھا ہمیں بارِ خاطر — نشیمن کے تنکے چھپے جا رہے ہیں
یونہی بارہا ان کو دیکھا کیے، ہم — دکھائی دیے اور چھپے جا رہے ہیں
محبت کے قصوں میں کتنی کشش ہے — کہے جا رہے ہیں، سنے جا رہے ہیں
وہاں حسن ہی حسن ہے، اے محبت — جہاں تک ترے سلسلے جا رہے ہیں
یہ رستے کے کانٹے، یہ تلووں کے چھالے — مگر ہم نباہے چلے جا رہے ہیں
رضاؔ اب تو نام آ ہی جائے گا تیرا — وہاں آج دشمن چنے جا رہے ہیں

غزل

تجربے سنتے ہیں، افسانہ بنے بیٹھے ہیں — ہم تری بزم میں، کیا کیا نہ بنے بیٹھے ہیں
لوگ ہنستے ہیں، تو دیوانہ نوازی ان کی — ہم بھی ہنستے ہیں کہ دیوانہ بنے بیٹھے ہیں
اپنے ساقی سے، نگاہیں جو ملائے رکھیں — متصل گردشِ پیمانہ بنے بیٹھے ہیں
مجھ کو اس وضعِ فریبی پہ ہنسی آتی ہے — منحرف شمع سے، پروانہ بنے بیٹھے ہیں
محفلِ دوست میں کچھ ایسی ہی گزری ہم پہ — ایک گوشہ میں جو بیگانہ بنے بیٹھے ہیں
ہم فقیروں سے نہ بولو کہ درِ جاناں پہ — صاحبِ مسندِ شاہانہ بنے بیٹھے ہیں
ایک مدت سے رضا رہگزرِ دوست میں ہم — نظرِ لطف کا بیعانہ بنے بیٹھے ہیں

غزل

حوصلوں کا اوج بنا نقشہ سمجھ لیں تو بڑھیں
اپنی رو میں کیا بنا ڈالا، سمجھ لیں تو بڑھیں

ہم نے کہیں محسوس خوشبوئیں پیامِ دوست کی
اور اس حق سے زیادہ کیا، سمجھ لیں تو بڑھیں

دل سے تھی کتنی تلاشِ دوست کی منزل قریب
پڑ گئے، اس بیچ میں، رستہ سمجھ لیں تو بڑھیں

ایک خط پڑھنا ہے اور یہ ابتدائی مرحلہ
کچھ لکیروں کا کوئی خاکا سمجھ لیں تو بڑھیں

دستِ سائل بڑھ ہی جاتے ہیں مگر اتنا تو ہو
مانگنا جس سے ہے، ظرف اس کا سمجھ لیں تو بڑھیں

ہے دیارِ غیر، رکنا پڑ گیا اس سوچ میں
کس طرح اس کو رضا اپنا سمجھ لیں تو بڑھیں

غزل [1]

خود اپنا عکس دیکھیں، یا مقابل کی جلا دیکھیں
انہیں یوں دیکھتے ہیں ہم کہ جیسے آئینہ دیکھیں

نگاہِ شوق بے حد میں، زماں کیسا، مکاں کیسا
یہی جی چاہتا ہے ہم انہیں بے انتہا دیکھیں

محبت میں گزرتی ہے، محبت میں گزر جائے
نہ کچھ اس کے سوا دیکھا، نہ کچھ اس کے سوا دیکھیں

سکوں آئے گا ساتھ ان کے مگر اتنا تو دل ٹھہرے
کہیں ہم بیٹھ جائیں اور ان کا راستہ دیکھیں

قدومِ رہبرِ منزل کے سانچے اور ہوتے ہیں
ہر اک رہرو سے کیا مطلب کہ اس کے نقشِ پا دیکھیں

کمیں گاہوں میں جو کچھ ہے، ابھی ہو جائے گا روشن
نئے مہمان، جب تک رونقِ مہماں سرا دیکھیں

نظر بے جذب، دل بے کیف، نظارہ سراسمہ
ہمیں اب دیکھنا آتا نہیں، دیکھیں تو کیا دیکھیں

یہ طوفانی ہوائیں، اور یہ عشقِ اداکاری
کہ جب ڈوبیں تو ہم یوں بن کے شکلِ ناخدا دیکھیں

نہ بجھنے دے گی اب اہلِ نشیمن کو یہ خودداری
جلا جاتا ہے گھر اپنا، اسے باہر سے کیا دیکھیں

لگائے لو جو بیٹھے ہیں رضا شمعِ تمنا سے
وہ اپنا آسرا دیکھیں، کہ دنیا کی ہوا دیکھیں

۱۔ مطبوعہ:
شبیہ الحسن "آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی" لاہور، سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء صفحہ ۱۷۷

غزل

بتا رہا ہوں نشانات سلسلے کے لیے — وہیں پہ سجدہ، وہ جب اور جہاں نظر آئیں
کہاں نہیں وہ، مگر یہ ہے جلوہ سامانی — کہاں دکھائی نہ دیں اور کہاں نظر آئیں

وہ تیری بزم میں، کس دل سے اور کہاں بیٹھیں؟ — جو بے بلائے ہوئے میہماں نظر آئیں
اب آئینے کا یہی کام رہ گیا ہے رضا — کہ روز روز، نئی جھریاں نظر آئیں

غزل[۱]

کب چاہتا ہوں ان سے کوئی عرضِ حال ہو — اب اس کا کیا علاج کہ صورت سوال ہو
اب امتحانِ ہمتِ دیدار دیکھیے — جلوے کا ہے سوال کہ تابِ جمال ہو
اتنی بڑی سزا ہے کسی کے لیے رضا — وہ زندگی کا دور کہ جینا محال ہو

غزل[۲]

وضع کی لاج، کہ اُف منہ سے نکالی نہ گئی — مہربانوں کی منجھی چوٹ تھی، خالی نہ گئی
ایک جلوے کی یہ روداد بیاں ہو کیوں کر — اک نظر پڑنے چلی تھی کہ سنبھالی نہ گئی
معصومیت کے فدا، واہ رے مقتول کی آن — خون بہتا رہا، چہرے کی بحالی نہ گئی
بیٹھنے منہ، اتنی سی باتوں کا تماشا دیکھو — اور جو بات تھی، وہ منہ سے نکالی نہ گئی
آپ کو، غیر سمجھنے کا تصنع لیکن — ہم سے یہ بات بھی سرکار کی ٹالی نہ گئی

۱۔ آل رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا اس غزل کا نسخہ دستیاب نہیں ہو سکا ہے۔ یہ غزل "بزمِ آرزو" کی فائل سے نقل کی گئی ہے جو اشرف صاحب (مقیم ...) کی عنایت ہے۔

۲۔ راقم کو آل رضا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ غزل، جناب ... صاحب نے عنایت فرمائی تھی۔ کوئی دوسرا نسخہ نہ ہونے کی وجہ سے اس متن کو بنیادی تصور کیا گیا ہے۔

دیکھنے والے جو ہنستے ہیں، اِدھر کیا دیکھیں
خود ہی کھائی ہوئی ٹھوکر، جو سنبھالی نہ گئی

وہ جو مل جائیں تو کیا ان سے ہوں دل کی باتیں؟
ان سے مل کر بھی یہ تکلیف سوالی نہ گئی

کتنی دلچسپ بھی ہوتی ہے، محبت کی خلش
تیری پھانس کو چھیڑا ہے، نکالی نہ گئی

اہلِ جدت کی یہ تنقید بری کیا ہے رضا
کہ غزل اس سے نئی چھاپ کی ڈھالی نہ گئی

غزل [1]

خوشی [2] یہ کم ہے کوئی لطفِ زندگی کے لئے
کسی سے بھیک نہ مانگی، کبھی خوشی کے لئے

بڑے بناؤ سے ان ابروؤں پہ بل آئے
غضب کا حسنِ تصرف [3] تھا برہمی کے لئے

میں ان میں حسنِ توازن تلاش کرتا تھا
بدل رہے تھے وہ پہلو جو بے رخی کے لئے

ہماری ضد میں، یہ کب تک بنائے جاؤ گے؟
نظر کی وضع، جو ہوتی ہے اجنبی کے لئے

غزل کسی ہے تری مختلف اداؤں نے
مرے شعورِ تغزل کی تازگی کے لئے

۱۔ راقم الحروف ہزار کوششوں کے باوجود اس غزل کا اصل مسودہ حاصل نہیں کر سکا تاہم آلِ رضا کے حقیقی بھائی سید ہاشم رضا صاحب اور شاگرد سید وحید الحسن ہاشمی اس غزل کو آلِ رضا کی معروف غزلوں میں شمار کرتے ہیں۔

۲۔ مطبوعہ:

(i) محشر بدایونی (مدیر) پندرہ روزہ "آہنگ" کراچی یکم تا پندرہ اپریل ۱۹۸۷ء صفحہ ۱۰۔

(ii) صہبا لکھنوی (مدیر) ماہنامہ "افکار" کراچی شمارہ نمبر ۱۰۳ صفحہ ۹ آ۔

۳۔ ماہنامہ افکار میں اس غزل کے متن میں فرق ہے۔ ذیل میں محض وہ اشعار دیے جا رہے ہیں جو درج بالا غزل میں شامل نہیں ہیں۔

وہ چہرہ کیوں ہو فروزاں مری خوشی کے لیے ------ زمیں پہ چاند اترتا نہیں کسی کے لیے
بسا ہوا تری خوشبو میں ہے نظامِ نفس ----- مہک رہا ہے محبت کی زندگی کے لیے
گھرا ہے ایسا اندھیرا کہ یاد ہی نہ رہا ----- کوئی چراغ جلایا تھا روشنی کے لیے
مرے کریم تری بندہ پروری کے نثار ----- کرم کی حد ہی نہیں بندہ پروری کے لیے
رضا تمہیں نے تو بے چارے بے خطاؤں کو ----- چنا تھا مفت میں الزامِ دوستی کے لیے

بہر لحاظ کھلی دشمنی سے بدتر ہے
وہ دوستی جو مرتب ہو دشمنی کے لئے

نظر نواز رہو، یہ تو میں سمجھتا ہوں
زمیں پہ چاند اترتا نہیں کسی کے لئے

وہاں کی آگ کے شعلوں میں پھول ہوتے ہیں
جہاں ہو رسم، نشیمن بنیں اسی کے لئے

ہوا خلاف ہوئی، آندھیاں سیاہ چلیں
رضا یہ شمع جلائی تھی روشنی کے لئے

نظم

حسین علیہ السلام [1]

حسینؑ نام ہے حسنِ کمالِ خلقت کا — حسینؑ نام ہے، انسان کی شرافت کا
دکھائے جوہرِ انسانیت، بلاؤں میں — حسینؑ نام ہے، تکمیلِ آدمیت کا
علَم بلند ہے، اسلام کا، خدا رکھے — حسینؑ نام ہے، معراجِ دینِ فطرت کا
جئے اسی کے لئے، جان دی اسی کے لئے — حسینؑ نام ہے، اللہ کی محبت کا
نہ بھوک پیاس کا شکوہ، نہ خاک و خوں سے جھجک — حسینؑ نام ہے، دینِ خدا کی خدمت کا
لہو سے اپنے لکھا، لا الہ الا اللہ — حسینؑ نام ہے، اسلام کی صداقت کا
بقا کا تاج پنہایا، حیاتِ فانی کو — حسینؑ نام ہے، قربانیوں کی دولت کا
جہاں سے زندگیاں پھول بن کے نکھریں گی — حسینؑ نام ہے، اس گلشنِ شہادت کا
ستم بڑھے، تو قدم راہِ حق میں اور بڑھے — حسینؑ نام ہے، پُر جوش استقامت کا
وہ قلتِ رفقا اور وہ عزم کے تیور — حسینؑ نام ہے، ردِّ غرورِ کثرت کا
سوالِ بیعتِ فاسق پہ جو کہا سو کہا — حسینؑ نام ہے، اسلام کی حفاظت کا
یزید مٹ گیا، ذلت کی زندگی کی طرح — حسینؑ نام ہے، نقشِ دوامِ عزت کا
وہ سخت وقت وہ مانگی کنیز کو بھی سلام — حسینؑ نام ہے، اسلام کی اخوت کا
جوان بیٹے کا لاشہ اٹھا کے شکر کہا — حسینؑ نام ہے، مظلوم دل کی طاقت کا
رہا نہ کوئی تو بچے کو بھی نثار کیا — حسینؑ نام ہے، آفت میں زورِ ہمت کا
زمیں پہ سجدہ میں سر رکھ کے سر کو نذر دیا — حسینؑ نام ہے، اس شان کی عبادت کا
وہ شانِ مرگ کہ قاتل بھی شرمسار رہے — حسینؑ نام ہے، دشمن پہ بھی حکومت کا
خدا کرے کہ حسینیؑ عمل بھی ہو ہم میں — حسینؑ نام ہے، اک باعمل شریعت کا

---

[1] آل رضا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ نظم ایک بوسیدہ کاغذ سے نقل کی جارہی ہے۔ دوسرا نسخہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کو بنیادی متن تصور کیا گیا ہے۔

جو دل سے نام ہی لے لو، تو دل اُدھر کھنچ جائے   حسینؑ نام ہے، اک خاص جاذبیت کا
وہ جد کا خلق، وہ ماں کا شرف، وہ باپ کی تیغ   حسینؑ نام ہے، گلدستۂ نجابت کا[1]
حسینؑ فدیۂ حق اور رضا فدائے حسینؑ   حسینؑ نام ہے، ہر خوبیِ ہدایت کا

شامِ غریباں[2]

سلام خاک نشینوں پہ، سوگواروں کا   غریب دیتے ہیں پُرسا، تمھارے پیاروں کا

۱۔ یہ شعر آلِ رضا نے بعد میں اِس نظم میں شامل کیا ہے۔

۲۔ آلِ رضا نے یہ نظم عاشور کی شب (۱۰ محرم الحرام) ارتجالاً کہی اور نخاس (لکھنؤ) میں ۱۹۳۳ء میں پڑھی۔

مطبوعہ:

(i) محمد صدیق (مدیر) ہفت روزہ "رضاکار" لاہور، ۸ ستمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳۸

(ii) محمد صدیق (مدیر) ہفت روزہ "رضاکار" (سید الشہدا نمبر) ۸ فروری س۔ن۔ صفحہ ۳۰

(iii) ہفت روزہ "اخبار جہاں" کراچی، ۲۱ فروری ۱۹۷۳ء صفحہ ۲۵

(iv) حسین سحر (مرتب) لہو لہو (انتخاب کلام)، ملتان: مکتبہ اہلِ قلم، ۱۴۰۳ھ صفحہ ۳۱

(v) ضمیر اختر نقوی (مرتب) مجلہ یادِ آلِ رضا، کراچی: بہادری منزل، ۱۹۷۸ء صفحہ ۱۲۸

(vi) صادق علی عرفانی (مدیر) ہفت روزہ "شیعہ" لاہور، یکم جنوری ۱۹۷۷ء صفحہ ۱۳

(vii) صادق علی عرفانی (مدیر) ہفت روزہ "شیعہ" لاہور، یکم دسمبر ۱۹۷۸ء صفحہ ۱۳

(viii) صادق علی عرفانی (مدیر) ہفت روزہ "شیعہ" لاہور، ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۱۳

(ix) علی اکبر جاوا (مدیر) ماہنامہ "خواجگان" لاہور، اگست ۱۹۹۰ء صفحہ ۱۳۲

(x) محشر بدایونی (مدیر) پندرہ روزہ "آہنگ" کراچی، یکم مارچ ۱۹۷۰ء صفحہ ۸

(xi) مظفر عباس (مدیر) ماہنامہ "المنتظر" لاہور، اپریل ۱۹۹۹ء صفحہ ۵۰

(xii) علی رضا شمسی (مدیر) ہفت روزہ شہید لاہور، ۲۰ اپریل ۱۹۹۹ء صفحہ ۲۰

سلام اس پہ' جو زحمت کشِ سلاسل ہے ۔۔۔ مصیبتوں میں' امامت کی پہلی منزل ہے
سلام ان پہ' جنہیں شرم کھائے جاتی ہے ۔۔۔ کھلے سروں پہ' اسیری کی خاک آتی ہے[1]
سلام بھیجتے ہیں' اپنی شاہ زادی پہ ۔۔۔ کہ جس کو سونپ گئے' چلتے[2] وقت گھر سرور
مسافرت نے جسے بے بسی یہ دکھلائی ۔۔۔ نثار کر دیئے بچے نہ بچ سکا بھائی
اسیر ہو کے جسے شامیوں کے نرغے میں ۔۔۔ حسینیت' ہے سکھانا' علیؑ کے لہجے میں
سکینہؑ' بی بی' تمہارے غلام حاضر ہیں ۔۔۔ بجھے جو پیاس تو اشکوں[3] کے جام حاضر ہیں
یہ سن' یہ حشر' یہ صدمے نئے نئے بی بی ۔۔۔ کہاں پہ بیٹھی ہو' خیمے تو جل گئے بی بی
پہاڑ' رات بڑی دیر ہے' سویرے میں ۔۔۔ کہاں ہو' شامِ غریباں کے گھپ اندھیرے میں
زمینِ گرم' یتیمی کی سختیاں' بی بی ۔۔۔ وہ سینہ جس پہ کہ سوتی تھیں[4]' اب کہاں بی بی
جنابِ مادرِ بے شیر پہ[5] بھی سب کا سلام ۔۔۔ عجیب وقت ہے کیا دیں' تسلیوں کا پیام
ابھی کلیجے[6] میں' اک آگ سی لگی ہو گی ۔۔۔ ابھی تو گود کی گرمی' نہ کم ہوئی ہو گی
نہیں اندھیرے میں کچھ سوجھتا کہاں ڈھونڈیں ۔۔۔ تمہارا چاند کہاں چھپ گیا' کہاں ڈھونڈیں
نہ اس طرح کوئی کھیتی' ہری بھری اجڑی ۔۔۔ تمہاری مانگ بھی اجڑی ہے' کوکھ بھی اجڑی
نہیں عینوں میں انساں کوئی' خدا حافظ ۔۔۔ درندے اور یہ بے وارثی' خدا حافظ
شریکہٴ حقِ درود و سلامِ پیغمبر ۔۔۔ سلام' سیدہٴ لولاک' کے لئے گھر پہ

۱۔ ردیف "تھی" درج ہے۔ (حسین سحر (لولو)۔۔۔۔)
۲۔ مرتے وقت (حسین سحر (لولو)۔۔۔۔۔ محمد صدیق (رضاکار)
۳۔ آنکھوں کے جام (ضمیر اختر نقوی (عجلہ) حسین سحر (لولو) محمد صدیق (رضاکار)
۴۔ تھیں کی بجائے "اور" درج ہے (حسین سحر (لولو))
۵۔ "پہ" کے بجائے "کو" درج ہے (حسین سحر (لولو)۔۔۔ محمد صدیق (رضاکار))

۶۔ کلیجہ تو سینے میں۔۔۔۔۔ (محمد صدیق (رضاکار))

سلام تم پہ' رسولؐ و بتولؑ کے پیارو
سلام' صبرِ شہادت کے گرو' سیارو
سلام محسنِ اسلام' خستہ تن لاشو
سلام' تم پہ شہیدوں کے بے کفن لاشو[1]
بچے' تو اگلے برس ہم ہیں' اور یہ غم پھر ہے
جو چل بسے تو یہ اپنا سلامِ آخر ہے[2]

مودّت[3]

فرازِ قرب کا یہ اختتام کیا کہنا
علوئے اجرِ رسالت مقام' کیا کہنا
یہی زبان پہ آتا ہے' اور کیا کہیے
کلامِ خالقِ حسنِ کلام' کیا کہنا
زہے خراجِ طلب' آیۂ مودت کا
مطالبہ ہے کہ بخشش کا جام کیا کہنا
دلوں کو موڑ دیا جائے' نیکیوں کی طرف
سبیلِ رحمتِ حق کے پیام کیا کہنا
دماغ' بزمِ فرائض کا منتظم ہے' مگر
یہی جو دل بھی کرے انتظام کیا کہنا
سجا ہوا ہے' یہ فیضِ مودّتِ قربیٰ
عمل نواز' مکمل نظام کیا کہنا
اسی نظام سے وابستگی' خوشا قسمت
اسی لحاظ کا ربطِ دوام کیا کہنا
مقام و وقت کی پابندیاں[4] یہاں کیسی؟
خدا رسول کا ہے اہتمام کیا کہنا
قریب لا کے مودت کی سرفرازی نے
لیا ہے کتنی محبت سے کام کیا کہنا
یہ ان سے ذوقِ تقرب' وہ ان کا قربِ خدا
یہ احترامِ ذوی الاحترام کیا کہنا
وہ قرب جس میں مسلسل محمدیؐ کردار
کمالِ سلسلہ ناتمام کیا کہنا

۱۔ ضمیر اختر نقوی اور حسین سحر نے یہ مصرعہ یوں تحریر کیا ہے۔
ع سلام محسنِ اسلام خستہ تن لاشو

۲۔ ہر سال شامِ غریباں (دس محرم) کے موقع پر نظم ناصر جہاں اپنی حزنیہ آواز میں ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلی ویژن سے پڑھتے ہیں۔

۳۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا اس نظم کا ایک نسخہ بھی دستیاب ہوا ہے اور اس میں یہ شعر بھی موجود ہے۔
نبی پسند عقیدت کا تقاضات ----- خصوصیت بھی ہے خاص و عام کیا کہنا

۴۔ علیحدہ کاغذ پر "صدیاں" تحریر ہے۔

خدا سے ہم کو ملایا ہے' واسطہ بن کر
عطائے حضرتؑ خیرالانام کیا کہنا

محمدؐ و علیؑ و فاطمہؓ' حسینؑ و حسنؑ
بڑے بڑے ہیں وسیلوں کے نام' کیا کہنا

جئیں انہیں کے لئے' اور مریں انہیں کے لئے
یہی جو کام رہے' صبح و شام کیا کہنا

"یہ میری شمعِ مودّت کے ناز پروانے"
یہ کربلا میں صدائے امامؑ کیا کہنا

رضا ہے مشغلِ درود و سلام ہی کیا کم
قبول ہوں جو درود و سلام کیا کہنا

نظم [1]

[2] یہ وطن' کیا جیسا چاہا ہم نے' وہ بنتا رہا
جو بنایا قائداعظم نے' وہ بنتا رہا

وفعتاً' اپنے سروں پر سے وہ سایا اٹھ گیا
اور پاکستان تھا اس وقت صرف اک سال کا

صرف خونِ دل ہوا تھا' ملک کی تعمیر میں
رنگ بھرنا تھے مگر کتنے ابھی تصویر میں

کتنے منصوبے' ابھی تک طالبِ تدبیر تھے
کیسے کیسے خواب تھے' جو تشنۂ تعبیر تھے

ڈوبتا تھا دل' کہ جیسے پھر ابھر سکتا نہ ہو
وہ خلا محسوس ہوتا تھا جو بھر سکتا نہ ہو

تھا سوالِ وقت' قائد کی نیابت چاہیے
اور نیابت کا تقاضا تھا' لیاقت چاہیے

آ گیا میدان میں' وہ پیکر ہوش و حواس
صاحبِ ہمت' مزاجِ قائداعظم شناس

جو رہِ تعمیر پاکستان میں' باصد حشم
قوت بازوئے قائد' ہم نوا و ہم قدم

راہ ہو' یا بیچ کی منزل ہو' یا ختمِ سفر
رہنما کے چشم و ابرو پر رہی جس کی نظر

مشوروں کے وقت اپنی رائے دینا فرض تھا
پھر جو قائد نے کہا وہ مان لینا فرض تھا

پیروی میں' رہنمائی کے بھی قابل ہو گیا
اعتمادِ قائد اعظم کا حامل ہو گیا

قائد اعظم نے خود سونپی تھی یہ خدمت اسے
کتنا راس آیا خطابِ قائد ملت اسے

۱۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھی گئی یہ نظم ایک بوسیدہ کاغذ سے نقل کی جا رہی ہے۔ دوسرا نسخہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کو بنیادی نسخہ تصور کیا گیا ہے۔

۲۔ اس نظم کے آغاز میں یہ عبارت درج ہے۔
"۔۔۔۔۔صدائے ریڈیو پاکستان' کراچی' ۱۱۶' اکتوبر ۱۹۶۸ء۔۔۔۔"

کتنی کامل تھی نظر جو کام اپنا کر گئی — جو جگہ خالی ہوئی تھی، وہ بہت کچھ بھر گئی
باوفا نے کر دیا حقِ نیابت یوں ادا — ملک بالکل قائداعظم کے رستے پر چلا
ٹکڑے ٹکڑے کر کے مذکور وفا ہوتا نہیں — ذکر ان کا، ذکر سے ان کے جدا ہوتا نہیں
اہلِ پاکستان کے، باصد خلوص و احترام — قائدینِ ملکِ پاکستان پر، لاکھوں سلام
یاد ہم کو قائدِ ملت کی ہیں ذاتی صفات — وہ متانت، وہ غریبوں سے خلوصِ التفات
وہ وزارت جس میں ہر جنسِ امانت کا حساب — وہ دیانت جس میں ذاتی منفعت کا سدِّباب
راست بازیِ عمل میں مطلقاً دھوکا نہ تھا — جب اٹھا دنیا سے، دولت کا کوئی دھبا نہ تھا
صاحبِ ثروت گھرانے کا امیر، ابن امیر — تھی زر اندوزی مگر اس کی نگاہوں میں حقیر
انکساری پر، ہمیشہ تھا خوش اقبالی کو ناز — زندگی کی سادگی پر، ارثِ نوابی کو ناز
سیلِ حرص و آز کے دھاروں کو پیہم موڑ کر — ختم کر دی زندگی، زریں مثالیں چھوڑ کر
جس نے استحکامِ پاکستان کی خاطر کہا — ہو اگر اس کی ضرورت، خون حاضر ہے مرا
جس کو اک دھن تھی کہ بڑھتا ہی رہے صبح و شام — اتحاد و خوش عقیدت، عزمِ محکم کا نظام
اپنے پاکستان کا درد آشنا ہو کر رہا — اک فدائی تھا، جو بالآخر فدا ہو کر رہا
خون میں اپنے نہا کر اس طرح سے جان دی — دم لبوں پر اور دعائے خیرِ پاکستان کی
جو نہیں ہر ایک کو ملتی وہ دولت مل گئی — خدمتِ ملت میں تحسین و شہادت مل گئی

نظم [۱]

پیکرِ بے روح، رسمی اعتقاد — اعتقادِ بے عمل، دل کا فساد
تابہ کے، ایمان کا منکر رہوں — حلقۂ اسلام میں کافر رہوں
غمزدہ ہوں، غمگساری چاہیے — گھر گیا ہوں، رستگاری چاہیے
کربلا! دیدے تڑپتے دل کو چین — کربلا! تھوڑی سی، خوشبوئے حسین

۱۔ آلِ رضا نے اس نظم کو "قطعہ" لکھا ہوا ہے مگر اپنے مواد اور ہیئت کے اعتبار سے یہ نظم ہے اور اس لیے ہم نے اسے حصہ نظم میں شامل کیا ہے۔

جلائے زور و زر کو تو سنبھال — شام کے لشکر سے حر کو تو نکال
صوتِ ایمانی مجھے آواز دے — جذبِ شبیری پہ پرواز دے

نظم [1]

ہزار جان سے ہم ہیں فدائے پاکستان — رگوں میں دوڑ رہی ہے وفائے پاکستان
وطن ہمارے لئے اور ہم وطن کے لئے — نہ کیوں ہو فخر کہ ہم ہیں برائے پاکستان
وطن کی خدمتِ عظمیٰ میں خود اپنی خدمت ہے — لہو میں اپنی ہے نشو و نمائے پاکستان
قدم قدم پہ ہے[2] تنظیمِ زندگی کی پکار — بجائے عزم و عمل ہے بجائے پاکستان
ہمارے باغِ تمنا میں پھول کھلتے ہیں — کہ راس آئی ہے ہم کو فضائے پاکستان
کہے گی ہنس کے یہ ہر چودھویں اگست کی صبح — بڑی تھی کتنی مبارک بنائے پاکستان
دعائیں دے گی یہی رُوحِ قائد اعظم — رہے بلند ہمیشہ نوائے پاکستان
شریکِ حال ہو اس کے مدام فضلِ خدا — ہو جس زمانے میں جو ناخدائے پاکستان
عجیب لطف سا محسوس ہو رہا ہے رضا — کہ اپنے دل کی صدا ہے نوائے[3] پاکستان

نظم [4]

وطن ان پہ نازاں، یہ شانِ وطن ہیں — وطن ان کے شایاں، یہ جانِ وطن ہیں

۱۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ نظم ایک کاغذ پر ریڈیو پاکستان کراچی سے حاصل کی گئی۔ کوئی دوسرا نسخہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کو بنیادی متن مانا گیا ہے۔

۲۔ "ہے" کا نقطہ سہواً رہ گیا ہوگا۔

۳۔ یہ نظم ۱۴ اگست ۱۹۶۰ء کو ریڈیو پاکستان کراچی سے نشر ہوئی۔

۴۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھی یہ نظم دو کاغذوں پر دستیاب ہوئی ہے۔ ان دونوں نظموں میں متن کا فرق بھی ہے۔ پہلے کاغذ کا متن معتبر معلوم ہوا، اس لئے اسے بنیادی تصور کر لیا گیا ہے۔
دوسرے کاغذ پر ترتیب کا شعر یوں ہے:
وطن ان پہ نازاں، یہ شانِ وطن ہیں ـــــ وطن ان کے قرباں، یہ جانِ وطن ہیں

جنہیں ارضِ پاک وطن کے محافظ
یہ پھول، اپنے پیارے وطن کے محافظ
مسلماں، ہماری چمن کے محافظ

وطن ان کے شایاں، یہ شانِ وطن ہیں   وطن ان پہ نازاں، یہ جانِ وطن ہیں

[1] وطن پہ فدا، سربکف جاں فروشاں
صداقت سپر، صف شکن مردِ میداں
خدا پہ بھروسہ کیے، اہلِ ایماں

وطن ان کے شایاں، یہ شانِ وطن ہیں   وطن ان پہ نازاں، یہ جانِ وطن ہیں

جو میدان میں ڈٹ کے ہٹنا نہ جانیں
جو پھیلیں تو دب کر سمٹنا نہ جانیں
کبھی حق کے رستے سے ہٹنا نہ جانیں

وطن ان کے شایاں، یہ شانِ وطن ہیں   وطن ان پہ نازاں، یہ جانِ وطن ہیں

وہ غازی، جو رنگِ شجاعت جمائے
وہ غازی جو ہر سو محاذوں پہ چھائے
وہ غازی شہادت سے جو لو لگائے

وطن ان کے شایاں، یہ شانِ وطن ہیں   وطن ان پہ نازاں، یہ جانِ وطن ہیں

وطن ان کو دے گا ہمیشہ دعائیں
ہیں جن کے پسینے سے مشکی فضائیں[2]
ہیں جن کے لہو سے معطر فضائیں

۱۔ یہ مصرعہ دوسرے کاغذ پر یوں رقم ہے:
ع   وطن کی سپر، سربکف جاں فروشاں

۲۔ یہ مصرعہ دوسرے کاغذ پر یوں رقم ہے۔
ع   ہیں جن کے پسینے سے خوشبو ہوائیں

وطن ان کے شایاں، یہ شانِ وطن ہیں وطن ان پہ نازاں، یہ جانِ وطن ہیں

رہا ملک سینہ سپر، ان کے دم سے
سلامت رہے اپنے گھر ان کے دم سے
خدا نے بچایا، مگر ان کے دم سے

وطن ان کے شایاں، یہ شانِ وطن ہیں وطن ان پہ نازاں، یہ جانِ وطن ہیں

لڑائی انہیں جیت جانا مبارک
ہمیں دل میں ان کو بٹھانا مبارک
کلیجے سے اپنے لگانا مبارک [1]

وطن ان کے شایاں، یہ شانِ وطن ہیں وطن ان پہ نازاں، یہ جانِ وطن ہیں

زبان وفا پہ رہے ذکر ان کا
جنہوں نے شہادت کا رتبہ ہے پایا
یہ زندہ ہیں، زندہ رہیں گے ہمیشہ

وطن ان کے شایاں، یہ شانِ وطن ہیں وطن ان پہ نازاں، یہ جانِ وطن ہیں [2]

نظم [3]

قائداعظم کی یہ دھن تھی کہ پاکستان ہو تاکہ پورا ایک پوری قوم کا ارمان ہو
قوم بھی وہ جو غلامی عہد کی ماری ہوئی خاک میں جس کو ملا دینے کی تیاری ہوئی

۱۔ آخری تین بند دوسرے کاغذ پر رقم نہیں ہیں۔

۲۔ اس نظم کے آغاز میں "۶ ستمبر ۱۹۶۷ء" درج ہے۔

مع۔ آل رضا کے ہاتھ سے لکھی اس نظم کا صرف ایک نسخہ حاصل ہو سکا ہے۔ لہٰذا اس کو بنیادی متن تصور کرتے ہوئے نقل کیا جا رہا ہے۔ یہ نظم ایک بوسیدہ کاغذ پر ایک کچی پنسل سے لکھی گئی ہے اور اشعار ایک دوسرے سے پیوست ہو گئے ہیں۔ تین ماہ کی مسلسل محنت و کاوش کے بعد اس نظم کا مکمل متن پڑھا جا سکا ہے۔

اکثریت کو سیاسی عقل مندی پر تھا ناز ... مسلموں کی بیخ کن منصوبہ بندی پر تھا ناز
طے کیا قائد نے اب تو کام کرنے کا ہے وقت ... ہاں انھیں موجوں میں جلدی سے ابھرنے کا ہے وقت
جس طرح ہو، سربکف میداں میں آنا چاہئے ... قوم کو اس سخت پھندے سے چھڑانا چاہئے
ہاتھ آ جائیں گے پھل آغاز کو انجام کے ... نام پر اسلام کے اور بے ریا اسلام کے
عزمِ قائد میں کرم خالق کا شامل ہو گیا ... ہم مسلمانوں کو پاکستان حاصل ہو گیا
اے زہے، شانِ عطائے خالقِ کون و مکاں ... اپنی تہذیب و ثقافت، اپنا ملک، اپنی زباں
دی صدا قائد نے دیکھو تم ہو اب جس کے امیں ... اپنے مالک کا دیا اس ملک میں کیا کچھ نہیں؟
ملک ہاتھ آیا تو وقتِ امتحاں بھی آئے گا ... تم اسے جیسا بناؤ گے یہ بنتا جائے گا
کوششِ تعمیر یوں پروان چڑھتی جائے گی ... قدر نعمت کی کرو نعمت یہ بڑھتی جائے گی
اب تمھیں، خود اپنی بہبودی کے ذمہ دار ہو ... زندگی کا موڑ ہے، بیدار ہو، ہشیار ہو
اس سلیقے سے شعورِ ملک و ملت کو بڑھاؤ ... گھر ہے اپنا، اپنے گھر ہی کی طرح اس کو سجاؤ
اہلِ پاکستان میں ہو کے قائل، برملا ... عزمِ محکم، اتحاد و خوبیِ تنظیم کا
پاس بھی اپنے نہ آنے دو، یہ طوفانِ فساد ... فرقہ وارانہ تعصب، صوبہ وارانہ عناد
غیر مسلم بھی یہاں آرام سے پھولیں پھلیں ... اپنی اپنی نیک راہیں، سب کے سب مل کر چلیں
جو نہ ہوں گمراہ، ان کو ڈر نہ ہو انصاف کا ... دور ہو انصاف کا اور معتبر انصاف کا
مستحق کی قدر افزائی کرو، ہمت بڑھاؤ ... کم سوادوں کی چراگاہیں نہ عہدوں کو بناؤ
حرصِ زر کی خواہشیں چٹ کر نہ جائیں قوم کو ... رشوتوں کی ناگنیں ڈسنے نہ پائیں قوم کو
اہلِ زر کی بھی ترقی کے وسیلے ہوں، مگر ... ظلم کی حد تک نہ ہو سرمایہ داری کا اثر
کیوں سمجھ بیٹھیں ہمیں، بس مالک و مختار ہیں ... مالکوں کو حس رہے، مزدور حصہ دار ہیں
سرزمینِ پاک ٹھہرے، خطۂ شادابِ علم ... بے بہا سرمایہ حکمت میں یہ جلابِ علم
یاد رکھو ہے اسی میں شان پاکستان کی ... سالمیت ملک کی ہے جان پاکستان کی
یاد ہیں وہ دن جب اس تعمیر کا آغاز تھا ... قائداعظم کو اپنی قوم پر کیا ناز تھا

اور وہ بھی یاد ہے، کہتے تھے جو مسٹر چرچل
چار دن کی چاندنی کا دیکھتے جاؤ یہ کھیل

غالباً جلدی ہی یہ بچہ فنا ہو جائے گا
اور اگر کچھ بڑھ گیا تو لا دوا ہو جائے گا

سر پھٹول داستاں در داستاں ہو جائے گی
جو مسلمانوں کی طینت ہے عیاں ہو جائے گی

اپنے آپس ہی میں سمجھوتوں سے ہٹنا، دیکھنا
لیڈری کی جوتیوں میں دال بٹنا، دیکھنا

ہم نے بٹوارہ یہ مانا ہے یہ سب کچھ جان کے
مشرق و مغرب ملیں گے اور پاکستان کے

اتحادِ عارضی ہے اس کا غم کیا کیجئے
حصے ٹکڑے ہو کے رہ جائیں گے، دیکھا کیجئے

لٹ کے رہ جائے گا یہ دکھلاؤ کا سارا سوانگ
اپنی اپنی ڈفلی ہو گی اور اپنا اپنا راگ

دوستو، تم خیر سے آزاد و ذمّہ دار ہو
خاک منہ میں دشمنوں کے ڈال دو، ہوشیار ہو

نیند میں بَرّا رہے ہو، صاحبِ گفتار ہو
دھوپ سر پر آگئی، بیدار ہو، بیدار ہو

بھائیو، کیا پھر غلامی کا زمانہ آئے گا؟
دشمنوں نے جو کہا تھا کیا وہ سچ ہو جائے گا

نظم[١]

گھٹ رہے ہیں کیسے کیسے فاصلے، بڑھتے ہی جاؤ
اپنا پاکستان نظروں میں سجے، بڑھتے ہی جاؤ

اب تو پاکستان ٹھہرا اک شعورِ زندگی
اس شعورِ زندگی کی شان سے بڑھتے ہی جاؤ

وقت نے پرکھی تمھاری جرأتِ شایانِ وقت
دل میں استحکام کی عظمت لئے بڑھتے ہی جاؤ

فاتحانہ نعرۂ افواجِ پاکستان سے
ہم[٢] کو دیکھو، تھم رہے ہوئے[٣] بڑھتے ہی جاؤ

ہم نے دشمن کو لتاڑا بھی، بھگایا بھی، مگر
کہہ رہے ہیں دل کے پیہم ولولے بڑھتے ہی جاؤ

جو محاذِ جنگ قائم ہو گیا، جاری بھی ہے
اس کے ہر شعبے میں ہر انداز سے بڑھتے ہی جاؤ

کامرانی کی مسلسل کوششوں کی حد نہیں
چل چکے ہو، بڑھ گئے ہو، بے رُکے بڑھتے ہی جاؤ

١۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ نظم بیگم سیدہ وقار فضہ سے نقل کی گئی ہے۔ دوسرا نسخہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کو بنیادی متن تصور کیا گیا ہے۔

٢۔ یہاں "ہم کو" سہواً حذف معلوم ہوتا ہے۔

٣۔ یہاں "ہوئے" کے بجائے "ہو" تحریر ہے۔

نظم [۱]

ہے جائے فخر[۲] بحد افتخار آزادی
کہ ہم ہیں اور ہمارا وقار آزادی

ہمارا عالمِ آزاد' اپنا پاکستان
غیور و مطمئن و شاد اپنا پاکستان

دلوں میں جوش' طراوت اسی چمن کی ہے
رگوں میں خون' امانت اسی وطن کی ہے

ہزار جان سے ہم ہیں فدائے پاکستان
کہ ہے وجود ہمارا برائے پاکستان

ہے کل کی بات ستمبر کا امتحانِ وفا
وہ ہم نے صرف بنایا تھا اک نشانِ وفا

نہیں ہے زعم' مگر آج بھی وہی ہیں ہم
جو کوئی چھیڑے تو پھر صاحبِ خودی ہیں ہم

ہمارے ساتھ ہے ہر وقت اپنی خود داری
کسی کی دھونس سے ہر حال میں ہے بیزاری

عطائے غیرِ خدا کی یہاں سند ہی نہیں
خدا پہ اپنے بھروسے کی کوئی حد ہی نہیں

خدا کے فضل پہ جس کی بنا پڑی تھی رضا
وہ ملک بن کے رہا اور کتنا خوب بنا

قرار داد کی صورت میں اک تصور تھا
مگر وہ پاک تصور قرارِ دل ٹھہرا

اگر ہو قوم میں ہمت تو کچھ نہیں ہے محال
کہاں سے چل کے کہاں تک گیا خلوصِ خیال

تھی ساتھ خوبئ قسمت کے' خوبئ تدبیر
جو لوگ خواب سمجھتے تھے دیکھ لی تعبیر

قدم بڑھے تو ملی راہِ نیک نامی کی
کٹیں جو پاؤں میں تھیں بیڑیاں غلامی کی

یہ فالِ نیک تھی قسمت کی یاوری کے لئے
کہ ایک مردِ مجاہد تھا رہبری کے لئے

یہ ناؤ' جس نے کنارے لگا کے چھین لیا
تمام شدتِ طوفاں مٹا کے چھین لیا

۱۔ آل رضا کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اس نظم کے دو نسخے حاصل ہوئے ہیں۔
(i) ریڈیو پاکستان کراچی سے حاصل کیا گیا۔
(ii) رعنا زیدی بنت آل رضا نے عنایت فرمایا۔

۲۔ مطبوعہ:
(i) اشتیاق حسین (مدیر) ماہنامہ "آلامیر" کراچی اگست ۱۹۹۰ء ص ۳۵
(ii) شعر نمبر ۵' ۶' ۷' ۸' ۱۸ مطبوعہ نظم میں شامل نہیں ہیں۔

جو دشمنوں کا تھا گٹھ جوڑ، اس کو توڑ دیا — ہمارے حق میں رخِ انقلاب موڑ دیا

بچایا کتنا معظم، مقامِ پاکستان — حضورِ قائدِ اعظم، سلامِ پاکستان

ملا جو ملکِ خدا داد، کر دیا اعلان — یہی ہے شانِ مسلماں کہ شکر کی ہو یہ شان

شریکِ حال بڑی رحمتیں ہیں، قدر کرو — خدا کی دی ہوئی سب، نعمتیں ہیں، قدر کرو

قدم ملائے ہوئے حسنِ اتحاد کے ساتھ — دکھاؤ جذبۂ تنظیم، اتحاد کے ساتھ

قدم جو تم نے بڑھایا ہے وہ بڑھائے رہو — جو ساکھ تم نے جمائی ہے، وہ جمائے رہو[1]

یہ قول قائداعظم کا ہم کو یاد رہے — سدا دلوں میں خلوصِ وفا نہاد رہے

جو ابتدا میں تھا دم خم وہ کوئی دم نہ رکے — ترقیات کے میدان میں قدم نہ رکے

عظیم عزم کی فتح ہمیں مبارک ہو — ہمیں اگست کی یہ چودھویں مبارک ہو[2]

نظم[3]

(وحی)[4]

مخصوص ایک وحی جو آتی چلی گئی — قرآن کا نزول سجاتی چلی گئی

شانِ نزولِ وحی، اسی دل سے پوچھئے — معجز نما جسے وہ بناتی چلی گئی

پا کر دل و زبانِ محمدؐ کا سلسلہ — اللہ کا پیام سناتی چلی گئی

قرآن اور حدیث کی وضعیں ہیں منفرد — سکّہ طرح طرح سے جماتی چلی گئی

دیکھا بہیمیت میں جو آدم کی آل کو — انسان آدمی کو بناتی چلی گئی

حکمت نواز علم کی مشعل لئے ہوئے — پردے جہالتوں کے اٹھاتی چلی گئی

۱۔ ثانی الذکر نسخے میں یہ مصرعہ یوں درج ہے۔

ع جو ساکھ اپنی جمائی ہے، وہ جمائے رہو

۲۔ یہ نظم ۱۴ اگست ۱۹۷۱ء کو ریڈیو پاکستان کراچی کے ایک مشاعرے میں پڑھی گئی۔

۳۔ یہ نظم جناب کرار جونپوری (مقیم کراچی) کے دولت کدے پر منعقدہ ایک محفل میں پڑھی گئی۔ نظم کے آغاز میں آلِ رضا نے وحی کے موضوع پر ایک قطعہ بھی پیش کیا جو مدون قطعات میں شامل ہے۔

۴۔ یہ نظم ۲۷۔ دسمبر ۱۹۷۰ء کو معرضِ تخلیق میں آئی۔

ان نور پاشیوں کو بیاں کوئی کیا کرے — جلوے جو اپنی رو میں دکھاتی چلی گئی
مرنے کا ڈھنگ، جینے کی عظمت کے ساتھ ساتھ — تہذیب زندگی کی سکھاتی چلی گئی
آخر، عجیب حسنِ تاثر کی شان سے — ایماں فروزیوں میں سماتی چلی گئی
جس کا عمل تھا، قولِ خدا میں ڈھلا ہوا — اس ذات کا کمال دکھاتی چلی گئی

محسنِ اعظم[1]

تو اپنا محسنِ اعظم ہے، قائدِ اعظم — ترا خیال، ترا پاسِ غم کبھی نہ مٹے
چمک جو ہوتی ہے داغِ الم میں رہ رہ کر — یہ رہنمائیِ داغِ الم کبھی نہ مٹے
خدا سے لے کے دیا تو نے ہم کو پاکستان — یہ وہ کرم ہے کہ یادِ کرم کبھی نہ مٹے
سمجھ کے کچھ تو یہ نعمت عطا ہوئی ہم کو — یہ فکرِ معتبر و تازہ دم کبھی نہ مٹے
اس اقتدار پہ فائز کیا ہمیں تو نے — کہ بجھ سکے تو یہ اپنا بھرم کبھی نہ مٹے
تری طرح جو سمجھ لیں مزاجِ خود داری — خودی کا پاس خدا کی قسم کبھی نہ مٹے
ہوائیں خاک اڑاتی ہیں اور اڑائیں گی — خدا کرے ترا نقشِ قدم کبھی نہ مٹے

ذبحِ عظیم[2]

قربانیاں ہیں عزتِ اسلام کے لئے — اسلام منتخب ہے اسی کام کے لئے

۱۔ مطبوعہ:
وقار عظیم (مدیر) ماہنامہ "ماہِ نو" کراچی نومبر ۱۹۳۸ء (قائدِ اعظم نمبر) ص ۲۹۔
آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا "اس" نظم کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہو سکا ہے۔ لہٰذا "اس" مطبوعہ متن کو بنیادی تصور کیا گیا ہے۔

۲۔ آلِ رضا نے یہ نظم جناب کرار جونپوری (مقیم کراچی) کے دولت کدے پر منعقدہ ایک محفل میں پڑھی۔ اس نظم کا موضوع مقرر تھا اور غالباً کرار جونپوری صاحب ہی نے یہ موضوع آلِ رضا کو نظم کے لئے دیا ہو۔

قربانیوں نے ایسا دیا دینِ حق کا ساتھ
مذہب کی لاج رہ گئی قربانیوں کے ساتھ

کیا کیا کلامِ حق ہے مجاہد کی شان میں
کیا شانِ اعتبار ہے اس امتحان میں

منظور امتحان تھا ربِّ جلیل کو
مخصوص رنگ دینا تھا شانِ خلیلؑ کو

خلّت کا امتحان، نبوّت کا امتحان
اک خاص مرتبے پہ محبت کا امتحان

بابا کے ساتھ بیٹے کی ہمت کا امتحان
اس ایک امتحان میں دوہرا تھا امتحان

کعبہ بنا تھا ہاتھ سے جس کے، وہ ذمہ دار
اللہ رے امتحان، زہے شانِ اعتبار

ایماءِ ذوالجلال نظر آیا خواب میں
تصویر کھنچ گئی، نگہِ انتخاب میں

مالک سے لو لگا کے جو سوتے تھے باخبر
طالع ہوئی تھی خواب میں بیداریٔ نظر

اللہ رے دل کہ نورِ نظر سے کیا خطاب
جانِ پدر! پدر کو دکھایا گیا ہے خواب

راہِ خدا میں، خاص محبت کے ہاتھ سے
تجھ کو میں ذبح کرتا ہوں خود اپنے ہاتھ سے

یہ سن کے اس نے، جس میں نبوت تھی موجزن
رگ رگ میں جس کی مرضیٔ معبود کا چلن

کی عرض، آپ حکم کی تعمیل کیجئے
حاضر ہوں میں بھی، قصد کی تکمیل کیجئے

خود اپنے اشتراک میں، قاصر نہ ہوں گا میں
اللہ نے جو چاہا، تو صابر رہوں گا میں

آنکھیں ہوئی جو چار، تو چہرہ دمک اٹھا
اک پھول دو دلوں میں کھلا اور مہک اٹھا

دونوں نے وہ خلوص کا جذبہ دکھا دیا
جیسا تھا خواب، ویسا ہی موقع بنا دیا

دنیا کے سامنے تھا، بصد شانِ افتخار
دینِ حنیف و منزلِ تسلیم کا شعار

منزل بھی اتنی سخت، مگر امتحان کی
آنکھوں پہ باپ کی رہی پٹی بندھی ہوئی

بیٹا بھی اس غرض سے کہ لغزش نہ ہو سکے
ماتھے کے بل زمیں پہ کہ ہاں اب چھری چلے

دیکھا جو ربِّ محسن و چارہ ساز نے
چھو لی حریمِ ناز خلوصِ نیاز نے

مقبولیت کی بارگہِ حق نے دی سند
بس اتنی ہی تھی طرحِ شہادت تمنا کی حد

القصہ، حوصلہ بھی دلوں کا نکل گیا
آئی چھری گلے پہ، مگر رُخ بدل گیا

اعجاز سے، ذبیحہ ہوا گوسفند کا
لیکن ابھی تھا ذبح کی عظمت کا مرحلہ

بدلا گیا تھا حکمِ خدائے علیم سے
قربانیٔ خلیلؑ کو ذبحِ عظیم سے

نسلِ خلیلؑ ہی کو ملا یہ شرف مگر — تھی مبتدا عظیم، خبر تھی عظیم تر
اس راہ میں جو آیا وہی دن عظیم تھا — صدیوں کے بعد منظرِ ذبحِ عظیم تھا
جس دم سمجھ کے اپنا سہارا حسینؑ کو — اسلامِ جاں بلب نے، پکارا حسینؑ کو
وہ وقت آگیا تو کچھ ایسی ہوا چلی — کعبہ سے واقعات کی رَو کربلا چلی
قربانیوں کو نقشِ مکمل عطا ہوا — سمجھو گے کربلا کو تو جانو گے کیا ہوا
تھا وارثِ خلیلؑ و جگر بندِ مصطفےٰ — اور مرحلہ حفاظتِ دینِ حنیف کا
دیکھو اس ارتقا کے مدارج کا اہتمام — اک صبر کا مقام ہے، اک شکر کا مقام
تھی آتشینِ عزم مجسم چڑھی ہوئی — فکر تھی امتحانوں سے، ہمت بڑھی ہوئی
پہلے جگر کے ٹکڑوں کو قربان کر دیا — باری جو اپنی آئی تو سجدے میں سر دیا
اللہ رے شان صاحبِ ذبحِ عظیم کی — گویا تھیں کائنات کی نظریں جھکی ہوئی
ہے یاد وہ، جو قولِ حسینؑ وہاں کا ہے — "ہٹ جاؤ جبرئیل، یہ وقت امتحاں کا ہے"

عید غدیر[1]

اللہ اللہ، آیۂ بلّغ رساں، یہ اہتمام — "دفعتاً" صحرا میں اک مجمع کا منظر دیکھئے
رفعتوں[2] پر اپنی نازاں ہیں غدیری منزلیں — کون ہے اور کس لئے؟ بالائے منبر دیکھئے[3]

۱۔ آل رضا کی یہ نظم بیاض (۲) کے آخری صفحہ پر کچی پنسل سے رقم ہے۔
۲۔ یہ شعر آل رضا کے ایک سلام میں بھی موجود ہے جس کا مطلع ہے۔

کربلا دیکھی نگاہوں کا مقدر دیکھئے
کربلا سمجھی دماغِ ہوش پرور دیکھئے

۳۔ یہ نظم آل رضا نے ارتجالاً کہی اور یکم مارچ ۱۹۷۰ء کو لاہور میں منعقدہ ایک جلسہ عید غدیر میں پڑھی۔

دست در دستِ علیؑ، مَن کُنتُ مولا کا پیام — شانِ منصب داریٔ نفسِ پیمبر دیکھیے

خود نظر آ جائے گا دل کی نگاہوں کا شرف — دیکھیے صلِّ علیٰ کہہ کر مکرر دیکھیے

❁ ❁

قطعه

بسمہٖ تعالیٰ

قطعات

گیا کب کا وہ دورِ رنگ و آہنگ یہاں اب ہوش آکر کیا کرے گا
قیامت ہے کہ بے کیفِ تغزل غزل کہنے کو جی چاہا کرے گا

بیٹھے اٹھتے، لب پہ نامِ علیؑ اور تباہی سے ان کی، کتراتا؟[1]
یہ تو گویا وہی ہوا، جیسے رکھ کے روزہ، نماز کھا جاتا

یہ کس کی مدح کی عزت ملی، زہے عزت نبیؐ کی جان، طہارتِ مزاج کیا کہنا[2]
رضا، بنائے حدیثِ کساء جو ٹھہری تھیں انہی کا جشنِ ولادت ہے آج کیا کہنا

تمام علم سے پیدا، تمام حسنِ یقیں اسی یقین سے تبلیغِ علم، کیا کہنا
کیا جو غور، حدیثِ "حسینؑ منی" پہ سمجھ میں آ گیا اپنے رسولؐ کا کہنا

پیام بر تجھے توفیق ہو جو کہنے کی مرے اشاروں میں، میرا پیام کہہ دینا
ہمیں نے اس سے کہا تھا کہ اس گلی میں نہ جا رضا ملے تو ہمارا سلام کہہ دینا

۱۔ یہ قطعہ متن کے معمولی فرق کے ساتھ ایک مسودہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوا ہے۔
ہر زباں پر نبیؐ و آلِ نبیؐ ------ اور تباہی سے ان کی گھبراتا
یہ تو گویا وہی ہوا جیسے ------ رکھ کے روزہ نماز کھا جاتا
۲۔ در مدح حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا

قطعہ ۱

چہرہ بگاڑ ڈالا' سیاسی بچاؤ کا	مفروضہ اقتدار' فسانہ بنا دیا
تکبیر' وہ جنگی امامِ وقت کی' اور سیدھی، وہ نگاہ	قلبِ یزیدیت کا نشانہ اڑا دیا

با سعادت' با کرامت' با ہزاراں زیب و زین	قوتِ بازوئے سرکارِ حسینؑ آ گیا
شاد ہو گی کس قدر' روحِ جنابِ سیدہؑ	مرتضیٰؑ کے گھر علمدارِ حسینؑ آ گیا

قطعہ ۲

جب ہوئے جمع' وحی و امرِ اللہ	ان کی میزان کا نبیؐ حاصل
منبر و علم و ذوالفقار و جہاد	ان کی ضربوں کا ہے علیؑ حاصل

قطعہ ۳

فکر انگیز ہوا کرتا ہے اکثر یہ سوال	درس آموز ہے کتنی یہ عزائی تنظیم
مرثیے کا یہ تقاضا ہے کہ مجروح نہ ہو	شاعری اور حقیقت کی رعنائی تنظیم

قطعہ ۴

جذب ہے ذات میں مقامِ صفات	یوں نہ دیکھیں تو دل کو چین کہاں؟
کربلا ہے حسینیت کی نمود	اور ہے کربلا' حسینؑ کہاں

قطعہ ۵

کچھ سمجھنے ہی نہیں دیتی ہمیں	ہیں جو اپنے دین سے بیزاریاں
کتنی درس آموز' ایماں ساز ہیں	ان کے استقبال کی تیاریاں

۱۔ در مدحِ امام حسین علیہ السلام

۲۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا اس قطعہ کا ایک نسخہ بھی دستیاب ہوا ہے۔

۳۔ یہ قطعہ مارچ ۱۹۷۵ء میں کہا گیا۔ بیاض (۲) کے آخر میں بھی یہ قطعہ درج ہے تاہم چوتھا مصرع یہ ہے ع "شعریت اور حقیقت کی رعنائی تنظیم" جبکہ سن تخلیق یکم فروری ۱۹۷۵ء تحریر ہے۔

۴۔ یہ قطعہ ایک مسودہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوا ہے۔

۵۔ در مدح حضرت امام مہدی علیہ السلام

وہ کربلا، وہ حسینؑ، حفاظتِ اسلام — جو دل کی آنکھوں نے دیکھا وہ کس زباں سے کہوں
عمل میں ڈھل کے نکھرتا ہوا، یہ قولِ رسولؐ — "حسینؑ مجھ سے ہے، اپنے حسینؑ سے میں ہوں"

خدا کے دین کی تبلیغ کا ہو کوئی بھی رخ — طریقے وہ ہوں کہ ایمان سے جدا ہی نہ ہوں [1]
مباہلہ میں شریک نبیؐ جو لائے تھے — انہیں کا حق ہے کہ قرآن سے جدا ہی نہ ہوں

امامِ عصرؑ کی آمد، ارے، خدا کی قسم — بڑے مزہ کی ہیں، اس اعتبار کی باتیں
عجیب شغل ہے تطہیرِ ذہنیت کا رضا — خلوصِ دل سے جو ہوں انتظار کی باتیں

رات اک منظرِ دلکش لبِ [2] دریا دیکھا — پردے پر دل میں بیاں کیوں نہ حقیقت کر دیں [3]
شمع پردے میں ہے، پروانے ہیں پردے پہ نثار — پردہ اٹھ جائے تو پروانے قیامت کر دیں

فاتحِ کرب و اضطراب حسینؑ — مالکِ صبر، کامیاب حسینؑ
درد مندی کی آبرو رکھ لی — چشمِ انسانیت کی آب حسینؑ

آپ کی پہلے ضرورت تھی، مگر — اب ہے گستاخی ہماری شان میں [4]
آپ کو کس نے بلایا تھا، یہاں — آپ کیوں آئے ہیں پاکستان میں

۱۔ اس قطعہ کا عنوان "مباہلہ" درج ہے۔
۲۔ لکھنو میں گومتی کا کنارا مراد ہے۔
۳۔ در مدح حضرت امام مہدی علیہ السلام۔
۴۔ یہ قطعہ ایک بوسیدہ کاغذ سے نقل کیا گیا ہے۔ دوسرے متن کی عدم موجودگی میں اس کو جیسا ملا لیا گیا ہے۔

کوئی ہمیں جو یہ کہتا ہے ٹھیک کہتا ہے   حسینیت کا ضرور، احترام ہے ان میں[1]
عمل تو "غیر" مگر باوجودِ بے عملی   جہاں حسینؓ ہیں، وہ بھی مقام ہے ان میں

نام پر مذہب کے، کیوں ہوتا ہے مذہب سے مذاق   اعتقادی رسم کیسی، جب عقیدت ہی نہیں[2]
بے محمدؐ یا خدا، یا یا محمدؐ بے علیؑ   وہ نمازِ بے وضو ہے، جس میں نیت ہی نہیں

ہم منتظر ہیں جن کے وہ بندہ نواز ہیں   ملتے ضرور ہوں گے، ہم ہی جانتے نہیں[3]
اے بزمِ غیر، اپنی نگاہوں کو کیا ہوا   اپنے امامِ وقت کو پہچانتے نہیں

چلے جاتے ہیں ہم، دنیا کے رستے پر یہ بے سمجھے   امامِ وقت سے ملنے کی راہیں اور ہوتی ہیں[4]
بھلا کس کام کی، یہ حسرت نا آشنا نظریں   وہ جلوہ اور ہے وہ جلوہ گاہیں اور ہوتی ہیں
رضا، تم اشتیاقِ دید پہ اتنا نہ اتراؤ   انہیں پہچاننے والی نگاہیں اور ہوتی ہیں

کس نے کہا ہے ان سے ملے گی یہاں پناہ   نفرت سے دیکھتا ہوں میں اس ساز باز کو[5]
ساحل ہے میرے قبضۂ قدرت میں، دوستو   کیا دیکھتے ہو، بڑھ کے ڈبو دو جہاز کو

۱۔ یہ قطعہ ایک سیدہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوا ہے۔

۲۔ (i) مطبوعہ:
(ii) سید کوثر حسین (مدیر) ماہنامہ "پیامِ عمل" لاہور، ستمبر ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۲۔
(iii) آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا اس قطعہ کا ایک اور متن حاصل ہوا ہے۔ جس پر پہلا مصرعہ یہ درج ہے ع "نام پر مذہب کے آخر کیوں ہو مذہب سے مذاق"

۳۔ در مدح حضرت امام مہدی علیہ السلام۔

۴۔ در مدح حضرت امام مہدی علیہ السلام۔

۵۔ یہ قطعہ ایک سیدہ کاغذ پر دستیاب ہوا ہے۔

وہ جمالِ محمدؐ وہ حسینؑ ہر کمالِ محمدیؐ پہ[1] گواہ
سب ملا کر وہ آیتِ حجت عمل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

دستِ نبیؐ پر "اللہ اکبر" مخصوصِ ولادت، مولودِ کعبہ ——— جھولے میں حیدرؑ سید اس میں مصدرِ عشقِ پیمبر محمودِ کعبہ[2]
کعبہ کی جانب سجدے کا مطلب حُبِّ علیؑ کے مقصد سے سمجھا ——— محمودِ سجدہ، مولودِ کعبہ، مقصودِ سجدہ، معبودِ کعبہ

دیدارِ گلِ ذوقِ طلب کی بھی ہے منزل ——— آواز یہ آتی ہے سنائی نہیں دیتی[3]
احساس اس اندازِ طریقت میں تو ڈھل جائے ——— خوشبو وہ بھی ہے جو دکھائی نہیں دیتی

جس نے دیکھا تھا نورِ وحیِ خدا ——— جس نے سونگھی مہک رسالت کی[4]
اس کی ترکیبِ حقِ فہم کی قسم ——— ان سے مسند سجی امامت کی

اس کا حق ہے چمن بندیٔ ریاضِ نبیؐ ——— یہ جس کی قدرتِ احساس نے امامت کی
یہی نہیں کہ مزاجِ رسولؐ پہچانا ——— بسی دماغ میں خوشبو بھی ہے رسالت کی

صفحۂ تاریخ پر لفظ "وفا" لکھی گئی ——— بول اٹھی تحریر، کیا تصویر ہے عباسؑ کی
جان دی جس پر، اسی سرکار کے پائینِ پا ——— کربلا میں آج تک جاگیر ہے عباسؑ کی

۱۔ یہ قطعہ دو علیحدہ کاغذوں پر بھی دستیاب ہوا ہے۔

۲۔ یہ قطعہ ایک بوسیدہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوا ہے۔

۳۔ در مدح حضرت امام مہدی علیہ السلام۔

۴۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا یہ قطعہ ایک بوسیدہ کاغذ سے نقل کیا گیا ہے۔ دوسرا متن نہ ہونے کی وجہ سے اس کو بنیادی قرار دیا گیا ہے۔

قائدِاعظم کا مسلک رہنمائے قوم ہے   جس کے ہاتھوں سے ہوئی تعمیر پاکستان کی[۱]
آ پڑی ہے بات، تو کہنا پڑے گا صاف صاف   جان و عزت ہے رضا کشمیر پاکستان کی
رنگ بھرنا ہے ہمیں کچھ اور اپنے خون سے   نامکمل ہے ابھی تصویر پاکستان کی

نعرہ یہ بے سبب نہیں دل کی پکار کا   بے ساختہ زباں پہ جو آتا ہے "یا علیؑ"
واللہ، مشکلوں میں بہت کام آئے ہیں   مشکل کشا علیؑ، بڑے مشکل کشا علیؑ

نورِ چشمِ مرتضیٰؑ، ماہِ سپہرِ ہاشمی   افتخارِ تشنگاں، جانِ حسینؑ ابنِ علیؑ[۲]
تاجِ صبرِ برادر، حاملِ تیغِ پدر   صاحبِ مشک و علَم، شانِ حسینؑ ابنِ علیؑ

کسی کے دل میں کوئی بات ڈال دینے کو   لغت کہے گی کہ ہے "وحی" ہو بری کہ بھلی[۳]
خدا کی بھیجی ہوئی وحی کے بھی ہیں درجے   نگاہِ اہلِ خبر میں جو ہیں صریح و جلی
نبی وہ "وحی" رضا میری نظم کا موضوع   نبیؐ کے پاس تھے ہم صحبتوں میں جیسے علیؑ

ایمان کی ہے جان تصور امام کا   مومن ہو، احترامِ امامت شعار بھی[۴]
کیسا ہو منتظر، جو بنے مختصر پسند   ہے منتظر، یہ درس گیہ انتظار بھی

۱۔ آل رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا یہ قطعہ ایک بوسیدہ کاغذ پر دستیاب ہوا ہے اور دوسرا نسخہ نہ ہونے کی وجہ سے اسے بنیادی متن تسلیم کیا گیا ہے۔

۲۔ در مدح حضرت عباس علمبردار۔

۳۔ یہ قطعہ ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو ایک محفل مقاصدہ (منعقدہ کراچی) میں پڑھا گیا اور اس کے بعد آل رضا نے اپنی نظم "وحی" پیش کی۔

۴۔ در مدح حضرت امام مہدی علیہ السلام۔

بخشا کیا اللہ، محمدؐ کو شرف
ہر حسن سے اس گھر میں شرافت آئی
آغوشِ رسالت میں نزولِ رحمت
جیسے کوئی قرآن کی آیت آئی
کیا بزمِ رسالت کی دلآویزی تھی
کس شان سے بن بن کے امامت آئی
سرداریِ تکمیلِ رسالت، دیکھو
شبیرؑ کی صورت میں شہادت آئی

فروغِ حسنِ ایماں کے لئے تازہ بہار آئی
رسول اللہ کے گھر، آیتِ پروردگار آئی[1]
نبوّت کو مبارک ہو، امامت کو مبارک ہو
سیادت پیکرِ عصمت میں کتنی شاندار آئی

نبیؐ کی گود میں آیا، محافظِ اسلام
کچھ اس طرح کوئی امید جیسے بر آئی[2]
رسولؐ نام بتانے لگے جو خوش ہو کر
کہا "حسین" مگر کربلا نظر آئی

کھل اٹھیں گلشنِ اسلام میں ایمانی پھول
جب میں جانوں کہ یہاں بادِ بہاری آئی[3]
لائے اللہ وہ دن، آئے زباں پہ یہ رضا
دوستو! وہ میرے مولا کی سواری آئی

ہیں بڑے تنظیمِ حق کے اہتمام
کتنی ذمہ دار ساعت آ گئی
اے امینِ منصبِ ختمِ رسلؐ
منزلِ فخرِ رسالت آ گئی
جو لسان اللہ کہلانے کو ہے
وہ زباں بہرِ شہادت آ گئی
مصحفِ قرآں کے استقبال کو
حیدری صورت میں آیت آ گئی

۱۔ در مدح حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا
۲۔ آل رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا یہ قطعہ ایک بوسیدہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوا ہے تاہم دوسرا مصرعہ درج ذیل ہے۔

ع کچھ اس طرح کوئی جیسے امید بر آئی

۳۔ در مدح حضرت امام مہدی علیہ السلام

آپ کے اللہ کی بھیجی ہوئی   آپ کے دل کی امانت آ گئی
ختم ہے دونوں طرف کا انتظار   آ گئی کعبہ سے دعوت آ گئی
جائیے سوئے حرم، فتح قریب   لیجئے، خالق کی نصرت آ گئی
گود میں بچے کو لے کر دیکھئے   بازوؤں میں کتنی طاقت آ گئی

بھائی تو تھے ہی، بڑھ کے رفاقت بھی مل گئی   دی دعوتِ عشیرہ، نیابت بھی مل گئی
سائے کی طرح ساتھ رہے، دن گزر گئے   اک رات ایسی آئی، شباہت بھی مل گئی

ہو اپنا بھرم ہامِ حسینؑ ابن علیؑ   فکریں ہیں نہ پھر رنج و الم ہیں کوئی[1]
دم بھر جو موافقت کی نسبت سے رضا   ہو جائے یہ احساس کہ ہم ہیں کوئی

معتبر تھا شرفِ آدم و ابنِ آدم   شان بڑھتی رہی تکمیل مگر آج ہوئی
آدمیت کو ملی شکلِ محمدؐ تو کھلا   اتنا محمود تھا انسان کہ معراج ہوئی

شمشیر کو ہے ناز کہ روزِ عاشور   مملو رہی سرکارِ حسینی مجھ سے
تقریر کو ہے ناز کہ بعدِ عاشور   زینبؑ نے لیا کارِ حسینی مجھ سے

کلکِ قرآں رقم نے لوح کے بعد   کام اپنے بہت کئے ہوں گے
شہرِ علمِ نبیؐ کے در پہ رضا   کتنے قرآن لکھ دیئے ہوں گے

---

[1] یہ قطعہ رباعی کے وزن پر ہے تاہم ابتدائی دونوں مصرعے ہم قافیہ وہم ردیف نہیں ہیں اور اس لیے اسے قطعہ قرار دیا گیا ہے۔

نبیؐ ہیں برحق' نبیؐ ہیں قائم' نبیؐ ہمیشہ نبیؐ رہیں گے
علیؑ کے جتنے ہیں کارنامے' وہ جانِ ایماں سبھی رہیں گے
نثارِ ایماں' وقارِ ایماں' نشانِ اعتبارِ ایماں
نبیؐ کے ساتھی علیؑ رہے تھے' نبیؐ کے ساتھی علیؑ رہیں گے

کہیں گرتے ہیں' نہ گرنے کی عقیدت والے
دستگیری کے لئے دستِ خدا آتا ہے
لغزشیں ہم سے بھی ہوتی ہیں' مگر واہ رے ہم
"یاعلیؑ" کہہ کے سنبھلنے میں مزا آتا ہے

نصیری کا جو مفہومِ خدا ہے
علیؑ کا مرتبہ اس سے سوا ہے
علیؑ اور وہم' نفیِ بندگی کا
نہیں یہ منقبت تو اور کیا ہے

رونقِ بزمِ منقبت کے نثار
کیا شگفتہ گلِ ریاضت[1] ہے
باغِ ایماں میں کیوں رہے نہ بہار
ہر جگہ چشمۂ مودت ہے

تو ہے امامِ وقت' ترے دم قدم کے ساتھ
اک رو ہے اعتقاد کی اک اعتبار[2] ہے
ہم تیرے انتظار کے قابل نہ تھے' نہ ہیں
لیکن خدا گواہ' بڑا انتظار ہے

علیؑ کے نام کی برکت ہے آزمائی ہوئی
بڑا برا سا بھی وقت آئے اور ٹل کے رہے
ہزار چاہیں پریشانیاں کہ چین نہ آئے
سکونِ قلب کا پہلو مگر نکل کے رہے
یہ آئے دن کا ہے قصہ' کہ جب لگی ٹھوکر
علیؑ زبان پہ آیا' قدم سنبھل کے رہے

۱۔ آلِ رضا نے یہ قطعہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو ایک محفلِ مقاصدہ (منعقدہ کراچی) میں پڑھا۔

۲۔ (i) در مدحِ امام مہدی علیہ السلام۔

(ii) (مطبوعہ) ضمیر اختر نقوی (مرتب) "مجلّہ یادِ آلِ رضا" کراچی: ہماری منزل' ۱۹۷۸ء صفحہ ۱۲۷

اس مصرعہ میں تیسرا مصرعہ یوں ہے۔ ؎ "ہم تیرے انتظار کے قابل نہ تھے' نہیں"

ملا ہے اپنے مقدر سے ہم کو پاکستان — یہ غیر صوبوں کے مسلم، عجیب قصہ ہے[1]
یہاں تو مالِ غنیمت کی ہوتی ہے تقسیم — وہاں سے آپ چلے، آپ کا بھی حصہ ہے

غیب پر ایمان رہتا ہے، نگہبانِ عمل — ہر گھڑی حسبِ مراتب، دیکھنے والا بھی ہے[2]
حاضر و ناظر خدا، اور اس کی جانب سے امام — سلسلہ قائم ہے، قائم سلسلے والا بھی ہے

علیؑ نے ربِ علی العظیم سمجھایا — علیؑ کو جو نہیں سمجھا، خدا کو کیا سمجھے[3]
نصیریوں کی چکاچوند، اے معاذ اللہ — خدا نما تھا جو بندہ، اسے خدا سمجھے

جو پوچھتی ہے کبھی مجھ سے دل کی محرومی — میں کیا کہوں، مجھے بتلایئے خدا کے لئے[4]
تجھے ملی ہیں جو آنکھیں، تو ہو گا کب محسوس — تڑپ رہی ہے نظر مشہدِ رضا کے لئے

اے علم کے مخزن، ترے مکتب کا یہ درس — سرمایہ ہے، انسان کی عظمت کے لئے
دولت کی حفاظت ہے، تری دردسری — اور علم ہے، خود تیری حفاظت کے لئے

فضائے نشر و اشاعت کی رونقیں آباد — یہ ایک ہفتہ بہت کم ہے اس بیاں کے لئے[5]
مطالعہ بھی، سماعت بھی، ذوقِ دید بھی سیر — زمانہ چاہئے تشریحِ داستاں کے لئے

۱۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا یہ قطعہ ایک بوسیدہ کاغذ سے نقل کیا گیا ہے۔ دوسرا متن موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کو بنیادی متن تصور کیا گیا ہے۔

۲۔ در مدحِ حضرت امام حسن علیہ السلام

۳۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا یہ قطعہ ایک بوسیدہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوا ہے۔

۴۔ اس قطعہ کے آغاز میں یہ عبارت درج ہے "ایک مصرعِ طرح پر تضمین"

۵۔ مطبوعہ:

(i) محشر بدایونی (مدیر) پندرہ روزہ "آہنگ" کراچی یکم تا ۱۵ ستمبر ۱۹۶۸ء صفحہ ۸

(ii) یہ قطعہ "نشر و اشاعت" کے عنوان سے طبع ہوا ہے۔

مباہلے میں جگہ کی جو تھی خصوصیت — وہی ہے آج بھی تخصیص فاطمہؑ کے لیے[ل]
ادھر علیؑ تو ادھر خود نبیؐ مع حسنینؑ — عجب مقام تھا تحسینِ سیدہؑ کے لیے

ل۔ مطبوعہ:
ضمیر اختر نقوی (مرتب) "مجلہ میلاد آلِ رضا" کراچی، بہاری منزل ۱۹۷۸ء صفحہ ۱۲۷
اس مطبوعہ قطعہ کے آخری دو مصرعے یوں ہیں:
"ادھر علیؑ تو ادھر خود نبیؐ مع حسنینؑ ----- عجب مقام ہے تحسین سیدہؑ کے لیے"

رباعی

رباعی

کیا وقت سے، "شہ" نے، کام لے کر چھوڑا — زیبا تھا جو "اختتام" لے کر چھوڑا
دشمن کو یہ کد رہی کہ عزت نہ رہے — عزت نے بھی "انتقام" لے کر چھوڑا

---

[۱]
جو کیف ہے ہمدم، نہ کبھی چھوٹے گا — زندہ ہیں، تو یہ غم، نہ کبھی چھوٹے گا
گھر چھوٹ گیا، گھر کا محرم چھوٹا — شبیرؑ کا ماتم، نہ کبھی چھوٹے گا

ماحول تو انقلاب ساماں ہی رہا — دشمن بھی ارادوں میں پریشاں ہی رہا
ہر لحظہ، ہر اک رخ سے، نئی آفت میں — جو عزمِ حسینؑ تھا، وہ یکساں ہی رہا

وہ نور جو کربلا میں ضو دیتا تھا — اسلام کو اک طلعتِ نوَ دیتا تھا
رگ رگ میں حسینؑ کی تھا، نانا کا لہو — جو قطرہ ٹپکتا تھا، وہ لو دیتا تھا

میں نے تو رضا اس پہ بہت ناز کیا — صاحب نظروں نے مجھے ممتاز کیا
میں کیا تھا، مگر واہ رے، اہلِ مجلس — کس ذوقِ سماعت سے سرافراز کیا

۱۔ مطبوعہ:
شبیہ الحسن (مدیر) ماہنامہ "شام و سحر" لاہور اگست ۱۹۹۰ء (محرم نمبر) صفحہ ۴
اس رباعی سے قبل آل رضا نے درج ذیل وضاحتی نوٹ تحریر فرمایا ہے۔
"نوزائیدہ پاکستان میں تقسیم برصغیر کے پہلے بھی تحت اللفظ مرثیہ خوانی کا رواج نہیں تھا۔ میں نے اس کا آغاز کراچی میں مذکورہ ذیل رباعیوں 'سلام' اور اپنے پہلے مرثیہ "کلمہ حق کی ہے تحریر دل فطرت میں" سے کیا جو ۱۹۳۹ء میں نیوتنی اور لکھنؤ سے کیا تھا۔
"پاکستان میں پہلا عشرۂ محرم ---- ۱۹۴۷ء ----"

سر دے کے شہادت کو سرافراز کیا انسان کی عظمت کو سرافراز کیا
جس وقت کہ تلوار کو چھوتے ہیں ہاتھ اس وقت شجاعت کو سرافراز کیا

کیا شغل ہے، اذکارِ حسینی آباد کیا درس ہے، دربارِ حسینی آباد
ملتا ہے ثواب، کام کی باتوں میں کیا فیض ہے، سرکارِ حسینی آباد

ہے طرۂ اخلاص، وفائے عباسؑ لہرائے گا تا حشر لوائے عباسؑ
اس دھوم سے بن بن کے اٹھیں جس کے عَلَم ہے کون علمدار، سوائے عباسؑ

تھا سبطِ نبیؐ، خدا پسندی کی طرف بڑھتا رہا عزم، ارجمندی کی طرف
ہر زخم سے، خون بہہ رہا تھا لیکن ہمت کا بہاؤ تھا بلندی کی طرف

پیاسوں کی ذرا تشنہ دہانی کہہ دیں لفظیں نہ ہوں، اشکوں کی زبانی کہہ دیں[ا]
کیا بات ہے، جو، دل یہی کہتا ہے رضا پھر کوئی سنے، پھر یہ کہانی کہہ دیں

وہ قافلۂ آلِ عبا اور حسینؑ ہر قافلہ۔ سالار بہر طور حسینؑ
عابدؑ سا ہو بیمار کہ زینبؑ سی اسیر لی جس نے قیادت، وہی فی الفور، حسینؑ

قرآن جو ناطق ہو، تو قرآن حسینؑ ایمان جو صادق ہو، تو ایمان حسینؑ
ایمان سے قرآن کی تصدیق کے ساتھ معراجِ صداقت پہ ہے انسان حسینؑ

ا۔ آل رضا کے ہاتھ سے لکھی یہ رباعی ایک علیحدہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوئی ہے۔

مجموعۂ اوصاف، سراپا ہیں حسینؑ
اللہ رے صفات، جن میں یکتا ہیں حسینؑ
ہے نوعیتِ سجدہ آخر شاہد
اک طرزِ عبادت کا تتمّہ ہیں حسینؑ

سر دینے کی سروری کو کہتے ہیں حسینؑ
قربانی و افسری کو، کہتے ہیں[1] حسینؑ
اسلام کا جو ڈوبتا سورج پلٹائے
اس قوتِ حیدری کو کہتے ہیں حسینؑ

کس منہ سے کہیں کہ دل سے پیارے ہیں حسینؑ
ہم کچھ بھی ہوں ان آنکھوں کے تارے ہیں حسینؑ
اک فخر سا محسوس ہمیں ہوتا ہے
جب کوئی یہ کہتا ہے، ہمارے ہیں حسینؑ

سردار و علمدارِ شہادت ہے حسینؑ
ایمان کے سینے میں، امانت ہے حسینؑ
اسلام پہ زور آزمانے والو!
جو کم نہیں ہوتی ہے، وہ طاقت ہے حسینؑ

اس شان سے گھر بار لٹاتے تھے حسینؑ
کردار کا اعجاز دکھاتے تھے حسینؑ
کچھ حد ہے، کہ اخلاق کے ہر پہلو کا
معیار ہی معیار بناتے تھے حسینؑ

دھن جب سے غمِ شہؑ کی سمائی دل میں
اک عکس سا رہتا ہے دکھائی دل میں
ڈھل جاتی ہے اشکوں سے تو کھلتا ہے کہیں
تصویر یہ، کس رنگ پہ آئی دل میں

۱۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ رباعی درجِ ذیل متن کے ساتھ ایک بوسیدہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوئی ہے۔

ایثار کی رہبری کو کہتے ہیں حسینؑ ------ سر دینے کی سروری کو کہتے ہیں حسینؑ
اسلام کا جو ڈوبتا سورج پلٹائے ------ اس قوتِ حیدری کو کہتے ہیں حسینؑ

تسکینِ دل پیام ہوتی ہی نہیں — آسودگی کلام ہوتی ہی[1] نہیں
کس شان سے ہیں' اور کہاں تک ہیں حسینؑ — یہ بات بھی تمام ہوتی ہی نہیں

اذکارِ حسینؑ کی جو تحریریں ہیں — اسلام نوازی ہی کی تدبیریں[2] ہیں
کہنے کو تو واقعات تاریخی تھے — ثابت ہوا' قرآن کی تفسیریں ہیں

سب پاس ہے' کچھ دور نہیں جاتے ہیں — آنکھوں میں صداقت کی ضیا پاتے ہیں
ہر کذبِ یزیدیت کا بھرپور جواب — ہر رخ سے حسینؑ جب نظر آتے ہیں

مجلس کی فضا حسبِ طلب پاتے ہیں — کچھ دور تو لینے ہی نہیں جاتے ہیں
عادت ہے ہماری کہ حسین ابن علیؑ — یاد آتے ہیں بے ساختہ یاد آتے ہیں

ہادی جو ہدایت کو بچا دیتے ہیں — جاں دیتے ہیں ایمان کو جلا دیتے[3] ہیں
اسلام کا درس' کربلا میں دیکھو — قرآن کبھی یوں بھی پڑھا دیتے ہیں

۱۔ مطبوعہ۔
شبیہ الحسن (مدیر) ماہنامہ "شام و سحر" لاہور اگست ۱۹۹۰ء (محرم نمبر) صفحہ ۳
۲۔ آل رضا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ رباعی متن سے معمولی فرق کے ساتھ دستیاب ہوئی ہے۔
جانباز شہیدوں کی یہ تحریریں ہیں ----- لفظیں نہیں ایمان کی تصویریں ہیں
کہنے کو تو واقعات تاریخی تھے ----- ظاہر ہوا' قرآن کی تفسیریں ہیں
۳۔ (i) آل رضا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ رباعی ایک مسودہ کاغذ سے نقل کی جا رہی ہے۔
(ii) اس رباعی کے آخری دونوں مصرعے ایک اور رباعی میں بھی شامل ہیں۔ (ملاحظہ فرمایئے صفحہ ۲۷۷)

مشکل سے ہمیں دادِ وفا دیتے ہیں   یاد آئی ہوئی بات بھلا دیتے ہیں
مولا، تو بہت پاس سے دیتے ہیں صدا   ہم دور کی آواز بنا دیتے ہیں

خاصانِ خدا، حق کی صدا دیتے ہیں   کردار کا آئینہ دکھا دیتے ہیں [1]
اسلام کا درس، کربلا میں دیکھو   قرآن، کبھی یوں بھی پڑھا دیتے ہیں

ممکن ہے کبھی بھٹک بھٹکا نہ جائیں   جنت اس مجلس کو بنا ہی جائیں
فی الحال تو ہیں، اہلِ [illegible]نی باتیں   اور فرض کرو، حسینؑ آ ہی جائیں

کیا کہئے شہِ دیں کے وفاداروں کو   خاشاک سمجھتے تھے، جو انگاروں کو
احساسِ فرائض نے بدل ڈالا تھا   ہر قسم کی تکلیف کے معیاروں کو

یہ تو نہیں ممکن کہ سیادت لے لو   لالچ ہے بری چیز، حکومت، لے لو
دیکھا، پئے خلق حسینؑ، عزمِ حسینؑ   لب سر پہ جو ہے تاجِ شہادت، لے لو

---

[2]
نعت ہے یہ غم، خلوص شامل بھی تو ہو   دامن ہیں بہت، دامنِ سائل بھی تو ہو
مظلوم کی دلنواز تعلیموں سے   ہر دل کو تعلق ہے، مگر دل بھی تو ہو

جس نے جو سجایا، وہ اسی سے پوچھو   کیا نظمِ جماعت ہے، نبیؐ سے پوچھو
کس طرح جماعت پہ امامت چھا جائے   یہ بات حسینؑ ابنِ علیؑ سے پوچھو

۱۔ رباعی کے یہ دونوں مصرعے ایک دوسری رباعی (صفحہ ۲۷۶) میں بھی شامل ہیں۔
۲۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی رباعی ایک بوسیدہ کاغذ پر بھی دستیاب ہوئی ہے۔

سلام[۱]

دنیا کی تمام، بے بسی کو دیکھو ۔ اور اس پہ دلِ سبطِ نبیؐ کو دیکھو
بندہ کو خدا پہ ہے بھروسہ کتنا اس حد پہ حسین ابن علیؑ کو دیکھو

جو جس کے لئے ہے وہ اسی کا حصہ تکمیلِ رسالت ہے، نبیؐ کا حصہ
خوشبوئے رسالت نے چنا کس کا دماغ اس لطف کا احساس، علیؑ کا حصہ

اسلام میں انسان کی عظمت ابھری ایمان میں تہذیبِ عقیدت ابھری
شبیرؑ میں کس عظمتِ تہذیب کے ساتھ میدان عمل کھلا، شریعت ابھری

قائم ہے ترقی پہ امامت تیری بڑھتی ہے دلوں میں بادشاہت تیری
تکمیل کی انتہا ہے، پردے میں ابھی شبیرؑ عجب شے ہے، شہادت تیری

اک رسم ادا کرتا ہوں خدمت کیسی؟ وہ تو ہے بڑی چیز محبت کیسی؟
جس طرح سے لیتا ہوں رضا نامِ حسینؑ تضحیکِ عقیدت ہے، عقیدت کیسی؟

جاری ہے یہ پیغامِ حسینؑ ابن علیؑ اسلام ہے، اسلامِ حسینؑ ابن علیؑ
جس نام کے اسلام سے تھی، جنگِ حسینؑ کس منہ سے وہ لے نامِ حسینؑ ابن علیؑ

تاثیر حسینیت کی ہوتی ہی رہی تدبیر حسینیت کی ہوتی ہی رہی
تن خاک پہ، سر نیزے پہ، اور کوسوں دور تفسیر حسینیت کی ہوتی ہی رہی

۱۔ مطبوعہ:
شبیہ الحسن (مدیر) ماہنامہ "شام و سحر" لاہور اگست ۱۹۹۰ء (محرم نمبر) صفحہ ۴

یہ ذکرِ دل افروز، کہاں ہے یونہی   یہ گوہرِ آبدار، ڈھلتا ہے یونہی
کس طرح بیاں ہو، کہ بیاں ہو جائے   یہ قصۂ نا تمام، چلتا ہے یونہی

کس شان سے، فتحِ شہِ مظلومؑ ہوئی   پامال، شقاوت کی رہِ شوم ہوئی
معلوم ہوا، ظلم کی حد کتنی ہے   حد، صبرِ حسینؑ کی، نہ معلوم ہوئی

ساحل پہ پہنچ گیا ہوں، بہتے بہتے   موجوں کے تھپیڑوں کو بھی سہتے سہتے[۱]
حالِ دمِ آخر میں جو اچھا ہو گا   مر جاؤں نہ کیوں حسینؑ کہتے کہتے

ہاں، لاؤ جو ایسا کوئی انساں ٹھہرے   ایماں بزباں، مرکزِ ایماں ٹھہرے
کیا نطقِ خدا ساز تھا، اللہ اللہ   قرآں جسے کہہ دے وہی قرآں ٹھہرے

بے لطف مجالس سے ہیں محفل والے   موجوں کو سمجھتے نہیں ساحل والے
ڈھل جاتی ہے اشکوں میں رعنائیِ تہذیب   بیٹھے ہوں جہاں اہلِ ولا، دل والے

چھاپا تو بہت صدق پہ مارا تو نے   پایا نہ مگر کوئی سہارا تو نے
لو، منقبتِ آلِ نبیؐ کی کوشش   کیا ذکرِ فضائل کو ابھارا تو نے

کیا کام کیا صحتِ تعمیری نے   کیا چھا لیا، مقصد کی ہمہ گیری نے
اسلام نے زندہ کئے ادیانِ خدا   اسلام کو زندہ کیا شبیرؑ نے

۱۔ مطبوعہ:
شبیہ الحسن (مدیر) ماہنامہ "شام و سحر" لاہور اگست ۱۹۹۰ء (محرم نمبر) صفحہ ۳

آئینۂ تحقیق، جلا پاتا ہے یوں نورِ کمالات نظر آتا ہے[1]
اے ذکرِ حسینؑ، تیری عظمت کے نثار انسان بڑھے اور بڑھتے جاتا ہے

کیا نقشِ وفا، رنگِ وفا لاتا ہے بن بن کے نشاں، فضا میں لہراتا ہے
کس فخر سے عباسؑ یہ سنتے ہوں گے سرکارِ حسینؑ کا علَم آتا ہے

ذکرِ شہِ مظلوم جو چھڑ جاتا ہے جلوہ غمِ پرکیف کا دکھلاتا ہے
جب دیکھئے دیتے نہیں، آنسو، کچھ اور مطلع یہ بہت صاف نظر آتا ہے

عاشور کو جب عصر کا وقت آتا ہے اخلاص، تصور کا یہ دکھلاتا ہے
تاجِ سرِ امواج بنا، فرقِ حسینؑ اک خون کے دریا پہ چلا جاتا ہے

ہر چند زمانہ ہمیں سمجھاتا ہے تاریخ کے اوراق بھی دکھلاتا ہے
اسلام کی سلطنت سمجھنے میں، مگر مذہب کا عجب رنگ نظر آتا ہے

کام اپنا سدا، ملو عزا کرتا ہے شائستہ غم، کیف عطا کرتا ہے
تڑپا کے جو کر دیتا ہے دل کو روشن اس فصل میں وہ درد اٹھا کرتا ہے

مجمع جو ادیبوں کا چنا ملتا ہے الفاظ و معانی کا صلہ ملتا ہے[2]
لاہور میں بھی مرثیہ جب پڑھتا ہوں کیا ذوقِ سماعت کا مزہ ملتا ہے

۱۔ مطبوعہ:
شبیہ الحسن (مدیر) ماہنامہ "شام و سحر" لاہور اگست ۱۹۹۰ء (محرم نمبر) صفحہ ۳

۲۔ آلِ رضا نے یہ رباعی ۷ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو لاہور میں منعقدہ ایک مجلس میں ارتجالاً کہہ کر نذرِ سامعین کی۔

وہ فلسفہ جو غیر کے گھر پلتا ہے   اسلام کے سانچے میں نہیں ڈھلتا ہے
تھے قاتلِ کفار بھی، مولائے جہاں   یہ بجلی وہ حق میں یونہی چلتا ہے

کیفِ غمِ شہؑ اپنی جزا بنتا ہے   آئینہ، سزا وارِ جلا بنتا ہے
اس درد کو دل بنا کے دیکھے تو کوئی   دل مطلعِ انوارِ خدا بنتا ہے

جینا ہے عزائے شہؑ میں، مرنا ہے   دامن، درِ مقصود سے بھی بھرنا ہے
غم، فطرتِ ہمدرد کا حصہ ہے، مگر   کچھ کارِ حسینیؑ بھی ہمیں کرنا ہے

اک قرض نے ہم سے تو یہی چاہا ہے   دل لٹائے کہ جیسے بخوشی چاہا ہے
اس لطفِ غمِ شہ شہیداں کے نثار   یوں روئیں کہ رو لینے کو جی چاہا ہے

کیوں فکر ہو، اس درد میں کیا رکھا ہے   دل نے تو ان اشکوں میں مزا رکھا ہے[1]
دنیا غمِ شبیرؑ کو سوچے، سمجھے   ہم نے تو کلیجے سے لگا رکھا ہے

---

[1] (i) شبیہ الحسن (مدیر) ماہنامہ "شاہد و سحر" لاہور، اگست ۱۹۹۰ء (محرم نمبر) صفحہ ۳
(ii) ایک بوسیدہ کاغذ پر یہ رباعی درج ذیل متن کے ساتھ ملی ہے۔
فطرت نے جو اشکوں میں مزا رکھا ہے ----- [illegible] وقار شہدا رکھا ہے
دنیا غم شبیرؑ کو سوچے، سمجھے ----- ہم نے تو کلیجے سے لگا رکھا ہے
(iii) کاغذ والے متن کی رباعی مطبوعہ: ضمیر اختر نقوی (مرتب) "مجلہ میلاد آلِ رضا" کراچی: بہاری منزل ۱۹۷۸ء، صفحہ ۱۲۷

دیکھو، غمِ جاں بخش میں کیا رکھا ہے پڑھ لو، مری حالت پہ لکھا رکھا ہے[1]
صدموں نے مجھے مار ہی ڈالا تھا، مگر اس خدمتِ مجلس نے جلا رکھا ہے

کیا ذکرِ حسینؑ کا یہ سرمایہ ہے دنیائے ادب نے بھی شرف پایا ہے
الفاظ ہوئے جمع جو مجلس کے لئے کیا حسنِ مطالب پہ نکھار آتا ہے

مظلوم نے کیا جلوہ فرمایا ہے صدیاں بھی گزرنے پہ اثر چھایا ہے
کہہ اٹھی ہے، سب کانوں میں ابھی دنیا اب چاند محرم کا نکل آیا ہے

اسلام میں اندازِ حسینؑ کیا ہے؟ ایمان میں اعزازِ حسینؑ کیا ہے؟
طے کر لو کہ جو کچھ ہے وہ قربانِ اصول پھر دیکھو کہ اعجازِ حسینؑ کیا ہے؟

دل کہتا ہے، ہر دل کو خبر ہو کے رہے تعلیمِ حسینؑ کا اثر ہو کے رہے[2]
ٹپکے جو رضا ماتمِ جانباز میں اشک دامن میں شہادت کا گہر ہو کے رہے

۱۔ آلِ رضا نے یہ رباعی ۱۳ اپریل ۱۹۶۹ء کو مجلس ایرانیان کراچی میں پڑھی۔

۲۔ مطبوعہ:
سید آلِ رضا 'شہادت سے پہلے شہادت کے بعد' لکھنؤ نظامی پریس۔ س۔ن صفحہ سرورق۔

تسکینِ دلِ اندوہ نشاں، مجلس ہے
غم اپنا بھلاتا ہے، جہاں مجلس ہے[1]
اللہ رے، غریب الوطنی کا عالم
ہم پوچھتے پھرتے ہیں، کہاں مجلس ہے؟

ہم سوگ نشینوں کا عجب عالم ہے
یہ دورِ غم آخر ہو، تو اس کا غم ہے[2]
جیتے ہیں جو اس غم کی بدولت، ان کو
اس ڈھنگ سے جینے کا زمانہ کم ہے

زائر جو شرف پا کے، بنا ہے، تو ہے
دل حسنِ زیارت کو سرا ہے، تو ہے
جانے کو تو کربلا چلے جاتے ہیں
آنے کو وہاں سے جی نہ چاہے، تو ہے

مظلوم کی چپ بھی آہ ہو جاتی ہے
ظالم کی خوشی جاہ ہو جاتی ہے
ہاں، ظلم کی دھوپ، بڑھ تو جاتی ہے، مگر
بڑھتے بڑھتے سیاہ ہو جاتی ہے

کیا یادِ حسینؑ اپنی جگہ پاتی ہے
رہتی نہیں لذت یہ مولاتی ہے
ہر غم کو بھلا دینے کی فطری کوشش
اس غم کے تعلق سے بدل جاتی ہے

تقریبِ وداع، کتنی جذباتی ہے
تعلیمِ سخن، تھک کے غضب ڈھاتی ہے
اللہ، یہ بھڑکی ہوئی لو کا عالم
لہراتی ہوئی شمع بجھی جاتی ہے

۱۔ اس رباعی سے متعلق آلِ رضا نے درج ذیل وضاحتی نوٹ تحریر فرمایا ہے:
"نوٹ: انڈیا و پاکستان میں تقسیمِ برصغیر کے پہلے بھی تحت اللفظ مرثیہ خوانی کا رواج نہیں تھا۔ میں نے اس کا آغاز کراچی میں مذکورہ ذیل رباعیوں سلام، اور اپنے پہلے مرثیہ "کلمۂ حق کی ہے تحریر دلِ فطرت میں" سے کیا جو ۳۹ء میں نوتنی اور لکھنؤ سے کیا تھا۔ پاکستان میں پہلا عشرۂ محرم ۱۹۴۷ء"

۲۔ مطبوعہ: ماہنامہ "پیامِ عمل" لاہور، مارچ اپریل ۱۹۷۳ء (اربعین نمبر) صفحہ ۱۲

پانی سے سبیل، فیضِ شہؑ جاری ہے   کس پیار سے پیاسوں کی طلب گاری ہے
جی بھر کے پیو، شوق سے بچوں کو پلاؤ   سقائے سکینہؑ کی عملداری ہے

دنیا کا یہ اک تحفۂ انعامی ہے   پگھل جائے جسے جھوٹ، بڑا حامی ہے
سچائی سے دوری ہے، خدا سے قربت   واللہ، عجب مسلکِ اسلامی ہے

دل والوں کی حالت، کوئی ہم سے پوچھے   اشکوں کی لطافت، کوئی ہم سے پوچھے
جس غم کے بغیر، دل نہیں بنتا ہے دل   اس غم کی ضرورت، کوئی ہم سے پوچھے

جذبات پہ تاثیرِ عزا کی چھا جائے   بیتاب ہے دل کہ اپنی منزل پا جائے
جب لہر یہ آتی ہے کہ لپٹے ہیں حسینؑ   ممکن نہیں، آنکھوں میں نہ رونا آ جائے

تھی شرط کہ میداں میں جو ناصر آئے   تعظیمِ حسینؑ کا شرف دکھلائے
موقف پہ قدم پیچھے ہٹے، ناممکن   موقف سے قدم آگے نہ بڑھنے پائے

محبوبِ خدا کتنے سرافراز ہوئے   انساں کی رفعتوں کے در باز ہوئے
معراجِ رسالتؐ کی یہ عظمت دیکھو   پلٹے جو رسولؐ اور بھی ممتاز ہوئے

انساں کو تہذیب سکھانے کے لئے ۔۔۔ ہر وقت حسینؑ ہر زمانے کے لئے[۱]
ہر روزؔ یہ بھوک، پیاس، بچے، گھر بار ۔۔۔ کیا چیز نہیں، یاد دلانے کے لئے

❁ ❁

۱۔ مطبوعہ:
شبیر الحسن (مدیر) ماہنامہ "شام و سحر" لاہور اگست ۱۹۹۰ء (محرم نمبر) صفحہ ۴

مرثیه

(شخصی)

مرثیہ (مخمس) [۱]

دیارِ رشد و ہدایت کی روشنی کی قسم — وہ شمع بجھ گئی[۲]، جس سے بڑا اجالا تھا
نہ کیوں ہو علم کے ایوان میں صفِ ماتم — وہ ذات اٹھ گئی جس کا بڑا سہارا تھا
نہ کیوں ہو فرطِ الم، بزمِ زہد و تقویٰ میں — کہ اس کا غم ہے، مجسم جو زہد و تقویٰ تھا
فقیہ ایسا کہ خود فقہ جس پہ ناز کرے — خلیق ایسا کہ انسانیت سراپا تھا
فروتنی کا شرف، ذمہ داریوں کا لحاظ — عبادتوں کی طرح ہر گھڑی وتیرا تھا
ہمیشہ مدِ نظر اتحادِ اسلامی — اور اس قدر کہ یہی مطمحِ تمنا تھا
خلوصِ دل سے وہ بے لاگ اجتہاد کیا — حدودِ شرع میں یہ وقت کا تقاضا تھا
عجیب شان سے اس عالمِ زمانہ نے — ادا کیا ہے وہ حق جو اسی کا حصہ تھا
وہ صورتیں جو ہوں اب سیرتِ آئمہ کی — یہ دینِ حق کا مجاہد انہیں کا نقشا تھا
رضا یہ دارِ فنا ہے، یہاں ہیں سب فانی — یہی ہے روز، ابھی کیا ہے اور بھی کیا تھا

مرثیہ (مخمس) [۳]

سنا ہے بارہا مجلس میں، علامہ ترابی کو — مسلسل یہ اثر ہوتا رہا اپنی طبیعت پر

۱۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا یہ مخمس مرثیہ ایک بوسیدہ کارڈ سے نقل کیا جا رہا ہے۔ کوئی دوسرا متن موجود نہ ہو جس کی وجہ سے اسی کو بنیادی متن تصور کیا گیا ہے۔

۲۔ یہ مخمس مرثیہ برصغیر پاک و ہند کے معروف عالمِ دین، فقہی علوم کے ماہر علامہ مولانا سید ناصر حسین مرحوم مجتہد العصر کے بارے میں ہے۔ آپ برصغیر میں "ناصر الملت" کے نام سے معروف رہے ہیں۔

۳۔ آلِ رضا کے ہاتھ سے لکھا ہوا یہ مخمس مرثیہ ایک کارڈ پر درج ہے اور دوسرا متن نہ ہونے کی وجہ سے اس کو بنیادی تصور کیا گیا ہے۔

[1]
خطابت کی روانی ہے کہ موجِ نازشِ یم   فصاحت کی بلاغت پہ، بلاغت کی فصاحت پہ
مطالب کی بلندی ہے کہ حسبِ مقصدِ مجلس   حسینی ذکر کی سکہ زنی طرزِ خطابت[2] پہ
سرِ منبر شعورِ فکر کی وہ گوہر افشانی   سرِ محفل وہ نیسانی کرم، اہل عقیدت پہ
رضا اس رفعتِ حسنِ بیاں کا ساتھ دے دینا   بڑا احسان ہے خود اپنے ہی ذوقِ سماعت[3] پہ

مرثیہ (مخمس)[4]

جلیسِ منبر و مجلس ندیمِ کلبِ حسینؑ   کئی ہزار مجالس کی یاد کلبِ حسینؑ
خطیب و عالمِ دیں، مداحِ اہل بیتؑ شعار   فصیح اہل زباں، خوش بیان و خوش گفتار
زباں وہ، جسے مجموعہ صفات کہیں   بیاں میں وہ روانی کہ دل کی بات کہیں

مطبوعہ:

۱۔ امیر حسین (مرتب) منبر کا دوسرا امام، کراچی، ابو تراب انٹرپرائزز، س۔ن۔ صفحہ ۲۳۲

۲۔ رضا حسین خاں، رشید ترابی ابن شرف حسین خاں ۱۹۰۸ء میں حیدر آباد (ہندوستان) میں پیدا ہوئے
آپ معروف شاعر، عالم دین، مقرر اور مسلم لیگی رہنما تھے، کراچی میں ایک عرصے تک خطابت کے
جوہر دکھانے کے بعد دسمبر ۱۹۷۳ء میں رحلت فرما گئے۔

حوالہ:

(i) حسین عارف نقوی، تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان، اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی، ۱۹۸۴ء
صفحہ ۱۰۳

(ii) حامد علی خاں (مدیر) اردو جامع انسائیکلوپیڈیا (جلد اول) لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۷ء
صفحہ ۳۸۳

۳۔ کارڈ کے آخر میں یہ عبارت درج ہے۔
"۔۔۔۔۔دعا گو۔۔۔۔۔ آل رضا۔ کراچی، ۲۹ مارچ ۱۹۶۵ء۔۔۔۔"

۴۔ آل رضا کے ہاتھ سے تحریر کردہ یہ مخمس مرثیہ ایک بوسیدہ کاغذ سے نقل کیا گیا ہے۔

وہ دل کی بات تصنع کا جس میں نام نہ ہو
وہ خلق جس کو سخن پروری سے کام نہ ہو

بطرزِ خاص دلوں میں اتر کے رہتا تھا
بجائے مدح و مصائب سرشت لفظوں کا

بجائے ایسے مضامیں میں بھی رہی جاری
اک آبشارِ فصاحت کی نرم رفتاری

مزاجِ دینِ شریعت، سفیرِ خلقِ عظیم
بلند و سادہ مرنجاں مرنج طبعِ سلیم

وہ اپنی سادہ مزاجی پہ افتخار کی شان
وہ اجتناب پہ قدرت وہ انکسار کی شان

نثار شاہِ شہیداں، فدائے ذکرِ حسینؑ
چراغِ شامِ غریباں، ضیائے ذکرِ حسینؑ

بکارِ نصرتِ مظلومؑ آلِ پیغمبرؑ
پڑھی ہیں کتنی مجالس، کہاں کہاں جا کر

ثواب کتنا لٹایا، بیانِ پُرغم نے
بتائے کتنے مگر، اس خطیبِ اعظم نے

رہے ہیں سلکِ تناسب میں مدتوں یکسر
جنابِ کلبِ حسینؑ اور مجلس و منبر

نظر میں اب تو یہ اندازِ حق شناسی ہے
فضائے مجلس و منبر میں اک اداسی ہے

وہ دیکھتا ہے جو خود اشکبار ہے اس وقت
کہاں کہاں کی فضا سوگوار ہے اس وقت

رضا بنامِ تسلی کسی کو ہم کیا دیں
کہاں کہاں کی مجالس میں جا کے پرسا دیں

سحابِ درد کے کتنے دلوں پہ برسیں گے
ارے یہ وقت، کہ ان مجلسوں کو ترسیں گے

یہ دیکھ دیکھ کے، خالی ہے جائے کلبِ حسینؑ
زباں پہ کتنوں کی آئے گا "ہائے کلبِ حسینؑ"[1]

جو کربلا سے چلی وہ روش ہماری ہے
غمِ حسینؑ کی نسبت سے سوگواری ہے

تو پھر یہ جس کا عقیدہ ہو، اس کو غم کیا ہے
جو آخرت کے لئے جی گیا وہ زندہ ہے

حسینیتؑ سے جو اتنا قریب ہوتا ہے
عجیب شان سے جنت نصیب ہوتا ہے[2]

۱۔ عمدۃ العلماء علامہ سید کلبِ حسین نقوی، لکھنؤ کے ممتاز عالمِ دین، معروف شاعر اور صاحبِ طرز خطیب تھے۔ آپ شاہی آصفی مسجد کے امام تھے۔ آپ کی علمیت اور لیاقت کا ایک زمانہ معترف تھا۔

۲۔ یہ نظم ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۳ء میں مکمل ہوئی۔ آلِ رضا نے کاغذ کے کنارے پر یہی تاریخ تحریر کی ہے۔

فدک

فرد

موقف ہے کربلا کا اپنی جگہ پہ قائم
میدانِ جنگ وقتی میدانِ فکر دائم[۱]

حسنؑ کا دل، علیؑ و فاطمہؑ کا نورالعین
ہے چاند اپنی فضائے محمدیؐ کا حسینؑ[۲]

کس سلیقے سے بنا نقشِ کفِ پائے حسینؑ
کربلا کیا ہے یہاں یہ جان کر آئے حسینؑ[۳]

پھر سے اڑ گئیں ساری چڑیاں رنگ برنگے پر مارے
بچنے آئیں تھیں کچھ چڑیاں میرے گھر کے آنگن میں[۴]

خوش دیاریِ محبت کے سوا آس نہیں
وہ مسافر ہوں کہ سامانِ سفر پاس نہیں[۵]

بھٹک رہے ہو اندھیرے میں، راہ پہ آؤ
خدا ملے گا محمدؐ کے پیچھے ہو جاؤ[۶]

یہ کہہ کے ڈوب گیا آفتابِ عاشورہ
رہے حسینؑ کی تا حشر روشنی باقی[۷]

پھر دل میں چبھ رہی ہے بھولی ہوئی کہانی
تپتی ہوئی وہ راتیں بھیگی ہوئی جوانی[۸]

۱۔ بیاض (۲)
۲۔ (i) بیاض (۲)
(ii) ایک بوسیدہ کاغذ پر بھی یہ شعر موجود ہے۔
۳۔ بیاض (۲)
۴۔ بیاض (۱)
۵۔ بیاض (۲)
۶۔ بیاض (۲)
۷۔ (i) بیاض (۲۰) میں یہ شعر آلِ رضا کے اس وضاحتی نوٹ کے ساتھ تحریر ہے کہ "اس سلام کے بقیہ اشعار تلف ہو گئے"
(ii) مطبوعہ:
(i) محشر بدایونی (مدیر) پندرہ روزہ "آہنگ" کراچی یکم ۱۵ دسمبر ۱۹۷۸ء صفحہ سرورق
(ii) ضمیر اختر نقوی (مرتب) مجلہ یادِ آلِ رضا کراچی، ہماری منزل ۱۹۷۸ء صفحہ ۵
(iii) رضا عابدی (مدیر) ہفت روزہ "رضاکار" لاہور ۱۸ اپریل ۲۰۰۰ صفحہ ٹائٹل
۸۔ سلطانہ مہر "سخنور" (تذکرہ شعرائے پاکستان) کراچی ادارہ تحریر ۱۹۷۹ء صفحہ ۱۵۳

ضمیمہ

(ا) نو دریافت کلام

(ب) متروک کلام

(ج) الحاقی کلام

(د) عکسِ تحریر

نو دریافت کلام

(قطعہ)[1]

پاکستان[2]

ہے شاہراہ ترقی پہ اپنا پاکستان   وقارِ ملک ہوا کیا سے کیا زمانے میں
ترقیوں کے مرقعوں کا اب یہ عالم ہے   کہ جیسے دور چراغاں نگار خانے میں
یہ بات رہ نہ گئی صرف کہنے کی حد تک   حقیقتیں نظر آنے لگیں فسانے میں

۱۔ مطبوعہ:
محشر بدایونی (مدیر) پندرہ روزہ "آہنگ" کراچی یکم تا ۱۵ ستمبر ۱۹۶۸ء

۲۔ یہ عنوان اسی طرح رقم ہے۔

متروک کلام

سیّد آلِ رضا کو قدرت نے بے شمار نعمتوں سے نواز رکھا تھا۔ انہوں نے زندگی کو ہمیشہ طربیہ سمت سے دیکھا تھا۔ ان کی حسِ مزاح نہایت لطیف تھی اور وہ زندگی کو رعنائیوں کا مرکز سمجھتے تھے۔ انہوں نے طرب کے مختلف حربوں کو اپنی شاعری میں استعمال کیا اور خاص طور پر طربیہ اسالیب کو مختلط انداز میں استعمال کرنے پر انہیں بڑی قدرت حاصل تھی۔ غزل کی سی نازک صنف تو یہ مزاج برداشت نہیں کر سکتی لہٰذا اس کے لیے آلِ رضا نے ایک اور سمت میں کاوش کی۔ اس سلسلے میں فضل احمد کریم فضلی رقم طراز ہیں:۔

"......اسی زمانے میں بہار لکھنوی صاحب نے ایک انجمن بہارِ ادب قائم کر رکھی تھی۔ لکھنو کے اکثر سربرآوردہ شاعروں سے ان کی چشمک چل رہی تھی۔ آلِ رضا صاحب کو مزاحیہ اشعار کہنے میں بھی کمال حاصل تھا مگر وہ ان اشعار کو اپنے نام سے منسوب کرانا نہیں چاہتے تھے۔ ایک صاحب "آغا" انہوں نے کہیں سے

ڈھونڈ نکالے۔ "آغاز" صاحب ڈٹ کر آلِ رضا صاحب کا مزاحیہ کلام سناتے تھے اور خوب داد پاتے تھے۔ اس زمین میں بھی ان کی یعنی آلِ رضا صاحب کی طبیعت نے بڑی بہار دکھائی۔ اس غزل کے حسب ذیل قطعہ بند اشعار اور ان کی لطافت اور حسن بیان کی داد دیجئے"۔ (۱) و (۲)

مزاحیہ اشعار

تھا ایک مرغ جہاں دیدہ اک قفس میں اسیر
جہاں وہ کہتا تھا رو رو یہاں بہار نہیں
قفس سے چھوٹ کے نکلا بپئے تلاش بہار
اور ایک باغ میں پہنچا جہاں بہار نہیں
وہ چھپ کے بیٹھا مگر باغباں نے دیکھ لیا
پکار کر کہا جا جا یہاں بہار نہیں
سنی کی ان سنی اس نے جو کی تو وہ بولا
کہ بھائی کہہ دیا تم سے یہاں بہار نہیں
سنا نہ پھر بھی تو ڈھیلا رسید کر کے کہا
ابے بہار کے بچے یہاں بہار نہیں

۱۔ شبیہ الحسن "آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی" لاہور: سفینہ پبلی کیشنز ۱۹۸۹ء صفحہ ۵۶
۲۔ سید فضل احمد کریم فضلی "آہ! بھائی آلِ رضا مرحوم" روزنامہ حریت کراچی ۲۳ فروری ۱۹۷۹ء صفحہ ۱

الحاقی کلام

ہم کراچی کے ایک کتب خانہ میں ہفت روزہ سرفراز لکھنؤ کی فائلیں دیکھ رہے تھے۔ ایک رسالے کی فہرست پڑھی تو علم ہوا کہ اس میں آل رضا صاحب کا کلام طبع ہوا ہے۔ ہم نے ان اشعار کا مطالعہ کیا تو وہ کسی بھی صورت میں آل رضا کے مذاق و مزاج کے مطابق نہ تھے۔ اس سلسلے میں ہم نے مختلف اصحاب و احباب سے رابطے قائم کیے لیکن اس سلسلے میں کوئی حتمی نتیجہ سامنے نہ آسکا۔ آخر کار کراچی کے ایک محقق و نقاد جناب ضمیر اختر نقوی نے اس مسئلہ کو حل کیا۔ آپ نے مختلف دلائل سے ثابت کیا کہ یہ کلام دراصل مولانا حسن امداد صاحب (مقیم حال کراچی) کا ہے۔ یہ سلام ایک ٹیپ کے ذریعے لکھنؤ پہنچا تھا اور کس غلط فہمی کے باعث آل رضا کے نام سے منسوب ہو گیا۔ ہم اس سلام کو الحاقی کلام کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

سلام

ہر دو جانب سے ہے یلغار تقدم ولدی ہوتی ہے تیروں کی بوچھار تقدم ولدی
زد پہ ہیں سب مرے انصار تقدم ولدی امتحاں چاہیے نہ زنہار تقدم ولدی
بڑھتے آتے ہیں جفا کار تقدم ولدی
کربلا ہو چکی تیار تقدم ولدی
وقت یہ وہ ہے کہ تلوار اٹھالیں ہم لوگ دین حق کو کسی صورت سے بچالیں ہم لوگ
کیوں کسی اور پہ اس بار کو ڈالیں ہم لوگ کیوں نہ یہ معرکہ خود آپ سنبھالیں ہم لوگ

کھینچ کر نیام سے تلوار تقدم ولدی
کربلا ہو چکی تیار تقدم ولدی

اے مرے لخت جگر اے مرے پیارے فرزند — ہیں یہ تو لاکھ تو کیا عزم تو ہے اپنا بلند
آگے آگے صف اول کے رہے اپنا سمند — میرے اصحاب کو پہنچے نہ کبھی کوئی گزند
تیر آتے ہیں لگاتار تقدم ولدی
کربلا ہو چکی تیار تقدم ولدی

بھائی عباسؑ سنبھالے رہو لشکر کا نظام — قاسم و عون و محمدؐ رہیں نزدیک خیام
تاکہ اس سمت کا رخ کر نہ سکے لشکر شام — اور تم بہر وغا آگے بڑھو لے کے حسام
تیرا اللہ مدد گار تقدم ولدی
کربلا ہو چکی تیار تقدم ولدی

دین نانا کا مٹے اور نواسہ سہ لے — یہ نہ ہو گا کبھی ہم سے کوئی کچھ بھی کہہ دے
خون بہتا ہے تو ہم لوگوں کا اس پہ بہہ لے — بھیجتا جنگ پہ عابدؑ کو میں تم سے پہلے
مگر عابدؑ تو ہے بیمار تقدم ولدی
کربلا ہو چکی تیار تقدم ولدی

مجھ سے یہ چاہتے ہیں بدر و احد کا بدلہ — میرے اسلاف کی ہر جدوجہد کا بدلہ
دین اسلام کی نصرت کا مدد کا بدلہ — باپ سے تیرے یہ لیں گے ترے جد کا بدلہ
ہم ہیں اس کے لئے تیار تقدم ولدی
کربلا ہو چکی تیار تقدم ولدی

ہم کو تاریخ بدل دینی ہے دشت و در کی — پڑے آئندہ نظر جس پہ زمانے بھر کی
گر ضرورت ہو تو بازی بھی لگا دو سر کی — آخری جنگ سمجھ لو اسے اپنے گھر کی
جانے پھر کب کھنچے تلوار تقدم ولدی
کربلا ہو چکی تیار تقدم ولدی

کہیں ایسا نہ ہو زینبؑ کو خبر ہو جائے — اور طلب عون و محمد کی ادھر ہو جائے
تاروں کو لازم سفر قبل قمر ہو جائے — میری ترتیب ہی سب زیر و زبر ہو جائے
ہو سکے ہم سے نہ انکار تقدم والدی
کربلا ہو چکی تیار تقدم والدی

ام لیلیٰ در خیمہ سے کہیں دیکھ نہ لے — رخ تمہارا ہے سوئے فوج عمر دیکھ نہ لے
ابھی میں جاتے ہوئے ماں تمہیں دیکھ نہ لے — شیر کو نیزوں کے جنگل کے قریں دیکھ نہ لے
پھر تو جانا بھی ہے دشوار تقدم والدی
کربلا ہو چکی تیار تقدم والدی [1]

۱؎ مطبوعہ:
مصطفیٰ حسن رضوی (مدیر) ہفت وار "سرفراز" لکھنؤ ۱۰ ستمبر ۱۹۷۸ء (محرم نمبر) صفحہ ۹

عکسِ تحریر

صـ ٢١

OCTOBER 1967

27 J. Sani — 3 Tuesday

جیسی بھی تھی چھاؤں بھی، جو زندگی سمجھے تھے ہم
یہ سمجھنا ہی غلط ہے، کچھ [illegible] کبھی سمجھے تھے ہم

دہر تک دنیا، دل میں رکھ کے اٹھتے رہے
[illegible] آگہی تو تجھ میں کبھی سمجھے تھے ہم

جس سمت بھی بڑھائی جا رہی ہو، شوق کی
سادگی اپنی تھی، اور اپنی خوشی

وہ ابتدائے عمر کا سفر، اور یہ مسلک جبر میں
زندگی کاٹتے تھی احساس کی روشنی

FRIDAY

129

7

RABI-UL-AWWAL 28 1397 · ASAR[illegible]

سرو لکھنؤ [illegible]

نظم (طرحی) 67 [illegible]

[illegible] حرم کی لرزتی ہیں — حسین بن علی [illegible] ایسی تامل ہیں

[illegible] مرحبا اور [illegible] — سرکار تنہا [illegible] مولا علی [illegible] نفس

[illegible] سیادت [illegible] قریں — زینب و کلثوم و روح بنت ختم المرسلیں

حاضر [illegible] دل کی [illegible] ہیں — سرور عباس وفا [illegible] علمداری [illegible]

[illegible] اور دیدہ [illegible] جس کا لطف — خادم سبط نبی ابن امیر المومنین

[illegible] مرد [illegible] — جس طرح سجدے میں جھکتی ہے ساجد کی جبیں

[illegible] عباس [illegible] — [illegible] کا تھا [illegible]

نظم (طرحی) ۴ [illegible]

کہتے ہیں تجھ سے [illegible] کی تیاری — وفا کی شان ہے سقائی و علمداری

نقش [illegible] دل عباس [illegible] تھا — دل حسین [illegible] خلوص غمخواری

جب جوہر ناز وفا [illegible] کو — عجب مقام شہادت کی تھی گلکاری

[illegible] وفا [illegible] منفرد معیار — [illegible] وفا تھی [illegible] جنگ تھی معیاری

جو نہر پہ حسین [illegible] خشک [illegible] تشنہ [illegible] — بلند پیاس [illegible] وفا کی خودداری

تھا وہ اپنے مبارک [illegible] منظر خاص — نظر [illegible] شعاری

[illegible] زیارت [illegible] لطیف — معطر [illegible] روضۂ عباس [illegible] طرح [illegible]

وہاں سے [illegible] رسالت [illegible] پروانہ — سوال [illegible] دربار

[illegible] احسان [illegible] — قدم قدم [illegible] تمہاری

S M T T F S

WEDNESDAY

DECEMBER, 67

[illegible]

AUGUST 1967

18 J. Awwal

25 Friday

[illegible] اب ہمیں کوئی سرِ جرم سمجھا کے نہیں — سرِ محفل دل سے [illegible]

لگی ہے دل کی [illegible] یار [illegible] ہے — [illegible]

رہنے [illegible] کوئی ترکِ محبت [illegible] — [illegible] حال گزارا

[illegible] اپنی محبت [illegible] — تم نے [illegible] رکھا

[illegible] کوئی دل کا [illegible] — [illegible]

کوئی [illegible] ہمیں [illegible] ہے — دکھ [illegible]

میں [illegible] وقت جاں [illegible] — [illegible] کا سہارا

بات [illegible] سمجھے ہی ہے — [illegible] کا [illegible]

[illegible] — [illegible] دیکھیے [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

محفل خیابانِ ادب، جوہر آباد

SUNDAY

MAY 67

موضوع مشترکہ ـ ذبیحِ عظیم

قربانیاں ہیں عزتِ اسلام کے لئے
اسلام منتظر ہے ابھی کام کے لئے

قربانیوں نے ایسا دیا دینِ حق کا ساتھ
مذہب کی لاج رکھ گئیں قربانیوں کے ہاتھ

کیا کیا ادا حق ہے مجاہد کی شان میں
کیا شانِ افتخار ہے اس امتحان میں

منظور امتحان تھا ربِ جلیل کو
مقصود ہو گئی دنیا تھا شانِ جلیل کو

خلقت کا امتحان، نبوت کا امتحان
اک خاص مرتبے پہ محبت کا امتحان

بابا کے ساتھ بیٹے کی ہمت کا امتحان
دل اور ایک امتحان میں کڑا تھا امتحان

کچھ بنا تھا کہ نہ سمجھے وہ دو دو ہاتھ
الغرض یہ امتحان، یہ صد شانِ افتخار

دیکھا وہ ذوالجلال نظر آیا خواب میں
تعبیر کھینچ گئی نظر کی انتخاب میں

~~[illegible]~~

جاگتے ہی لختِ جگر کو سنایا ماجرا
عالم ہوئی تھی خواب میں مرادِ نظر

تربیت ملی کہ نورِ نظر سے کیا خطاب
جانِ پدر! پدر کو لگا ہے یہ خواب

راہِ خدا میں خاص محبت سے کہہ دیا
تجھ کو میں ذبح کر رہا ہوں، خدا کے لئے

بیٹے نے دو رشتے حسین [illegible]
آگے سے [illegible] مرضی مسرور کا جلیل

کی عرض آپ حکم کی تعمیل کیجئے
خادم ہوں میں [illegible] تعمیل کیجئے

اشاریه

اشاریہ
("نوائے رضا" و "غزل معلیٰ")

آل رضا کی غزلوں کے دو مجموعے نوائے رضا (1929ء) اور غزل معلیٰ (1959ء) زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ اول الذکر مجموعہ کلام نایاب اور ثانی الذکر کمیاب ہے۔ آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کے قارئین کی سہولت کے لیے ہم نے ان دونوں مطبوعہ مجموعوں کا مشترکہ ردیف وار اشاریہ بھی مرتب کر دیا ہے تاکہ قارئین آل رضا کے تمام کلام سے آگاہ ہو سکیں۔ اس اشاریہ میں "نوائے رضا" کے لیے ن۔ ر اور غزل معلیٰ کے لیے غ۔ م کا مخفف استعمال کیا گیا ہے اور وضاحتی امور کی حاشیوں میں صراحت کر دی گئی ہے۔

(مرتب)

1- تم کو تو' کبھی دل سے بلانا نہیں آتا ہم آ کے جو بیٹھے ہیں' تو جانا نہیں آتا
(غ۔ م۔ صفحہ 61)

2- نیاز و ناز کا یہ سلسلہ نہیں جاتا جفا کو چھیڑ کے' شوقِ وفا نہیں جاتا
(غ۔ م۔ صفحہ 48)

3- کیا ہمارا ہے' مگر کیا نہ ہمارا ہوتا ان کو' اپنا جو سمجھتے کا سہارا ہوتا
(غ۔ م۔ صفحہ 51)

4- ہوائے شوق میں بحرِ دل' رواں دواں ہوتا سبب' تباہیِ کشتی کا بادباں ہوتا
(ن۔ ر۔ صفحہ 31)

5- جو خود نہ اپنے ارادے سے بدگماں ہوتا قدم اٹھاتے ہی' منزل پہ کارواں ہوتا
(غ۔ م صفحہ 36)

6- باغ تمنا' پیارا پیارا پھول ہمارے' رنگ تمہارا
(غ۔ م صفحہ 30)

7- یوں تو' بے تابی میں' اس محفل سے اٹھ جانا پڑا
کیا کہوں' پھر کیا ہوا' جب دل کو سمجھانا پڑا[لہ]
(غ- م صفحہ 68)

8- سودا ہے یہ بھی طرفہ تماشا
لے دے کے دنیا' دنیا تماشا
(غ- م صفحہ 32)

9- یہ کیوں کہوں' کہ میسّر قرار ہو نہ سکا
سکونِ دل پہ' مگر' اختیار ہو نہ سکا
(غ- م صفحہ 43)

10- کب پھول کھلیں' مشغل چھڑے جامہ دری کا
دیوانوں کو چسکا ہے اسی خوش خبری کا
(غ- م صفحہ 40)

11- جو دم گیا' وہ نہیں' پھر پلٹ کے آنے کا'
یہ' اک بدلتا ہوا دور ہے زمانے کا
(ن- ر صفحہ 30)

12- بناتے ہی چلے جاتے ہو دیوانا تو کیا ہو گا؟
یہ ان سے پوچھئے' لیکن برا مانا تو کیا ہو گا؟
(غ- م صفحہ 59)

13- تری سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ آجانے سے کیا ہو گا
بہت ترسے ہیں' ساقی' ایک پیمانے سے کیا ہو گا
(غ- م صفحہ 54)

14- اب ہم کو کسی سے کوئی شکوہ نہ رہے گا
جب تم نہ رہے' کوئی ہمارا نہ رہے گا
(غ- م صفحہ 58)

15- دم لے مرے تو نے دل' دم لے ٹھہر کے بھلا کیا پائے گا؟
خیر اس کو بھلائیں گے دل سے' جتنا کہ بھلایا جائے گا
(غ- م صفحہ 57)

16- غضب ہے' ان کی طفلی کا شباب آثار ہو جانا
قیامت' ارتقائے حسن کا اظہار ہو جانا
(ن- ر صفحہ 39)

17- مجھے کیا غرض کہیں سے' یہ ہے تیرا آستانا
نہ مجھے یہاں سے اٹھنا' نہ کہیں یہاں سے جانا
(غ- م صفحہ 37)

18- کیا ہے محبت' کتنوں نے جانا
مجازی حقیقت' بن کر فسانا
(غ- م صفحہ 46)

لہ اس غزل کے آغاز میں "لکھنؤ چھوڑتے وقت" کا عنوان درج ہے۔

19- پڑھ کر مرا خط روتا، پھر ہنس کے یہ فرماتا
کہتے ہیں رضا جس کو، دیوانہ ہے دیوانا
(ان۔ ر صفحہ 52)

20- دل کچھ اس طرح سے ٹوٹا کہ بنائے نہ بنا
دل کے ٹکڑے جو ملے، جوڑ بٹھائے نہ بنا
(غ۔ م صفحہ 38)

21- رات بھر فصلِ بہار آنے کا ساماں ہوتا
صبح، پو پھٹتے ہی، ہاتھوں میں گریباں ہوتا
(غ۔ م صفحہ 34)

22- پردۂ محمل، نظر آتا ہے آج، الٹا ہوا
صاحبِ محمل، پریشاں ہے کہ مجنوں کیا ہوا؟
(غ۔ م صفحہ 64)

23- شکر ہے، چارہ گروں کا بھی احساں نہ ہوا
درد جس رخ سے اٹھا، قابلِ درماں نہ ہوا
(غ۔ م صفحہ 63)

24- قیدِ الفت میں مزا قید کا، اے دل، نہ رہا
بیڑیاں رہ گئیں اور سازِ سلاسل نہ رہا
(غ۔ م صفحہ 45)

25- بقدرِ شوق، جواب ان کا آسرا نہ رہا
جئے تو جانتے ہیں، جینے کا حوصلہ نہ رہا
(غ۔ م صفحہ 60)

26- وقارِ ضبط کی، دل کو دل بنا کے رہا
جہاں سے درد اٹھا تھا، وہیں سما کے رہا
(غ۔ م صفحہ 53)

27- سوچ کیا اس کا ملا کیا، اور کیا مطلوب تھا
خواب ہی ٹھہرا، تو جتنی دیر دیکھا، خوب تھا
(غ۔ م صفحہ 55)

28- زمانہ لطف کا پھر کب ہے؟ گر شباب نہ تھا
جبھی کو ہوش، دلِ خانماں خراب! نہ تھا
(غ۔ م صفحہ 67)

29- جو دل کو دل نہ سمجھا، وہ مقامِ دل کو کیا سمجھا؟
قدم جس سے نہ اٹھا، رفعتِ منزل کو کیا سمجھا؟
(غ۔ م صفحہ 64)

30- قریب کچھ نہ ملا، دور سے دھواں دیکھا
قفس سے چھوٹ کے، کیا خوب آشیاں دیکھا
(غ۔ م صفحہ 41)

31- بچ گیا میں، دلِ وارفتہ پہ الزام آیا — جس کو دیوانہ سمجھتا تھا، وہی کام آیا

(ن۔ ر صفحہ 48)

32- نہ رکھا کہیں کا، نہ اپنا بنایا — وہ کیا چاہتے ہیں، سمجھ میں نہ آیا

(غ۔ م صفحہ 52)

33- بنا کر اس خس و خاشاک کو پھولوں کا ہم سایا — نشیمن تک ہمیں نے بجلیوں کا ہاتھ پہنچایا

(غ۔ م صفحہ 42)

34- مظلوم بن کے، ظلم کا نقشہ دکھا دیا — دل نے، وہ آہ کی، کہ کلیجہ ہلا دیا

(ن۔ ر صفحہ 35)

35- ہے مذاقِ زندہ دلی کی اس مصلحت نے مزا دیا — نہ جدا ہو دل سے کسک کبھی، وہ مزاجِ درد بنا دیا

(غ۔ م صفحہ 28)

36- سب کی سنتا ہوں تو بنتا ہوں تماشا، یہ کیا؟ — خود جو کہتا ہوں، تو کہتے نہیں بنتا، یہ کیا؟ لہ

(غ۔ م صفحہ 66)

37- نام بڑھ جانے سے کیا، قدر گھٹ جانے سے کیا — لوگ دیوانہ سمجھتے ہیں تو دیوانے سے کیا؟

(غ۔ م صفحہ 49)

38- رات گزری، پھر اندھیرا چھا گیا — اپنا سورج، دن چڑھے، گہنا گیا

(غ۔ م صفحہ 56)

39- درماں ملا، تو درد کا عنواں بدل گیا — آیا سمجھ میں درد، تو درماں بدل گیا

(غ۔ م صفحہ 50)

40- اک چاند کی نگہ کا افسانہ بن گیا — وہ انگلیاں اٹھیں کہ میں دیوانہ بن گیا

(غ۔ م صفحہ 47)

41- آگاہی رموز ہے، خود، پردہ دارِ حسن — میں کچھ سمجھ چلا تھا، کہ دیوانہ ہو گیا

(ن۔ ر صفحہ 44)

42- جذبۂ غم دل کو یوں ابھار لیا — تم کہیں ہو، تمہیں پکار لیا

(غ۔ م صفحہ 65)

لہ اس غزل کے آغاز میں "یہ کیا؟" کا عنوان درج ہے۔

-43 آج یوں دل نے ان کا نام لیا
جیسے، گرتے ہوئے کو تھام لیا
(غ۔ م صفحہ 35)

-44 کھل گئی آنکھ، ہوا منظرِ دلکش نایاب
صبح دم، جیسے ابھی رات کا دیکھا ہوا خواب[۱]
(غ۔ م صفحہ 72)

-45 ابھی چنگاریوں کو پھول ہی بن جانے سے کیا مطلب؟
تجھے، بادِ بہاری، میرے ویرانے سے کیا مطلب؟
(غ۔ م صفحہ 70)

-46 ہے سب سے الگ، عالمِ خوددارِ محبت
آزادِ زمانہ ہے، گرفتارِ محبت
(غ۔ م صفحہ 75)

-47 زمینِ دل و آسمانِ محبت
جہاں سے، جہاں تک، جہانِ محبت
(غ۔ م صفحہ 74)

-48 کھلتے پھولوں کی یہ کہانی دل کو نہ کیوں تڑپائے بہت
شاخوں پہ کم رہنے پائے، ہاتھوں میں کمھلائے بہت
(غ۔ م صفحہ 76)

-49 کم نہیں یوں بھی خدا ساز جہانوں کی بہار
اس میں جڑ جائے اگر اپنے خیالوں کی بہار!
(غ۔ م صفحہ 78)

-50 دن ہے بھاری، غمِ فرقت کے گرفتاروں پر
رات کٹتی ہے دہکتے ہوئے انگاروں پر
(غ۔ م صفحہ 80)

-51 پیار آ نہ جائے کیوں کر، ان کی نہیں نہیں پر
آنکھوں کا اک اشارہ، تیوری شکن جبیں پر
(غ۔ م صفحہ 79)

-52 اشکوں میں بڑھے تازگی خونِ جگر اور
نکھرا ہے تو نکھرے گا ابھی دامنِ تر اور
(غ۔ م صفحہ 81)

-53 ساز چھیڑے ہوئے ہے محفلِ سوز
شب ہے، اور یادِ ماہِ شب افروز[۲]
(غ۔ م صفحہ 83)

-54 جنوں، بگڑی ہوئی حالت کے بننے کا گماں کب تک؟
گریباں، جا چکا کب کا، رہیں گی دھجیاں کب تک؟
(غ۔ م صفحہ 84)

۱۔ اس غزل کے آغاز میں "صبحِ جمال" کا عنوان درج ہے۔
۲۔ اس غزل کے آغاز میں "آغازِ محبت" کا عنوان درج ہے۔

55- پہنچی نہ دل کی بات، حدودِ پیام تک — باقی ہیں ان پہ کتنے جوابِ سلام تک
(غ۔ م صفحہ 85)

56- کس مزے سے آفتوں پہ آفتیں اٹھاتا ہے دل — کس قدر احسان فرمایا ہے، جب آتا ہے دل
(غ۔ م صفحہ 86)

57- واسطہ کوئی نہ رکھ کر بھی ستم اٹھاتے ہو تم — کچھ نہیں، تو یاد ہی آکے چلے جاتے ہو تم
(غ۔ م صفحہ 87)

58- نہ کسی علاجِ غمِ رضا، تو ملے مزاج ہی کم سے کم — یہ ہے دل کے درد کا رنگ کیا؟ نہ ستم سے کم نہ کرم سے کم
(غ۔ م صفحہ 91)

59- کب کے رخصت ہو چکے تھے آپ کی محفل سے ہم — جو نہ اٹھنے دے نہ اٹھے، کیا کہیں اس دل سے ہم
(غ۔ م صفحہ 89)

60- ان کے ستم بھی کہہ نہیں سکتے، کسی سے ہم — گھٹ گھٹ کے مر رہے ہیں، عجب بے بسی سے ہم
(ان۔ ر صفحہ 41)

61- آندھیاں خانہ بر انداز ہیں، آرام کہاں! — ان ہواؤں میں، کسی دوست کا پیغام کہاں!
(غ۔ م صفحہ 132)

62- حسن کی فطرت میں دل آزاریاں — اس پہ، ظالم نت نئی تیاریاں
(غ۔ م صفحہ 124)

63- نقشِ پامالیِ تصویر بنا بیٹھا ہوں — جو بدلتی گئی تقدیر، بنا بیٹھا ہوں
(غ۔ م صفحہ 141)

64- وفا پہ جان دیکر، موردِ الزامِ الفت ہوں — زمانہ مدعی ہے، وہ گنہگارِ محبت ہوں
(ان۔ ر صفحہ 86)

65- جو نہ سمجھے، اس سے، حسرت کیا کہوں — کیا کہوں، اے جوشِ الفت کیا کہوں
(ان۔ ر صفحہ 66)

66- انہیں کو پیار میں کہتے ہیں پیار کی باتیں — بڑے فریب، بڑے اعتبار کی باتیں
(غ۔ م صفحہ 110)

67- پہلی ہی نگاہوں نے، کہہ دیں دل کے وہ کی باتیں
تھیں ان سے رضا جیسے، برسوں کی ملاقاتیں

(غ- م صفحہ 93)

68- خوشی بنا کے غمِ دل کو، دل سے پیار کریں
مگر وہ دل بھی تو ہو، جس پہ اعتبار کریں

(غ- م صفحہ 113)

69- دل کی امنگ تھم کے، حسرتِ دیدِ یار میں
سوکھ کے رہ گئی کلی، کھلنے کے انتظار میں

(غ- م صفحہ 107)

70- سود و زیاں کو دخل کیا، محویتِ نماز میں
میرا خدا ہے اور میں، سجدہ گہِ نیاز میں

(غ- م صفحہ 68)

71- بہلا کے سویا کرتے ہیں اس دل کو انھیں کی باتوں میں
دل جلتا ہے اپنا جن کی طرح، برسات کی بھیگی راتوں میں

(ن- ر صفحہ 60)

72- لطف تھا، قہر کے اشاروں میں
پھول کھلتے رہے شراروں میں

(غ- م صفحہ 115)

73- سوزِ فلک کے سودائی ہیں اس کے بھی عہدیداروں میں
آگ کو جب گلزار بنا دیں، پھول کھلیں انگاروں میں

(غ- م صفحہ 139)

74- ربطِ پیہم یہ رہا ہے، گل و ریحاں سے ہمیں
جیسے پیغام ملے ہوں، لبِ جاناں سے ہمیں

(غ- م صفحہ 135)

75- اس قدر قید بڑھی، دل کی ہر آبادی میں
بچ رہتے ہیں، محبت کی بھی آزادی میں

(غ- م صفحہ 105)

76- چشمِ حسرت کو خدا رکھے، نہ پوچھے ساقی
ہم بھی، دو جام بھرے بیٹھے ہیں میخانے میں

(ن- ر صفحہ 27)

77- محبت آئی گئی کب ہوئی، زمانے میں
عجیب تازہ روا لی ہے اس فسانے میں

(غ- م صفحہ 133)

78- چاہ کھلتی گئی چھپانے میں
جوڑ لگتے گئے فسانے میں

(غ- م صفحہ 127)

79- بڑھ کے سب صرف ہوئی شمع پہ گر جانے میں — جس قدر قوتِ پرواز تھی پروانے میں
(غ- م صفحہ 131)

80- بدلتی ہیں کیا کیا تمہاری نگاہیں — نکلتی ہیں اور بند ہوتی ہیں راہیں
(غ- م صفحہ 96)

81- چاہنے والے، جیسے بھی چاہیں — دل ہی کی جانب دل کی ہیں راہیں
(غ- م صفحہ 109)

82- اے حسنِ حقیقت، ترے افسانے بہت ہیں — کعبے کی بدولت کے صنم خانے بہت ہیں
(غ- م صفحہ 97)

83- اور سب نقش و نگارِ عاشقی برباد ہیں — بھول جانا چاہتا ہوں، جن کو وہ دن یاد ہیں
(غ- م صفحہ 106)

84- رکے، تو پاؤں پکڑ لے یہی زمیں نہ کہیں — چلے چلو، کہ وہ مل جائیں گے کہیں نہ کہیں
(غ- م صفحہ 94)

85- کیا یہ کہوں، کہ دوست، دلِ بے وفا نہیں — ہا ہا، نہیں نہیں، گلہ، آشنا نہیں
(ن- ر صفحہ 28)

86- بدل دے کوئی جسے، وہ مزاجِ یار نہیں — ہزار بار، نہیں، ہے، یہ ایک بار نہیں
(ن- ر صفحہ 46)

87- مردہ دل کو، خلشِ غم سے، سروکار نہیں — گل ہی جب گل نہ رہا، خار بھی پھر خار نہیں
(ن- ر صفحہ 20)

88- سنبھلے رہیے، جو حضوری مری منظور نہیں — خود کھنچے آپ چلے آئیں تو کچھ دور نہیں
(غ- م صفحہ 112)

89- محفل آرائی بہت کچھ، گرمیِ محفل نہیں — میں بھی کس دنیا میں ہوں، انسان ہیں اور دل نہیں
(غ- م صفحہ 102)

90- اس نے نفس نفس کے عوض مجھ کو مٹایا کہ نہیں؟ — سوچتا ہوں کہ سمجھ میں بھی کچھ آیا کہ نہیں؟
(غ- م صفحہ 99)

91- ادھر یہ چھیڑ، ترے آشیاں کی باتیں ہیں
ادھر یہ حال، نہ جانے کہاں کی باتیں ہیں
(غ-م صفحہ 119)

92- "شاد باید زیستن، ناشاد باید زیستن"
مر رہوں، یہ بھی مری محروم قسمت میں نہیں
(ان-ر صفحہ 24)

93- گزر گئی جو گزرنا تھی، اب گلا بھی نہیں
تمہیں پکار کے ہم تھک گئے، سنا بھی نہیں
(غ-م صفحہ 123)

94- جنہیں آنا تھا، آ پہنچے، جنہیں جانا ہے، جاتے ہیں
رضا اٹھو، سحر ہوتی ہے، تارے جھلملاتے ہیں
(ان-ر صفحہ 73)

95- ہاں! اسی کو شباب کہتے ہیں
جس زمانے کو خواب کہتے ہیں
(غ-م صفحہ 117)

96- زندگی کے جو تقاضے، مری تدبیر سے ہیں
وقت دے ساتھ، تو سب خوبیِ تقدیر سے ہیں
(غ-م صفحہ 126)

97- دلِ نازک جسے ہم دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہیں
زمانے بھر کی ذمہ داریاں اس کے حوالے ہیں
(غ-م صفحہ 114)

98- منہ دیکھنے پہ میرے، جو مسکرا رہے ہیں
ہمت بڑھا بڑھا کے، سائل بنا رہے ہیں
(غ-م صفحہ 104)

99- ہم کبھی یوں بھی رضا، شعر سنا آئے ہیں
سننے والے کو کلیجے میں بٹھا لائے ہیں
(غ-م صفحہ 108)

100- ستم گر زمانے سے بدلے لئے ہیں
کہ آنسو بھی ہنس ہنس کے ہم نے پئے ہیں
(غ-م صفحہ 98)

101- کیا وعدۂ مبہم پہ رضا، آس لگائیں
آج آئیں، کہ کل آئیں، وہ آئیں کہ نہ آئیں
(غ-م صفحہ 129)

102- بے زحمتِ ہمدردی، کیا آپ قریب آئیں
اچھا ہے، مری خاطر، تکلیف نہ فرمائیں
(غ-م صفحہ 137)

103- تنگ ہیں سکوں وحشی پہ فضائیں — کہاں' بجلیاں میں نشیمن بنائیں
(غ۔ م صفحہ 121)

104- دل کو مبارک اپنی صدائیں — کون سنے گا' کس کو سنائیں؟
(غ۔ م صفحہ 100)

105- یہی' دنیائے الفت میں' ہوا کرتا ہے' ہونے دو — تمہیں' ہنستا مبارک ہو' کوئی روتا ہے' رونے دو
(ان۔ ر صفحہ 45)

106- سمجھے ہوئے تھا' کشمکشِ انتظار کو — دی جان نذر' وعدہ فردائے یار کو
(ان۔ ر صفحہ 25)

107- برائے نام سہی منصفی سے کام تو' لو — کسی ہم ایسے قتیلِ وفا کا نام تو' لو
(غ۔ م صفحہ 145)

108- جو چاہتے ہو' سو کہتے ہو' چپ رہنے کی لذت کیا جانو — یہ راز محبت ہے' پیارے' تم راز محبت کیا جانو
(غ۔ م صفحہ 144)

109- غمِ دل سے پیدا خوشی ہو تو جانو — محبت کبھی تم نے کی ہو تو جانو
(غ۔ م صفحہ 142)

110- ملے یہ معراج سرفرازی' دماغ پھر کیوں نہ عرش پہ ہو — کہ جس کے قدموں میں ہے زمانہ' اسی کے قدموں پہ اپنا سر ہو
(غ۔ م صفحہ 146)

111- اتر گیا' صدقہ حسن کا' مبارک ہو — مبارک آپ کو' مرگِ رضا' مبارک ہو
(ان۔ ر صفحہ 11)

112- رات ابھی باقی ہے' دل کھول کے جل لے اے شمع — ہے جو اب تک' وہ ہوا' وقتِ سحر ہو کہ نہ ہو
(ان۔ ر صفحہ 29)

113- وہ نشاں دو جب ہے' جس سے دامن آرائی نہ ہو — اشکِ خونیں' تھم' مذاق غم کی رسوائی نہ ہو
(غ۔ م صفحہ 143)

114- سجدۂ شوق ہو اور عالمِ تنہائی ہو — ایک دن یوں ترے قدموں پہ جبیں سائی ہو
(غ۔ م صفحہ 147)

115- دل تجھ کو دکھاتا ہے، ابھی اور زیادہ اللہ کرے تیری خوشی اور زیادہ
(غ- م صفحہ 150)

116- "وحدت" جا کے، پھر نہ پلٹے نگاہ کششِ حسن! ارے معاذ اللہ!
(ن- ر صفحہ 89)

117- بے رنگ ہے مے خانہ، چھلکے نہ جو پیمانہ یہ کام نہیں چلتا، بے لغزشِ مستانہ
(غ- م صفحہ 152)

118- بنا اسی کے لیے، عقل سے جو بیگانہ بہت عزیز محبت کو ہے وہ دیوانہ
(غ- م صفحہ 156)

119- دل باغ باغ، جانِ گلستاں کے ساتھ ساتھ گل دل نواز، تنگیِ داماں کے ساتھ ساتھ
(غ- م صفحہ 148)

120- اک آن صبح کے ساتھ، ایک شان شام کے ساتھ بنا بھی حسن، تو کس حسنِ انتظام کے ساتھ
(ن- ر صفحہ 75)

121- انجان بن کے غم سے، نبھے گا خوشی کے ساتھ کب تک کوئی مذاق کرے زندگی کے ساتھ
(غ- م صفحہ 154)

122- دل جلو! لب پہ ہے ہنسی کیسی؟ اس دھوئیں میں یہ روشنی کیسی؟
(غ- م صفحہ 174)

123- ہے تو دیکھو اب بھی ان آنکھوں میں مروت باقی کوئی کافر ہوں! جو رہ جائے شکایت باقی
(غ- م صفحہ 219)

124- ظلم پہ یوں ظلم، فرصت ہی نہیں فریاد کی بانیِ بیداد! آخر حد بھی ہے بیداد کی
(ن- ر صفحہ 23)

125- وفا خطا تھی، خطا میں نے زندگی بھر کی اب اس کے آگے، جو مرضی ہو بندہ پرور کی
(ن- ر صفحہ 80)

126- ہوش آ جانے پہ، حالت ہے یہ دیوانوں کی دھجیاں ڈھونڈتے پھرتے ہیں گریبانوں کی
(غ- م صفحہ 182)

127- خدا ہے، اور مری تکمیل زندگانی کی — کہ اب کی ہے، فقط مرگِ ناگہانی کی

(ن-ر صفحہ 38)

128- اسی کے در پہ رضا میں نے جبہ سائی کی — دیارِ عشق میں جس حسن نے خدائی کی

(غ-م صفحہ 184)

129- صبح سے پہلے چھوٹ پڑے گی وقت پہ آنے والے کی — جلد کٹے یہ رات اندھیری، چھیڑو بات اجالے کی

(غ-م صفحہ 247)

130- جب محبت کائناتِ سرمدی ہو جائے گی — موت کہتے ہیں جسے، وہ زندگی ہو جائے گی

(غ-م صفحہ 238)

131- دل کی رنگت، نہ تم نے پہچانی — خون اشکوں کا بن گیا پانی

(غ-م صفحہ 166)

132- آگ لے کے ڈس رہا ہے باغباں، یہ بھی سہی — پوچھتا ہے، کیوں بنایا آشیاں، یہ بھی سہی

(غ-م صفحہ 202)

133- پائی نہ ان میں چھپاؤں وفا کی، بات بھی کوئی تو کبھی — کوس گزرے تو چاہ کے تھے ہی، بھول گئے ہم رستا بھی

(غ-م صفحہ 250)

134- بدلیں گے کتنے رنگ، یہ شام و سحر ابھی — کیا جانے، کیا دکھائے، فریبِ نظر ابھی

(غ-م صفحہ 206)

135- رنگ جو چاہے جمالے، مری محفل ابھی — رقص میں بسمل ابھی ہے، وجد میں قاتل ابھی

(غ-م صفحہ 223)

136- ہے تری خاص نگاہوں سے مجھے کام ابھی — دل نہ بن جائے کہیں جلوہ گہِ عام ابھی

(غ-م صفحہ 189)

137- جب اہلِ ستم کو ہو، رضا، نازِ ستم بھی — پھر کون یہ دیکھے، کہ ستم کش میں ہے دم بھی؟

(غ-م صفحہ 225)

138- اسے تو برق کدہ ہے تمام گلشن بھی — جسے پناہ نہ دے گوشہ نشیمن بھی

(غ-م صفحہ 161)

139- اب تو اپنے جنوں کی بن آئی
سب تماشا ہیں' میں تماشائی
(غ۔م صفحہ 177)

140- کیا بتائے وہ' بسلسلۂ زندگی کیا رہ گئی؟
جس کی دنیا ایک تنکے کا سہارا رہ گئی
(غ۔م صفحہ 210)

141- یہی اچھا ہے' جو اس طرح ستائے کوئی
آپ بھی پھر مجھے ڈھونڈے' تو نہ پائے کوئی
(انت۔ ر صفحہ 16)

142- خیالِ حسن میں یوں زندگی تمام ہوئی
حسین صبح ہوئی اور حسین شام ہوئی
(غ۔م صفحہ 157)

143- منسوب آپ سے مری دیوانگی ہوئی
اب آپ ہی بتائیں' یہ کس کی ہنسی ہوئی
(غ۔م صفحہ 243)

144- خوشبوئے دل میں درد کی دنیا بسی ہوئی
جیتا ہے جس کا نام' وہ اب زندگی ہوئی
(غ۔م صفحہ 245)

145- ہمیں کھو گئے' ہوش میں آتے آتے
مٹا وفا نقشا بناتے بناتے
(غ۔م صفحہ 218)

146- ارے یہ شوق' کہ اپنا انہیں کیا کرتے
مگر یہ ضد' کہ اجازت وہ خود عطا کرتے
(غ۔م صفحہ 248)

147- ہم تو اس کو سنتے رہتے
وہ گئے آپ جو کہتے کہتے
(غ۔م صفحہ 183)

148- سزا دینے والے' ذرا دل بڑھا دے
محبت کا مجرم ہوں' ہنس کر سزا دے
(غ۔م صفحہ 235)

149- توفیق اگر دردِ محبت کی خدا دے
جینے کی تو کیا بات ہے' مرنا بھی مزا دے
(غ۔م صفحہ 169)

151- عجیب رنگ تصور میں بھر دیا پیارے
حسین تر تجھے دوری نے کر دیا پیارے
(غ۔م صفحہ 234)

152- جلوہ ہائے کرمِ دوست، نظر سے گزرے ۔ ہم اسی شوق کے عالم میں جدھر سے گزرے
(ر۔خ۔م صفحہ 200)

153- ان سے چھٹ جانے کے سامان، خدا خیر کرے ۔ پھر بھی جینے کا ہے امکان، خدا خیر کرے
(ر۔خ۔م صفحہ 172)

154- آنکھوں کی فریبی لذت میں دل کو تہ و بالا کون کرے ۔ باطل، وفا بیگانے کو، حد دیکھے کا اپنا کون کرے
(ر۔خ۔م صفحہ 185)

155- جو ذوقِ سجدہ کے نزدیک، تیرا در ٹھہرے ۔ وہی جگہ ہے ٹھہرنے کی، دل اگر ٹھہرے
(ر۔خ۔م صفحہ 165)

156- فرض، رات، دن، شام، پچھلے، سویرے ۔ محبت کی گلیاں، اندھا دھند پھیرے
(ر۔خ۔م صفحہ 162)

157- یہی آئے دن کی انجمن، غمِ تشنہ بیاں سے ۔ کہ اگر سنے بھی کوئی، تو ہو ابتدا کہاں سے؟
(ر۔خ۔م صفحہ 207)

158- وہ آئیں ہنستے ہوئے، وقت سازگار بنے ۔ کھلے وہ پھول، کھلا کر جسے بہار بنے
(ر۔خ۔م صفحہ 163)

159- دل اٹھاتا تھا جس زمانے سے ۔ وہ نہ باز آیا جی لبھانے سے
(ر۔خ۔م صفحہ 158)

160- شکوے ہیں بے حسوں کو بھی گردشِ روزگار کے ۔ ہم کو کہو کہ اف نہ کی، رہ گئے جی کو مار کے
(ر۔خ۔م صفحہ 229)

161- ذرا میری نظروں سے بھی ساز کر کے ۔ محبت کو، دیکھو تو، آغاز کر کے
(ر۔خ۔م صفحہ 230)

162- مجھ سے یوں غافل ہوئے قربان اس انداز کے ۔ جس طرح پردے گرا دیں، خوابِ گاہِ ناز کے
(ر۔خ۔م صفحہ 240)

163- رضا، ہم اپنی محبت سے، فیض پا نہ سکے ۔ بھڑک رہے تھے وہ شعلے، جنہیں بجھا نہ سکے
(ر۔خ۔م صفحہ 211)

164- رہِ وفا، نگہِ شوق، ولولے دل کے
عجیب رنگ نظر آ رہے ہیں منزل کے
(غ۔ م صفحہ 216)

165- وفا کا جو بھی دل پہ نشاں تھا اک حسرت بھرے سوال کے
ترے صدقے مرے آسان کرنے والے مشکل کے
(ان۔ ر صفحہ 711)

166- بے بلائے ہوئے مہمان بیابانوں کے
ایسے بیٹھے ہیں کہ گھر ہی نہیں دیوانوں کے
(غ۔ م صفحہ 168)

167- جو ملا ہے کسی قاتل سمجھ کر
تو رکھنا دل رضا کا دل سمجھ کر
(غ۔ م صفحہ 199)

168- بیٹھے بیٹھے اک دن دل نے کہہ تو دیا "وہ آئیں گے"
اب تک لیکن یہ نہیں کھولا کب تک راہ دکھائیں گے
(ان۔ ر صفحہ 93)

169- یونہی دیکھے چلے جائیں، مرا دل دیکھنے والے
کہیں دیکھے چلے جانے کے قابل، دیکھنے والے
(غ۔ م صفحہ 203)

170- سکون بھی ہے کہیں، اضطراب کیا جانے؟
اک انقلاب، حدِ انقلاب کیا جانے؟
(غ۔ م صفحہ 226)

171- اپنا سمجھ لیا چمنِ روزگار نے
میرے لئے جو پھول کھلایا بہار نے
(غ۔ م صفحہ 194)

172- قسمت میں خوشی جتنی تھی ہوئی اور غم بھی ہے جتنا ہوتا ہے
گھر پھونک تماشا دیکھ چکے، اب جنگل جنگل روتا ہے
(ان۔ ر صفحہ 50)

173- عجیب چاہ کی غیرت کا حال ہوتا ہے
ہوا ملال، تو اس کا ملال ہوتا ہے
(غ۔ م صفحہ 254)

174- کچھ کہو ان سے، نہ کہنے کا گماں ہوتا ہے
حالِ دل ایسوں سے، کس طرح بیاں ہوتا ہے
(غ۔ م صفحہ 213)

175- تھپیڑوں کا، موجوں ہی کے، آسرا ہے
چل، اے میری کشتی! خدا، ناخدا ہے
(ان۔ ر صفحہ 37)

176- مرے رخ پہ جو رنگ آ جا رہا ہے   تمہارا ہی منہ دیکھا جا رہا ہے

(غ۔ م صفحہ 233)

177- بھلا چاہتا بھی' برا ہو رہا ہے   یہ عالم محبت میں کیا ہو رہا ہے؟

(غ۔ م صفحہ 224)

178- جہانِ حسن کو' دل نے جہاں سجایا ہے   وہیں ٹھہر کے' نظر نے فریب کھایا ہے

(غ۔ م صفحہ 170)

179- پوچھتے کیا ہو' محبت کی ضرورت کیا ہے؟   جب سمجھتے ہی نہیں تم' کہ محبت کیا ہے؟

(غ۔ م صفحہ 215)

180- ملا ہے دل' تو یہ بے صوت بے حسی کیا ہے؟   تڑپ کے دیکھ' محبت کی زندگی کیا ہے؟

(غ۔ م صفحہ 251)

181- سب کچھ ہے' کچھ نہیں ہے' یہ حالت بھی خوب ہے   دیوانگی کا نام' محبت' بھی خوب ہے

(غ۔ م صفحہ 180)

182- وہ بے وفا' یہ کون شکایت کی بات ہے   دنیا ہے' اپنی اپنی طبیعت کی بات ہے

(غ۔ م صفحہ 241)

183- جس طرف دیکھ لو قیامت ہے   ان نگاہوں پہ کتنی قدرت ہے

(غ۔ م صفحہ 255)

184- فریبِ شوق سمجھا ہی ایک آفت ہے   کہ آنکھ کھل گئی اور نیند کی ضرورت ہے

(غ۔ م صفحہ 221)

185- رضا! کتنی حسین' اور مختصر شرحِ محبت ہے   نہ راس آئے تو دوزخ ہے' جو راس آئے تو جنت ہے

(ان۔ ر۔ صفحہ 55)

186- مایوس خود بخود' دلِ امیدوار ہے   اس گل میں' جو خزاں کی ہے رنگِ بہار ہے

(ان۔ ر۔ صفحہ 22)

187- اے دل' کہیں پسند فضائے مکاں رہے   اب یہ نہ ہو کہ دردِ محبت کہاں رہے؟

(غ۔ م صفحہ 253)

188- شوخیِ موجِ تبسم میں، وہ کچھ مستور ہے — ہوش اڑے جس کے، پکار اٹھا کہ برقِ طور ہے

(ن_ ر۔ صفحہ 15)

189- جنونِ جبہ سائی کیا کہیں، کب تک کہاں تک ہے؟ — ہماری زندگی تک ہے، تمہارے آستاں تک ہے

(غ۔ م صفحہ 171)

190- ہو تھک ہی جائیں تو مجبور بشر کچھ نہ کہے — یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ نظر کچھ نہ کہے

(غ۔ م صفحہ 191)

191- اب آج میری طرح، دکھ زدوں میں داخل ہے — جو، چاہ پیار سے مانگا تھا، یہ وہی دل ہے؟

(ن_ ر۔ صفحہ 54)

192- جو مٹنے والی شے تھی، مٹ گئی، اس کا نہیں غم ہے — مگر باندھی ہی کیوں تھی آس ایسی، اس کا ماتم ہے

(ن_ ر۔ صفحہ 92)

193- دیوانہ نوازی کا، ہر حال میں ساماں ہے — برباد یہ گھر اپنا، دلچسپ بیاباں ہے

(ن_ ر۔ صفحہ 43)

194- دل بھی نہ رہا، ولولۂ دل بھی نہیں ہے — آنکھوں میں ہے تصویر، مکاں ہے نہ مکیں ہے

(غ۔ م صفحہ 176)

195- دل بھی نہ رہا، ولولۂ دل بھی نہیں ہے — آنکھوں میں ہے تصویر، مکاں ہے نہ مکیں ہے[۱]

(ن_ ر۔ صفحہ 77)

196- دل کشی کتنی محبت کی اس آواز میں ہے — "کیفِ انجامِ وفا" خوبیِ آغاز میں ہے"

(غ۔ م صفحہ 227)

197- محبت میں جب تک شرافت نہیں ہے — وہ کچھ اور ہو گی، محبت نہیں ہے

(غ۔ م صفحہ 205)

198- ہے بات کہنے کو کل کی، مگر فسانہ ہے — نہ ہم وہ ہیں، نہ وہ دل ہے، نہ وہ زمانہ ہے

(غ۔ م صفحہ 228)

199- مجبور نہ کر، مجبور ہیں ہم، بیکار ہمیں سمجھانا ہے — ان رستے ہوئے اشکوں کی قسم، دل چھلکا ہوا پیمانہ ہے

(غ۔ م صفحہ 164)

۱۔ "نوائے رفتہ" کی یہ غزل مطلع کے علاوہ درج بالا غزل سے مختلف ہے۔

200- دیکھو! دیکھو! نگہِ لطف غضب ڈھاتی ہے
پھر مری مردہ تمناؤں میں جان آتی ہے
(ان۔ ر۔ صفحہ 33)

201- یہ حسن کی دنیا سے پوچھو، کیا کھوتی ہے، کیا پاتی ہے
جب دیکھ کے اک جا پھول کھلے، بجلی میں چمک آ جاتی ہے
(غ۔ م صفحہ ۱۹۸)

202- تم کو جس وقت نظر ڈھونڈ کے تھک جاتی ہے
دل پہ گرتی ہوئی بجلی سی چمک جاتی ہے
(غ۔ م صفحہ ۲۱۷)

203- نہ پوچھو تم سے کیوں دل بستگی معلوم ہوتی ہے
مجھے اس میں ذرا ان کی خوشی معلوم ہوتی ہے
(غ۔ م صفحہ ۲۱۹)

204- اے جانِ بہار، آ جا، رت کتنی سہانی ہے
پیغام محبت کا پھولوں کی زبانی ہے
(غ۔ م صفحہ 232)

205- چھٹ کے آئے ہیں قفس سے تو ابھی یاد بھی ہے
پھول ہی پھول نہیں باغ میں، صیاد بھی ہے
(غ۔ م صفحہ 222)

206- ہر روز تمہیں ملنے کی امیدیں ان امیدوں کی قسمت کرتے ہیں
اب آپ کو کیوں یاد آئے گا، ہم آپ محبت کرتے ہیں
(غ۔ م صفحہ 190)

207- ہوش میں ہوں اور سب کہتے ہیں دیوانہ مجھے
ہائے اے دل! یہ بنا رکھا ہے تو نے کیا مجھے
(ان۔ ر۔ صفحہ 62)

208- مرحبا! خوب کیا، رنج سے آزاد مجھے
یوں مٹایا ہے، کہ خدا بھی نہیں یاد مجھے
(ان۔ ر۔ صفحہ 18)

209- عجب عالم ہوا کرتا ہے، جب منہ کو جگر آئے
میں ہنسنے ہی کی کوشش میں رہا اور اشک بھر آئے
(غ۔ م صفحہ 237)

210- ماتھے پہ شکن، اے دلِ ناکام، نہ آئے
اب اور بھی تجھ پہ کوئی الزام نہ آئے
(غ۔ م صفحہ 220)

211- ضبط کہتا ہے، خموشی میں بسر ہو جائے
درد کی ضد ہے، کہ دنیا کو خبر ہو جائے
(غ۔ م صفحہ 188)

212- کیوں نہ وہ عشق کے آداب کا قائل ہو جائے
بات آسان سی کہنا' جسے مشکل ہو جائے
(غ۔ م صفحہ 160)

213- چاہیے ہم کو' آزادی سے گو کل جائے پپیہا آئے
کال تھا' آ کے قفس پر آپ بھی روئے ہمیں بھی رونا آئے
(غ۔ م صفحہ 179)

215- کہتا ہمارے بعد یہ' آئی بہار سے
تھے کچھ قفس نصیب' جو بچارے مر گئے
(ان۔ ر۔ صفحہ 32)

216- دلنشیں جس دن سے' تیرِ نازِ جاناں ہو گئے
اور بھی گہرے' تعلق ہائے پنہاں ہو گئے
(ان۔ ر۔ صفحہ 13)

217- ہمدردیوں میں' درد کے ساماں نئے نئے
کیا کیا ہیں' اک غریب پہ احسان نئے نئے
(غ۔ م صفحہ 204)

218- شمع نے لو دی' نثار شمع پروانے ہوئے
آپ کیوں بیٹھے ہیں محفل میں برا مانے ہوئے؟
(غ۔ م صفحہ 192)

219- انتظارِ برقِ آتش بار کرتے جائیے
آشیاں سے ہوئے تیار کرتے جائیے
(غ۔ م صفحہ 187)

220- جس طرح چاہیے' کرم فرمائیے
دل میں رہیے' درد بنتے جائیے
(غ۔ م صفحہ 197)

221- میرے مرتے دم' تو' کچھ پاس محبت کیجیے
آئیے' بیمار کو اب اپنے رخصت کیجیے
(ان۔ ر۔ صفحہ 58)

222- محبت ہے' بس اب اس سے زیادہ اور کیا کہیے
اک آفت ہے' بس اب اس سے زیادہ اور کیا کہیے
(غ۔ م صفحہ 231)

223- تعظیمِ درد و کیفِ لطافت نہ پوچھیے
نیرنگیِ مزاجِ محبت نہ پوچھیے
(غ۔ م صفحہ 236)

224- ہر دن نئی ہے شام و سحر کچھ نہ پوچھیے
ہر وقت کا فریب نظر کچھ نہ پوچھیے
(غ۔ م صفحہ 196)

ماخذ

(مندرجہ ذیل کتب، رسائل اور اخبارات سے براہ راست استفادہ کیا گیا)

کتب

آل رضا، سید	تہذیب عبادت،	کراچی، دانش کدہ اکیڈمی، ۱۹۷۲ء
آل رضا، سید	شریعۃ الحسین	لاہور، مکتبہ تنظیم الاسلام، ۱۹۷۰ء
آل رضا، سید	شہادت سے پہلے، شہادت کے بعد	لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۳۴ء
آل رضا، سید	غزل معلی	کراچی، مکتبہ افکار، س۔ن۔
آل رضا، سید	مراثی رضا	کراچی، خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر، ۱۹۸۱ء
آل رضا، سید	نوائے رضا	لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۲۹ء
ابوالکلام آزاد	شہادت امام حسینؑ	لاہور، گلستان، ۱۹۵۳ء
ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر	غزل اور متغزلین	لاہور، اردو مرکز، ۱۹۵۵ء
ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر	لکھنؤ کا دبستان شاعری	لاہور، اردو مرکز، ۱۹۵۷ء
ابوسلمان شاہجہانپوری	کتابیات اردو املا اور دوسرے مسائل	اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء
احتشام حسین	ادب اور سماج	بمبئی، پبلشرز لمیٹڈ، ۱۹۴۸ء
احتشام حسین	ذوق ادب اور شعور،	لکھنؤ، فروغ اردو، ۱۹۵۵ء
احسن فاروقی	شام اودھ	لکھنؤ، کاواخفا پریس، س۔ن۔
اختر انصاری	غزل اور درس غزل	علی گڑھ، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۵۹ء
اعجاز حسین	مختصر تاریخ ادب اردو	کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، س۔ن۔
اعجاز حسین	مذہب و شاعری	کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، س۔ن۔
الطاف حسین حالی	مقدمہ شعر و شاعری	لاہور، مکتبہ جدید، ۱۹۵۳ء
ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر	اردو میں اصول تحقیق (جلد اول)	اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء
جمیل جالبی، ڈاکٹر	تنقید اور تجربہ	کراچی، مشتاق بک ڈپو، ۱۹۶۷ء

حامد علی خاں (مدیر)	اردو انسائیکلوپیڈیا (جلد اول)	لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۸۷ء
حامد حسن قادری	مختصر تاریخ مرثیہ گوئی	کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۴ء
حسین سحر	لولو	ملتان، مکتبہ اہل قلم، ۱۴۰۳ھ
حسین عارف نقوی	تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان	اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی، ۱۹۸۴ء
رام بابو سکسینہ	تاریخ ادب اردو	لکھنؤ، نولکشور، ۱۹۲۹ء
رضی الدین حیدر (مرتب)	یادگار عزا	الہ آباد، اسرار کریمی پریس، س۔ن۔
رفیق حسین	اردو غزل کی نشوونما	الہ آباد، رام نرائن لال، ۱۹۵۵ء
سفارش حسین	میر انیس	دہلی، مکتبہ جامعہ، ۱۹۶۵ء
سلطانہ مہر	سخن ور (تذکرہ شعرائے پاکستان)	کراچی، ادارہ تحریر، ۱۹۷۹ء
شبیہ الحسن، ڈاکٹر	آل رضا کا فنِ غزل گوئی	لاہور، سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء
شبیہ الحسن، ڈاکٹر	ترجیحات	لاہور، اظہار سنز، ۱۹۹۸ء
شوکت تھانوی	شیش محل	لاہور، اردو بک سٹال طبع چہارم، ۱۹۳۸ء
صفدر حسین، سید، ڈاکٹر	لکھنؤ کی تہذیبی میراث	لاہور، یادگار ادب، ۱۹۷۵ء
ضمیر اختر نقوی، سید	اردو مرثیہ پاکستان میں	کراچی، سید اینڈ سید، ۱۹۸۲ء
عابد علی عابد	اصول انتقاد ادبیات	لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء
عابد علی عابد	تنقیدی مضامین	لاہور، مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۶۶ء
عبادت بریلوی، ڈاکٹر	جدید شاعری	کراچی، اردو دنیا، ۱۹۶۶ء
عبادت بریلوی، ڈاکٹر	روایت کی اہمیت	کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۵۳ء
عبادت بریلوی، ڈاکٹر	غزل اور مطالعہ غزل	کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۵۵ء
عبدالرؤف عروج	اردو مرثیے کے پانچ سو سال	کراچی، مکتبہ نیازی، س۔ن۔
عبدالقادر سروری	جدید اردو شاعری	لاہور، کتاب منزل، ۱۹۳۸ء
عبدالوحید خان	جدید شعرائے اردو	لاہور، فیروز سنز، ۱۹۷۹ء
علی رضوی، سید (مرتب)	حسین پر سلام	کراچی، میر انیس اکیڈمی، ۱۹۸۶ء
فرمان فتحپوری، ڈاکٹر	اردو رباعی	لاہور، مکتبہ عالیہ، بار دوم، ۱۹۸۲ء
فرمان فتحپوری، ڈاکٹر	اردو کی نعتیہ شاعری	لاہور، آئینہ ادب، ۱۹۷۴ء
مجتبیٰ حسین	ادب و آگہی	کراچی، مکتبہ افکار، س۔ن۔
محمد رضا کاظمی	جدید اردو مرثیہ	کراچی، مکتبہ ادب، ۱۹۸۱ء
محمد زکریا، خواجہ، ڈاکٹر	اردو میں قطعہ نگاری	لاہور، منیب بک ڈپو، ۱۹۷۷ء

مسعود حسن رضوی ادیب	ہماری شاعری	لکھنؤ نولکشور ۱۹۴۳ء
ممتاز حسین، پروفیسر	حالی کے شعری نظریات	کراچی، سعد پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء
نجم الغنی	تاریخ اودھ	مراد آباد، مطبع مطلع العلوم، ۱۹۰۹ء
نعمان تاثیر، مظفر صدیقی	شعرستان (تذکرہ شعرائے پاکستان)	کراچی، مکتبہ پرچم، ۱۹۵۰ء
نعیم میرٹھی (مرتب)	مجلہ حیات جاوداں	کراچی، حلقۂ احباب، س۔ ن۔
وحید الحسن ہاشمی، سید	تشنہ لب ہے حسین	لاہور، الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء
وحید الحسن ہاشمی، سید (مرتب)	جدید فن مرثیہ نگاری	لاہور، مکتبہ تعمیر ادب، ۱۹۶۷ء
وزیر آغا، ڈاکٹر	اردو شاعری کا مزاج	لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۴ء
ہلال نقوی، ڈاکٹر	جدید مرثیے کے تین معمار	کراچی، پاکستان رائیڈرس گلڈ، ۱۹۷۷ء
ہلال نقوی، ڈاکٹر	بیسویں صدی اور جدید مرثیہ	کراچی، محمدی ٹرسٹ، ۱۹۹۴ء
ہما اخلاق حسین	جو تبار (تذکرہ)	لاہور، فیروز سنز، ۱۹۶۹ء

رسائل

آہنگ	پندرہ روزہ	کراچی
اخبار جہاں	ہفت روزہ	کراچی
ارشاد	پندرہ روزہ	کراچی
اسد	ہفت روزہ	لاہور
افکار	ماہنامہ	کراچی
الامیر	ماہنامہ	کراچی
الکوثر	(رسالہ حبیب پبلک اسکول)	کراچی
المنظر	ماہنامہ	لاہور
پیام	ماہنامہ	کراچی
پیام عمل	ماہنامہ	لاہور
تہذیب الاخلاق	ماہنامہ	لاہور
جدید ادب	ماہنامہ	لاہور
خواجگان	ماہنامہ	لاہور
رضاکار	ہفت روزہ	لاہور
سب رس	ماہنامہ	کراچی

سرفراز	ہفت روزہ	لکھنؤ
شام و سحر	ماہنامہ	لاہور
شہید	پندرہ روزہ	لاہور
شیعہ	ہفت روزہ	لاہور
فاران	ماہنامہ	کراچی
قیام	ماہنامہ	کراچی
ماہِ نو	ماہنامہ	کراچی / لاہور
نظارہ	ہفت روزہ	لکھنؤ
نقوش	ماہنامہ	لاہور
نگار	ماہنامہ	کراچی
نوائے مہاجرین	ماہنامہ	کراچی

اخبارات

جنگ	روزنامہ	کراچی، ۱۷ مارچ ۱۹۷۸ء
حریت	روزنامہ	کراچی، ۲۳ فروری ۱۹۷۹ء
ڈان	روزنامہ	کراچی، ۱۷ مارچ ۱۹۷۸ء
قومی آواز	روزنامہ	لکھنؤ ۱ مارچ ۱۹۷۸ء
مارننگ نیوز	روزنامہ	کراچی ۳ مارچ ۱۹۷۸ء
مشرق	روزنامہ	کراچی، ۳ جنوری ۱۹۸۳ء



سیّد آلِ رضا مرحوم لکھنوی اندازِ شاعری کے آخری بڑے شاعر تھے۔ زبان و بیان کی خوب صورتی، محاورے اور روزمرہ کے برمحل استعمال اور روایتی سانچوں کو انہوں نے جس مہارت اور ندرت کے ساتھ پیش کیا ہے اس سے لکھنوی روایت کے ساتھ ان کے ربطِ خاص کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے کلام کا بہت تھوڑا حصہ شائع ہوا۔ غزل اور مرثیوں کے دواوین کی اشاعت سے ان کا شعری رتبہ متعین ہوا۔ ان کے کلام کا ایک بڑا حصہ اِدھر اُدھر بکھرا ہوا تھا، اور کچھ کلام ان کی بیاضوں میں دفن تھا جسے اب طویل عرصے کے بعد طباعت کی روشنی نصیب ہوئی ہے۔

آلِ رضا خوش نصیب شعرا میں ہیں جنھیں ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن جیسا مخلص نقاد ملا ہے، جو اپنے اجداد کی روایت کا پاسدار ہی نہیں بلکہ اس کا بہت بڑا مبلغ بھی ہے۔ شبیہ الحسن کے والد سیّد وحید الحسن صاحب آلِ رضا کے حلقۂ شاگردی میں شامل تھے۔ اس سے شبیہ الحسن نے ضروری جانا کہ آبائی روایت کی پاسداری کرتے ہوئے بزرگوں کی متاعِ بے بہا کو قارئین تک پہنچانا چاہیے۔ یہ ایک کٹھن کام تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے دس برس کی مسلسل محنت سے اخبارات و رسائل اور بیاضوں سے ریزہ ریزہ کلام جمع کیا اور اس طرح آلِ رضا کے کلام کی باقیات یکجا ہو گئیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کام میں تدوین کے جدید اصولوں کو پیشِ نظر رکھا ہے اور جابجا حوالوں اور حواشی کا اضافہ کیا ہے۔ آج کل تدوینِ متن کا کام اردو کے محققین کے بس کا نہیں رہا کہ اکثر علمِ عروض میں پیدل ہیں اور تدوینِ متن میں عجیب و غریب غلطیاں کرتے ہیں۔ شاعری شبیہ الحسن کے گہوارۂ تربیت کا حصہ ہے اسلئے یہ متن صحت کے اعتبار سے کئی معاصرین کے کام سے بازی لے گیا ہے۔ انھوں نے محض ایک مرحوم شاعر کے کلام ہی کو یکجا نہیں کیا بلکہ لکھنوی روایت کے اس آخری زمانے کو بھی محفوظ کر دیا ہے۔ اب آلِ رضا کے شعری مرتبے کے تعین میں آسانی پیدا ہو گئی ہے۔ اس اہم علمی کام پر میں عزیزِ موصوف کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر وحید قریشی

(سمن آباد، لاہور پاکستان)

۴ جون ۲۰۰۰